فصل دوم

لہ الحمد وعلیہ الصلوہ والسلام

واقعہ قرطاس اور اس کا پس منظر

جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفاء ثلاثہ اور امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر طعن قائم کرنا کچھ لوگوں کی زندگانی کا محبوب مشغلہ ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مطاعن قائم کرنا ہر دور میں ایسے مولفین و مصنفین کا مرغوب شیوہ رہا ہے۔

اہل السنہ علماء کرام بھی ہمیشہ ان کے جوابات اپنے اپنے دور میں پیش کرتے رہے ہیں۔

چنانچہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا ایک وسیع سلسلہ قائم کیا گیا ہے۔ موجودہ دور میں بھی "یادِ فاروق" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا گیا ہے، جس میں دیگر مطاعن کے علاوہ قرطاس کا طعن حسب عادت "بعنوان حضرت فاروق کی اطاعت، خدا و رسول کا قیاس در ضمن شرح حدیث قرطاس" نشر کیا ہے۔

آئندہ صفحات میں طعن ہذا کے ازالہ کے لیے کلام کیا گیا ہے اور صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کی طرف سے صفائی پیش کی گئی ہے۔

ایام مرض الوفات

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفات میں کئی اہم واقعات پیش آئے جو محدثین اور اہل سیرت نے اپنے اپنے مقام پر مفصل ذکر کیے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ ان واقعات میں کئی وصایا ہیں جو امت کو فرمائی گئیں اور کئی دیگر فرامین بھی پائے جاتے ہیں جو مختلف ضرورتوں کے لیے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائے۔

اور بعض اقوال بعض مخصوص لوگوں کے لیے بھی صادر فرمائے مثلاً اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشادات اور ازواج مطہرات اور اہلِ بیت کے حق میں بھی کئی فرامین منقول ہیں جن کی تفصیلات مندرجہ ذیل مقامات پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں:

(۱) طبقات ابن سعد ص ۱۰ تا ۴۸ جلد ثانی قسم ثانی تحت حالات مرض الوفاۃ طبع لیڈن۔

(۲) دلائل النبوۃ للبیہقی جلد سابع (۷) تحت مرض الوفاۃ۔

(۳) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ص ۲۰۱ تا ۲۰۵ جلد (۹) طبع مکتبہ اثریہ۔

(۴) البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد خامس تحت حالات وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اندریں حالات ایک دیگر واقعہ پیش آیا جسے "قرطاس کا واقعہ" کہتے ہیں۔

یہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفات کے دوران بروز پنج شنبہ (یوم الخمیس) عشرہ اوّل ربیع الاول ۱۱ھ کو پیش آیا۔

اور اس کے بعد آنے والے دو شنبہ (سوموار) کو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفیق اعلیٰ کے ساتھ واصل ہوئے اور اس جہانِ فانی سے انتقال فرمایا۔

واقعہ قرطاس کا اختصار

واقعہ قرطاس کے متعلق مختلف مرویات میں سے جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

عنہ کی ایک روایت ذیل میں ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے جس سے اصل واقعہ قرطاس کا ایک اجمالی (نقشہ) سامنے آتا ہے اور حقیقت واقعہ کی طرف صحیح رہنمائی حاصل ہوتی ہے "اور اس روایت میں افراط و تفریط نہیں پائی گئی۔"

یہ روایت محدث ابی یعلیٰ الموصلی متوفی ۳۰۷ھ نے اپنی تالیف مسند ابی یعلیٰ میں بالفاظ ذیل نقل کی ہے:

سفیان بن عیینه عن سلیمان الاحول عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال: یوم الخمیس وما یوم الخمیس یوم اشتد برسول الله صلی الله علیه وسلم وجعه- فقال ایتونی اکتب لکم کتابا لا تضلون بعده فتنازعوا- ولا ینبغی عندالنبی تنازع قال دعونی فما انا فیه خیر مما تسئلونی عنه- قال امرهم بثلاث قال اخرجوا المشرکین من جزیره العرب واجیزوا الوفد- بنحو ما کنت اجیزهم--- الخ- (مسند ابی یعلیٰ، ص ۳۲، ج ۳، تحت مسندات ابن عباس رضی اللہ عنہ، روایت نمبر ۲۴۹۵ طبع بیروت)

یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خمیس کا دن کیا ہے؟ خمیس کا یوم وہ ہے کہ جس میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا درد شدت اختیار کر گیا تو اپنے حاضرین مجلس سے آپ نے ارشاد فرمایا کہ (قرطاس) لاؤ میں تمہیں ایسی چیز لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہوگے۔ اس پر (حاضرین مجلس میں) اختلاف اور تنازع ہوا جبکہ نبی اقدس کے پاس تنازع مناسب نہیں۔ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھوڑیئے، میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کے متعلق تم مجھ سے سوال کرتے ہو، پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین چیزوں کے متعلق حکم فرمایا کہ جزیرۃ العرب سے مشرکین کو نکال دو اور وفود کے ساتھ بہتر سلوک کرو--- الخ۔

چنانچہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فی الوقت تحریر لکھوانے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

کے معاملہ کو ملتوی فرما دیا اور کچھ نہیں لکھوایا۔

واقعہ قرطاس کی یہ ابتدائی صورت حال پیش آئی تھی۔

اس کے بعد انہی ایام میں بلکہ اسی یوم الخمیس کو ہی سردار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے جبکہ طبیعت میں کچھ سکون اور راحت محسوس فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک اہم خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں متعدد ضروری امور بیان فرمائے اور ساتھ ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق خاص خاص اہمیت اور فضیلت کے متعلق چیزیں ذکر فرمائیں۔ مثلاً

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امن الناس علی فی صحبتہ ومالہ ابوبکر، وفی روایہ ولو کنت متخذا خلیلا من الناس لا تخذت ابابکر، لا یبقی فی المسجد باب الاسد الا باب ابی بکر۔ (الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ص ۲۰۰ ج ۹ تحت مسئلہ ہذا، البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص ۲۹۹، ج ۵، تحت حالات مرض الوفات)

یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ صحبت و ہم نشینی اور مال کے لحاظ سے سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسری روایت میں ارشاد فرمایا کہ اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیل قرار دیتا لیکن دین و اسلام کی دوستی ہے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ ابوبکر کے دروازہ کے بغیر مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔

نیز اس موقع پر ابن کثیرؒ نے البدایہ میں ذکر کیا ہے کہ

وفی قولہ علیہ السلام سدواعنی کل خوخہ یعنی ابواب الصغار الی المسجد غیر خوخہ ابی بکر۔ اشارہ الی الخلافہ ای لیخرج منہا الی

یعنی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر کے دریچہ (چھوٹا دروازہ) کے بغیر مسجد میں کھلنے والے تمام چھوٹے چھوٹے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ اس میں حضرت ابوبکر

[Website: DifaAhleSunnat.com]

الصلوہ بالمسلمین۔ (البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص ۲۳۰، ج ۵، تحت حالات مرض الوفات)

صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف واضح اشارہ پایا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو نماز پڑھانے کے لیے اس دریچہ سے مسجد نبوی میں تشریف لایا کریں گے۔

ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق

اس موقعہ پر مسئلہ قرطاس کو حل کرنے کے لیے علامہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے البدایہ میں وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

بعض اہل بدعت شیعہ وغیرہ کو (گزشتہ روایت قرطاس سے) یہ وہم ہوا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کتاب میں فلاں چیز تحریر کرانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یعنی اس سے مراد انہوں نے اپنے مزعومہ مقالات خلافت مرتضوی وغیرہ لیے ہیں۔

یہ ایک متشابہ چیز کے ساتھ تمسک کرنے اور محکم چیز کو ترک کرنے کا رویہ ہے اور اہل السنہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ محکم چیز کے ساتھ تمسک کرتے ہیں اور متشابہ چیز کو محکم کی طرف لوٹاتے ہیں۔

راسخین فی العلم کا یہی طریقہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس میں اہل ضلالہ کے اقدام نے لغزش کھائی ہے لیکن ہم اہلِ سُنّت کا مذہب حق کی اتباع ہے اور حق جس طرف گھومتا ہے، اہل سنت بھی اس کے ساتھ رہتے ہیں۔

اس موقعہ پر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روایت قرطاس میں کتابت کرانے کا وہی ارادہ فرمایا تھا جو دیگر احادیث صحیحہ میں بطور تصریح کے بیان کر دیا ہے اور اس کی مراد کو مکشوف اور واضح فرما دیا ہے۔ گویا کہ یہ خطبہ اس تحریر کے عوض میں تھا جو آپ واقعہ قرطاس میں تحریر کرانا چاہتے تھے (یعنی وہ صدیقی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

خلافت کا مسئلہ تھا) چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ

وھذا الحدیث مما قد توھم به بعض الاغبیا من اھل البدع من الشیعه وغیرھم کل مدع انه کان یرید ان یکتب فی ذالک الکتاب ما یرمون الیه من مقالاتھم وھذا ھوالتمسک بالمتشابه وترک المحکم واھل السنه یاخذون بالمحکم ویردون ما تشابه الیه- وھذه طریقه الراسخین فی العلم کما وصفھم الله عزوجل فی کتابه وھذا المواضع ممازل فیه اقدام کثیر من اھل الضلالات واما اھل السنه فلیس لھم مذھب الا اتباع الحق یدورون معه کیفما دار- وھذا الذی کان یرید علیه الصلوه والسلام ان یکتبه قد جاء فی الاحادیث الصحیحه التصریح بکشف المراد منه-

(البدایہ ص۲۲۸ ج۵، تحت فصل فی الآیات والاحادیث، المنذرۃ بوفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم---الخ)

(ا) بخاری شریف ص۶۳۸ ج۲ باب مرض النبی ﷺ، نور محمد، دہلی)

روایت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

پھر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ سابقہ کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آپ اپنے والد ابوبکر اور اپنے بھائی (عبدالرحمٰن) کو بلائیے کہ ابوبکر کے لیے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ کوئی اور تمنا کرنے والا متمنی نہ ہو اور کوئی دیگر طمع کرنے والا طمع نہ کرے۔

اس کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ مبارک تبدیل ہوا اور ارشاد فرمایا ویابی الله والمومنون الا ابابکر) یعنی اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکر

[Website: DifaAhleSunnat.com]

رضی اللہ عنہ کے بغیر سب سے انکار کرتے ہیں (کسی دوسرے شخص کو قبول نہیں کرتے گویا کہ اب اس کے لکھوانے کی حاجت نہیں)

عن عائشه قالت قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی مرضه ادعی لی ابابکر اباک واخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن- ویقول قائل انا اولی ویابی الله والمومنون الا ابابکر-

- مسلم شریف ص ۲۷۳ ج ۲ باب من فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ، طبع دہلی۔
- بخاری شریف ص ۸۴۶، ج ۲ باب قول المریض انی وجع--- الخ۔ طبع دہلی۔
- مشکوۃ شریف ص ۵۴۹ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الفصل الثالث، طبع دہلی۔
- مسند امام احمدؒ ص ۹۴۴ ج ۶ تحت مسندات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔
- الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ص ۲۰۲ ج ۹ تحت ذکر اشارہ المصطفیٰ الی ما اشار بہ فی ابی بکر رضی اللہ عنہ۔
- جزو الحسن عن عرفۃ العبدی (المتوفی ۲۵۷ھ) ص ۴۲ روایت نمبر ۳ عن عائشہ رضی اللہ عنہا۔
- علل الحدیث لابن ابی حاتم الرازی ص ۳۸۳ ج ۲ روایت نمبر ۲۶۶۰۔
- البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۲۸ ج ۵، تحت حالات مرض الوفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

روایت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ

اسی مضمون کی دیگر روایت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، چنانچہ وہ خود ذکر کرتے ہیں کہ ان آخری ایام میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ دوات اور کتف (قرطاس) لاؤ، میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ تم بعد میں ہرگز گمراہ نہ ہوسکو۔ اس کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری جانب سے پشت مبارک پھیرلی۔ پھر تھوڑی دیر بعد جناب نبی کریم

[Website: DifaAhleSunnat.com]

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بغیر سب سے انکار کرتے ہیں۔

--- عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ ﷺ ائتنی بدواہ وکتف اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا۔ ثم ولانا قفاہ۔ ثم اقبل علینا فقال یابی اللہ والمومنون الا ابابکر--- قال الذہبی اسنادہ صحیح۔

(المستدرک للحاکم ص ۴۷۷ ج ۳ تحت مناقب عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، طبع دکن)

حاصل یہ ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرطاس طلب کرنے کا ابتدائی فرمان جو حاضرین کو دیا تھا وہ گویا اجمالی فرمان تھا اور وہ مقصود میں متشابہ تھا لیکن بعد میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ارشادات فرمائے، وہ واضح اور محکم تھے اور ان قرائن سے مراد منکشف ہوگئی اور مقصود کی تصریح پائی گئی کہ امامت صلوٰۃ کے حامل اور نیابت نبوی ﷺ کے اہل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور اس منصب میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ گویا اس طرح سابق اجمال کی تفصیل سامنے آگئی۔

علامہ بیہقی کی تحقیق

بیہقی نے اس مقام میں سفیان بن عیینہ کا قول ذکر کیا ہے جس سے تبع تابعین کے نظریات مسئلہ ہذا کے متعلق واضح ہوتے ہیں:

--- قال سفیان انما زعموا اراد ان یکتب فیہا استخلاف ابی بکر۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ وہ کتاب (جس کے لکھوانے کا حکم ہوا تھا) اس میں ابوبکر کا استخلاف تحریر کرانا مقصد تھا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ص ۹۸۲ ج ۷، طبع بیروت باب ما جاء فی حمد بان یکتب لاصحابہ)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

نیز علامہ بیہقی نے بھی اس مقام پر یہی چیز ذکر کی ہے کہ

ثم نبه امته على خلافته باستخلافه اياه فى الصلوه حين عجز عن حضورها۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ص ۹۸۴ ج ۷، تحت باب ما جاء فی حمد بان یکتب لاصحابہ کتابا)

یعنی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خود نماز میں پہنچنے سے قاصر ہو گئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز میں اپنا قائم مقام بنا کر امت کو اپنی خلافت پر متنبہ کر دیا کہ (یہ میرے نائب مناب ہیں) اور ابتدائے مرض الوفات میں جو فرمان (بصورت قرطاس) جاری فرمانے کا قصد فرمایا تھا اس کی عملاً اس شکل میں تکمیل کر دی۔

توجیہات

اور پھر اس مقام میں محدثین نے واقعہ ہذا کے متعلق دیگر متعدد توجیہات بھی ذکر کی ہیں، چنانچہ علامہ بدر الدین العینی کہتے ہیں کہ

ثم ظهر للنبى صلى الله عليه وسلم ان المصلحه تركه او اوحى اليه۔

(العینی شرح بخاری شریف ص ۱۷۹ ج ۲ تحت حدیث قرطاس)

یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصلحت اس بات میں خیال فرمائی کی کہ تحریر لکھوانے کے معاملہ کو چھوڑ دیا جائے یا پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس مسئلہ میں وحی اسی طرح ہوئی۔

اور حافظ ابن حجر نے اسی مسئلہ کو اپنی تصنیف فتح الباری میں بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

وعزمه صلى الله عليه وسلم كان اما بالوحى واما بالاجتهاد وكذالك تركه ان كان بالوحى فبالوحى والا

[Website: DifaAhleSunnat.com]

فبالاجتہاد ایضا۔

(فتح الباری لابن حجر عسقلانی ص۹۰۹ ج۸، تحت قرطاس لابن عباس رضی اللہ عنہ)

یعنی اس واقعہ قرطاس میں تحریر لکھوانے کا جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ارادہ فرمایا تھا وحی کے ذریعہ تھا یا وہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد مبارک تھا۔ اسی طرح اس تحریر کو ترک کر دینے کا معاملہ بھی وحی کی بنا پر ہوا یا اپنے اجتہاد سے۔ مختصر یہ ہے کہ سابقہ ارادہ مبارک کو ترک فرما دیا۔ اور تحریر کے مسئلہ کو ملتوی کر دیا گیا۔

تائید من جانب شیعہ

اور شیعہ علماء نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ

--- اما سکوتہ علیہ السلام بعد التنازع ما کان من عندہ بل کان بوحی کما بین فی مقامہ۔ فصار امر الکتابہ منسوخا بالوحی۔

(فلک النجاۃ از محمد علی و حکیم امیر دین شیعیانِ جھنگ ص۳۳۹، جلد اول، تحت ایمان عمر بحدیث قرطاس، طبع اول، لاہور)

مطلب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے ہاں تنازع کے بعد خاموش ہو جانا اپنی طرف سے نہیں تھا بلکہ وحی کی وجہ سے تھا جیسا کہ اپنے مقام میں بیان کیا گیا ہے۔ پس کتابت کا معاملہ وحی کی وجہ سے منسوخ ٹھہرا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ قرطاس کی تحریر جس صورت کے ساتھ بھی ملتوی ہوئی، لیکن وہ نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نیابت نبوی کا معاملہ صاف کر دیا گیا اور واقعہ قرطاس کے پس منظر کو واضح کر دیا۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں مخالفین صحابہ کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ "مندرجہ بالا واقعہ قرطاس میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت لکھوانے کا قصد فرمایا تھا لیکن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت کی وجہ سے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تحریر نہ لکھوا سکے۔"

اس اشتباہ کے ازالہ کے لیے امور ذیل پر غور فرمائیں۔

○ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سلسلہ میں خود ذکر کرتے ہیں کہ مرض الوفاۃ کے دوران ایک مرتبہ جناب نبی کریم ﷺ نے مجھے طبق (قرطاس) لانے کے لیے ارشاد فرمایا تاکہ اس میں وہ بات تحریر کر دیں جس سے امت آپ کے بعد گمراہی میں نہ پڑے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت کی پریشانی دیکھ کر مجھے خوف ہوا کہ کہیں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (میری عدم موجودگی میں) انتقال نہ ہو جائے تو میں نے عرض کیا کہ جناب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ارشاد فرمائیں، میں اس فرمان کو محفوظ کر لوں گا اور نگاہ میں رکھوں گا۔ تو جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قال اوصی بالصلوہ والزکوہ وما ملکت ایمانکم۔

یعنی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی اور غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں (نیک سلوک کی) وصیت فرمائی۔

مذکورہ بالا روایت کو مندرجہ ذیل علماء کبار نے ذکر کیا ہے:

(۱) مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ص ۹۰ الجزء الاول، تحت مسندات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

(۲) الادب المفرد للبخاری ص ۲۶ باب حسن الملکہ، طبع مصر۔

(۳) طبقات ابن سعد ص ۲۷۳ ج ۱۲ القسم الثانی تحت ذکر الکتاب الذی اراد رسول اللہ ﷺ۔

(۴) البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص ۲۳۸ ج ۵، تحت ذکر احتضارہ و وفاتہ ﷺ۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نقل فرمودہ روایت بالا نے یہ مسئلہ واضح کر دیا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ فرمان اور وصیت تھی جو اس موقع پر ان کے حق میں ارشاد فرمائی گئی اور یہ روایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت مراد نہ ہونے میں بطور شاہد کے ہے۔

○ اور اسی طرح ایک دیگر روایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ یہ بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت تحریر کرانا مقصود نہیں تھا۔

چنانچہ روایات میں ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفات کے دوران حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک سے انتقال کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ لہذا ہمیں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کے سلسلہ میں سوال کر لینا چاہیے اگر یہ معاملہ ہمارے حق میں ہے تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے اور اگر ہمارے غیر کے حق میں ہے تو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے حق میں وصیت فرمائیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تجویز کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

فقال علی: انی لا اساله ذالک واللہ ان منعناها لا یعطینا ها الناس بعده ابدا۔

(البدایہ لابن کثیرؒ ص۲۵۱، ج۵، تحت حالات مرض الوفاۃ، بحوالہ بخاری شریف، مسند امام احمد ص ۲۶۳، جلد اول، تحت مسندات ابن عباس)

یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں اس مسئلہ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالکل سوال نہیں کروں گا۔ اللہ کی قسم! اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاملہ میں ہمیں منع فرمایا تو بعد میں ہمیں لوگ کبھی بھی موقعہ نہیں دیں گے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اسی طرح کی متعدد دیگر روایات بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں جن میں ان کی خصوصی خلافت بلا فصل کی نفی پائی جاتی ہے۔ لیکن فی الوقت یہاں صرف دو عدد روایات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا ہر دو روایات کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا انتفاء ثابت ہوتا ہے۔

اور واقعہ قرطاس کی دیگر پیش کردہ روایات میں بھی جو مضمون پایا جاتا ہے اس کا تعلق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اثبات خلافت بلا فصل سے کچھ نہیں بلکہ ان روایات میں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی نیابت اور ان کے قائم مقام ہونے کی طرف اشارات پائے جاتے ہیں۔

دیگر گزارش

اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاطر خلافت بلافصل لکھوانا چاہتے تھے لیکن اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا دیگر صحابہ کرام مانع ہوئے--- الخ۔

تو یہاں قابل توجہ یہ چیز ہے کہ طلب قرطاس کا واقعہ یوم الخمیس کو پیش آیا اور اس کے بعد جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریباً چار روز بقید حیات تشریف فرما رہے اور آئندہ سوموار کو انتقال فرمایا اس دوران معارضہ کرنے والے لوگ یقیناً الگ ہو چکے تھے اور کئی مواقع تخلیہ کے میسر آئے تھے تو ان اوقات میں وہ ضروری تحریر (خلافت علوی رضی اللہ عنہ) کیوں نہ تحریر کرا دی گئی؟؟ اور اس مسئلہ کو کیوں نہ مکمل کر دیا گیا؟؟

چنانچہ علامہ بیہقی نے اس مقام میں اسی چیز کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

ولو کان مایرید النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یکتب — یعنی اگر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی واجب امر جس سے استغناء نہ

لهم شيا مفروضا لا يستغنون عنه- لم يتركه باختلافهم ولغطهم لقول الله عزوجل بلغ ما انزل اليك من ربك- كما لم يترك تبلغ غيره بمخالفه من خالفه و معاداه من اداه-

ہو سکے، کے لکھوانے کا ارادہ ہوتا تو آنجناب ﷺ لوگوں کے باہمی اختلاف اور شور کرنے کی وجہ سے ترک نہیں فرما سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے رب کی طرف سے جو چیز تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اس کو پہنچایئے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے مخالفین کی مخالفت اور دشمنوں کی دشمنی کی وجہ سے تبلیغ دین کا عمل کبھی ترک نہیں فرمایا تھا۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ص ۹۸۴ ج ۷، باب ما جاء فی حمد بان یکتب الاصحابہ کتابا)

اور اس مسئلہ کو علامہ الذہبیؒ نے بھی اپنی تصنیف "المنتقی" کے متعدد مقامات میں اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اور تحریر کیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اگر کوئی واجب امر تحریر کروانا چاہتے تو اسے ضرور تحریر کروا دیتے۔ ان کے لیے کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی تھی۔ یاایها الرسول بلغ ما انزل اليك وان لم تفعل فما بلغت رسالته)

(المنتقی للذہبیؒ ص ۳۴۹ ۵۶۱، ۵۶۲، تحت مسئلہ ہذا، طبع مصر)

مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو آنجناب ﷺ تحریر کرانا چاہتے تھے اگر وہ امت کے لیے اصل ہدایت کا مدار ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہرگز ترک نہ فرماتے، کیونکہ یہ بات جناب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان ہدایت اور شان تبلیغ کے سراسر منافی ہے۔

امامت صلوٰۃ

بحث ہذا میں ایک خاص چیز جو علمائے کبار صدیقی خلافت کے اثبات اور اس

[Website: DifaAhleSunnat.com]

کی حقانیت میں پیش کیا کرتے ہیں، وہ امامت صلوٰۃ کا مسئلہ ہے اور اس کی روشنی میں واقعہ قرطاس کے "اجمال" کا حل بھی پایا جاتا ہے۔

وہ اس طرح ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض الوفاۃ میں نماز پنجگانہ کی امامت کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دے کر امام مقرر فرمایا اور ارشاد ہوا کہ

--- مروا ابابکر فلیصل بالناس۔ یعنی ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

یہ فرمانِ نبوی شیعہ سنی علماء نے اپنی اپنی تصنیفات میں بالاتفاق درج کیا ہے۔

چنانچہ بردست ذیل میں بخاری شریف اور بیہقی کا حوالہ درج کیا جاتا ہے۔

(۱) بخاری شریف ص ۹۳، جلد اول، باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ، طبع نور محمد، دہلی (کتاب الصلوۃ)

(۲) دلائل النبوۃ للبیہقی، ص ۱۸۲ ج ۷، باب ما جاء فی امرہ حین اشدہ المرض الخ، طبع بیروت لبنان۔

تائید من جانب شیعہ

اور شیعہ کے معتمد علماء کے صرف دو حوالے پیش خدمت ہیں۔ شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح حدیدی میں درج کیا ہے کہ

--- قال علی "والزبیر" انہ صاحب الغار وانا لنعرف لہ سنہ۔ امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالصلوہ وھو حی۔

(شرح نہج البلاغہ حدیدی بحث بقیہ السقیفہ واختلاف آراء الناس بعد النبی، جلد اول، ص ۹۵۴ طبع بیروت)

(۲) شرح نہج البلاغہ درہ نجفیہ میں بھی یہ حوالہ بہ عبارت ذیل موجود ہے:

[Website: DifaAhleSunnat.com]

فلما اشتد به المرض امر ابابكر ان يصلي بالناس--- وان ابابكر صلى الناس بعد ذالك يومين ثم مات۔

یعنی جب مرض شدید ہو گئی تو آنجناب ﷺ نے حکم فرمایا کہ ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اور ابوبکر نے اس کے بعد دو دن نماز پڑھائی پھر آپ کا انتقال ہو گیا۔

(درہ نجفیہ ص ۲۲۵، طبع قدیم، ایران)

چنانچہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سترہ اور بعض علماء کے نزدیک بیس نمازیں فرمانِ نبوی کے تحت پڑھائیں۔

وقال الزهري عن ابي بكر بن ابي سبرة: ان ابابكر صلى بهم سبع عشره صلاه۔ وقال غير عشرين صلاه فالله اعلم۔

یعنی زہری نے ابوبکر بن ابی سبرۃ سے نقل کیا ہے کہ جناب ابوبکر نے (اس موقعہ پر) سترہ نمازیں پڑھائیں اور بقول بعض بیس نمازیں پڑھائیں۔

(البدایہ لابن کثیرؒ ص ۲۳۵ ج ۵، تحت ذکر امرہ علیہ السلام ابابکر الصدیق ان یصلی بالصحابہ--- الخ)

مقصد یہ ہے کہ نماز جو اسلام کے عملی ارکان میں سب سے بڑا اہم و عظیم رکن ہے، اس کی امامت کے لیے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منتخب فرما کر مقدم فرمایا۔

شیخ الاشعری رحمتہ اللہ علیہ کا کلام

اس موقع پر شیخ ابوالحسن الاشعری کا کلام بڑا عمدہ پایا جاتا ہے جو ابن کثیرؒ نے اپنی تصنیف "البدایہ" میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

--- وقال تقديمه له دليل على انه اعلم الصحابه واقروهم لما ثبت في الخبر المتفق على صحته بين

[Website: DifaAhleSunnat.com]

العلماء ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يوم القوم اقروهم لكتاب الله، فان كانوا فى القراه سواء فاعلمهم بالسنه، فان كانوا فى السنه سواء فاكبرهم سنا- فان كانوا فى السن سواء فاقدمهم اسلاما قلت وهذا من كلام الاشعرى رحمه الله مما ينبغى ان يكتب بماء الذهب ثم قد اجتمعت هذا الصفات كلها فى الصديق رضى الله عنه وارضاه-

(البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص۳۳۶ ج۵، تحت ذکر امرہ علیہ السلام ابابکر الصدیق رضی اللہ عنہ ان یصلی--- الخ)

مطلب یہ ہے کہ شیخ ابوالحسن کہتے ہیں کہ جناب ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا امر دین (اقامت نماز) کے لیے مقدم کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ عالم ہیں اور ان سے زیادہ قاری ہیں۔

وہ اس روایت کی بنا پر ہے جس کی صحت پر علماء کے درمیان اتفاق پایا گیا ہے۔ روایت اس طرح ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کرائے جو کتاب اللہ کا زیادہ قاری ہو، اگر حاضرین قرأت میں برابر ہوں تو جو سُنّت نبوی سے زیادہ واقف ہو، وہ امامت کرائے اور اگر حاضرین سُنّت کے علم میں برابر ہوں تو جو ان میں سے عمر کے لحاظ سے بڑا ہے، وہ امامت کرائے اور اگر حاضرین عمر میں بھی برابر ہوں تو ان میں سے جو زیادہ قدیم الاسلام ہو وہ امامت کرائے۔ اس پر ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ الاشعریؒ کا یہ کلام آب زر کے ساتھ لکھنے کے لائق ہے۔

اور یہ تمام صفات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں مجتمعاً پائی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور اللہ تعالیٰ ان کو راضی فرمائے۔

مندرجہ بالا ہر چہار صفات کاملہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں

[Website: DifaAhleSunnat.com]

بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اس وجہ سے اس منصب کے اہل ٹھہرے اور ان کو امت کی امامت کا شرف حاصل ہوا۔ پس یہی چیز آنجناب رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ کرنے والی ہے اور یہاں سے اس کے نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا ثبوت ملتا ہے جسے امت کے اکابرین نے بغیر اختلاف تسلیم کر لیا۔

حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ کی روایت

نیز اس مقام میں مشہور محدث ابو عوانہ نے ایک دیگر فرمانِ نبوی ﷺ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کے ذریعے ذکر کیا ہے۔ اس فرمان نبوی ﷺ کی روشنی میں بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ اور قائم مقام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ ابو عوانہ ذکر کرتے ہیں کہ

--- فدل قوله فی خبر ابومسعود حیث قال ولا یومن رجل فی سلطانه انه خلیفه علیهم بعده۔ والله اعلم۔ (مسند ابو عوانہ ص ۱۲۱، جلد ثانی، طبع حیدر آباد دکن، طبع اول)

یعنی ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے جو فرمانِ نبوی ﷺ ذکر کیا ہے "کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی سلطنت و امارت میں (اس کی اجازت کے بغیر) امامت نہ کرائے۔" یہ فرمان دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہلِ اسلام پر جناب نبی کریم ﷺ کے بعد خلیفہ ہیں۔

کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ نبوت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمانِ نبوی کے تحت اہلِ اسلام کی امامت کے فرائض سرانجام دیئے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق

آخری ایام مرض الوفاۃ نبوی ﷺ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے امامت الصلوۃ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

کے لیے استخلاف سے کبار علماء نے جس طرح مسئلہ کو مستنبط کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "قرۃ العینین" میں اسے اختصاراً بہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

--- حدیث استخلاف ابی بکر الصدیق در امامت صلوۃ وقت مرض اخیر واباکردن آنحضرت ﷺ بتصریح از امامت غیری وایں قصہ متواتر است و فقہای صحابہ مثل عمر و علی رضی اللہ عنہما استدلال کردن باین استخلاف برخلیفہ بودن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسائر صحابہ سکوت کردند و تسلیم نمودند۔ پس مسئلہ مجمع علیہ گشت و دلالت ایں قصہ بالیقین ثابت شد۔

(قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص۶-۵ طبع قدیم، مطبع مجتبائی، دہلی از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

یعنی اپنے مرض الوفات کے آخری ایام میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت صلوٰۃ کے لیے خلیفہ بنانا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی دوسرے شخص کی امامت صلوٰۃ سے تصریحاً انکار فرمانا "متواترات" میں سے ہے۔ پھر فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استخلاف امامت صلوٰۃ سے ان کے خلیفہ ہونے پر استدلال کیا ہے اور باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر سکوت اختیار کیا اور تسلیم کر لیا۔

پس اس طرح یہ مسئلہ مجمع علیہ اور متفق علیہ ہوگیا اور اس واقعہ کی دلالت بالیقین ثابت ہوگئی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مندرجات بالا کی روشنی میں واضح ہوا کہ دور نبوت کے آخری اوقات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے امامت نماز کے فرائض بجا انجام دینے میں ان کی خلافت بلا فصل کی طرف واضح اشارہ ہے اور واقعہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

قرطاس کا پس منظر معلوم کرنے کا عمدہ قرینہ ہے اور اس کی طرف اس میں صحیح رہنمائی پائی جاتی ہے۔

ازالہ شبہات

--------- (۱) ---------

واقعہ قرطاس سے مخالفین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چند اعتراضات وارد کیے ہیں، ان کے ازالہ کے لیے ذیل میں کلام پیش خدمت ہے:

ایک اعتراض یہ ہے کہ مرض الوفات میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے لیے ایک ضروری تحریر لکھوانا چاہتے تھے جس کی موجودگی میں امت مسلمہ کبھی گمراہ نہ ہوتی۔ لیکن بموجب بعض روایات حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حسبنا کتاب اللہ کہا اور اس تحریر سے مانع ہوئے اور اس طرح انہوں نے سنت نبوی کو رد کر دیا اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمان ہوئے اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو ان کے ہمنوا تھے، وہ بھی اسی زمرہ میں شامل ہوئے۔

الجواب

○ واقعہ قرطاس کے موقع پر اس مجلس میں جو گفتگو ہوئی اس کی واقعہ کے مطابق صحیح تفصیل معلوم نہیں۔ معرض خفا میں ہے جو کچھ عام روایات سے دستیاب ہوتا ہے اس کے اعتبار سے یہ کلام کیا جا رہا ہے۔

○ ایک بات تو یہ ہے کہ اہم اعتراض کا دارومدار حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ہے، لیکن واقعہ قرطاس کی بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام تک ہی مذکور نہیں اور حسبنا کتاب اللہ کے کلمات کا ان سے صدور ہی نہیں ہوا جیسا کہ مسند ابی یعلیٰ کی روایت میں ہے اور اس کو ابتداء بحث میں درج کر دیا ہے تو پھر ایسی صورت

[Website: DifaAhleSunnat.com]

میں طعن ہذا قائم کرنا بے جا ہے۔

اور بعض روایات کے مطابق اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ کلمات فرمائے ہیں تو وہ آنموصوف رضی اللہ عنہ نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شدت مرض کی حالت کے پیش نظر ذکر کیے تھے اور طبع مبارک کی رعایت مقصود خاطر تھی۔

چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ

انما قصد عمر بن الخطاب بما قال التخفیف علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین رآہ قد غلب علیہ الوجع---الخ۔

(دلائل النبوۃ ص ۱۸۴ ج ۷ (للبیہقی) باب ماجاء فی ہمہ بان یکتب لاصحابہ کتاباً الخ)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت جو کچھ ذکر کیا تھا اس سے فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کرنا ہرگز مقصود نہیں تھا بلکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت میں تخفیف مدنظر تھی تاآنکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت میں کچھ سکون اور راحت آجائے اور تعب و شدت زائل ہو جائے۔ (بعدہ تحریر لکھوالی جائے گی)

دیگر بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "حسبنا کتاب اللہ" ذکر کیا تھا تو یہ کوئی غلط کلمہ تو نہیں تھا بلکہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم کی طرف حاضرین مجلس کو یاددہانی کرانا اور توجہ دلانا مقصود تھا۔

یعنی دین مکمل ہو چکا ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی باقی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے ہاں محفوظ ہے اور ہمارے لیے کافی ہے بالفرض اگر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مزید کوئی چیز نہ بھی لکھوا سکیں تو کوئی حرج نہیں۔ اگر کوئی ضروری چیز ہے تو اس کی تحریر میں ہمیں تعجیل اور جلدی کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی طبیعت میں سکون و

[Website: DifaAhleSunnat.com]

راحت آنے پر خود ہمیں لکھوا دیں گے۔

○ اور بالفرض اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ کلمہ ذکر کرنا اس موقعہ پر غلط اور معصیت تھا تو اس پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز سکوت اختیار نہ فرماتے اور انکار و نکیر فرما دیتے کیونکہ پیغمبر کی ذات گرامی کسی منکر اور معصیت پر ہرگز سکوت اختیار نہیں فرماتی بلکہ اسے رد کر دیتی ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ کلمہ نہ معصیت تھا اور نہ ہی کسی عناد و فساد پر مبنی تھا بلکہ تقاضائے وقت کے مطابق تھا۔

○ نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسبنا کتاب اللہ کے کہنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے تو سنت نبوی کی ضرورت نہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان حسبنا اللہ ونعم الوکیل کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت و نبوت کی ضرورت نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ حسبنا کتاب اللہ کے قول سے سنت نبوی کی نفی مراد لینا ہرگز درست نہیں۔ یہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا معاملہ کرنا ہوا۔

○ اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین مجلس کو کاغذ قلم دوات لانے کا حکم فرمایا تو اس میں خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی موجود و شامل تھے اور آپ رضی اللہ عنہ بھی قلم و قرطاس نہیں لائے۔ لہٰذا اگر اس حکم کی نافرمانی کا اعتراض ہے تو سب حاضرین مجلس صحابہ پر ہے بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے طبق (قرطاس) لانے کے لیے ارشاد فرمایا تاکہ اس میں وہ بات تحریر کر دیں جس سے امت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد گمراہی میں نہ پڑ جائے۔

--- عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال امرنی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان آتیہ بطبق یکتب فیہ مالا تضل امتہ من بعدہ--- الخ۔

(مسند امام احمد ص۹۰ الجزو الاول تحت مسندات حضرت علی رضی اللہ عنہ، الادب المفرد للبخاری رحمتہ اللہ علیہ ص۲۶ باب حسن الملکہ طبع مصر، البدایہ لابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ ص۲۳۸ ج۵، تحت احتضارہ و وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم)

چنانچہ اس صورت میں قرطاس لانے کی ذمہ داری حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر اور زیادہ ہوئی کیونکہ براہ راست ان کو خصوصی حکم ہوا تھا جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس قسم کا کوئی حکم الگ ارشاد نہیں فرمایا گیا۔

ان حالات میں اگر قرطاس پیش نہیں کیا گیا تو نافرمانی کے ارتکاب کا اعتراض (العیاذ باللہ) سب پر واقع ہوگا۔

○ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کوئی واجب و لازم فرمان لکھوانا چاہتے تھے تو یوم الخمیس سے دو شنبہ (یوم الوصال) تک کے اوقات میں نہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھوایا اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سمیت کسی دیگر اہلِ بیت رضی اللہ عنہ، وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لکھوایا۔ حالانکہ ان اوقات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر وقت تو مانع بن کر موجود نہیں رہے۔ یہاں شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ--- "در ایں جا عمر رضی اللہ عنہ کجا حاضر بود کہ از نویسانیدن وصیت نامہ مخالفت کرد۔"

(تحفہ اثنا عشرہ ص۲۹۱ تحت مطاعن فاروقی، آخر طعن اول مطبع لاہور)

یہ چیزیں لائق غور اور قابل توجہ ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی واجب امر تحریر نہیں کرانا چاہتے تھے یا اگر پہلے یہ خیال تھا تو بعد میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے مبارک میں تبدیلی آگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کرانے کی ضرورت نہیں خیال فرمائی۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

بالفاظ دیگر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی موافقت پائی گئی۔ لہٰذا آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تحریر کو ملتوی کر دیا۔

اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصابت رائے اور فقاہت فی الدین کی تائید پائی جاتی ہے۔ یہ مخالفت نہیں ہے بلکہ ان کی دینی بصیرت اور فہم و فراست کی علامت ہے اور اس واقعہ کو موافقات عمر میں شمار کیا جا سکتا ہے لیکن مخالفین نے الٹا اس کو اعتراض کا رنگ دے دیا ہے۔ سچ ہے کہ ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است۔

--------- (۲) ---------

مخالفین کی طرف سے یہاں دوسرا اعتراض یہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ہجران (ہذیان) کی نسبت کی اور کہا اھجر استفھموہ۔

یہ شان رسالت میں کمال گستاخی ہے جس کے یہ لوگ مرتکب ہوئے کیونکہ ہجران یعنی (ہذیان) کے معنی اختلال ذہنی کی وجہ سے پریشان کلام کرنے کے ہیں۔

○ اولاً یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ مذکورہ قول حدیث کی بعض روایات میں پایا ہی نہیں جاتا۔

اور جن روایات میں یہ کلمہ پایا جاتا ہے، وہاں قالوا (صیغہ جمع مذکر غائب) کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

یعنی (حاضرین مجلس) نے کہا کسی ایک فرد نے نہیں کہا۔ فلہٰذا اس قول کے قائل ان روایات کے اعتبار سے ایک آدمی نہیں بلکہ اس کے قائل متعدد حضرات ہیں۔

چنانچہ کلمہ اھجرا استفھموہ کا صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف انتساب

[Website: DifaAhleSunnat.com]

کر کے گستاخی کا الزام لگانا بالکل غلط اور بے جا ہوا۔

○ اس موقع کی جن روایات میں اھجرا استفھموہ کا کلمہ پایا جاتا ہے وہاں محدثین ذکر کرتے ہیں کہ ھجر بھجر کے معنی فراق اور جُدائی کے ہیں اور یہاں صحابہ کرام اپنے ہم مجلس دیگر صحابہ سے اسی فراق اور جدائی کے معنی میں کلام کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ کیا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے جدا ہو رہے ہیں؟ ان سے دریافت کیجئے!!

○ نیز ھجر بھجر کے معنی ہذیان یعنی مرض کی شدت میں اختلال ذہنی کی وجہ سے کلام کرنا بھی لغت میں پایا جاتا ہے۔ لیکن ان روایات کی بنا پر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہذیان کی نسبت کرنا ممنوع ہے اور شان نبوت سے بعید ہے، کیونکہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحت و مرض دونوں حالتوں میں معصوم اور مامون ہیں۔

چنانچہ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" میں تصریح کر دی ہے کہ

--- وقوع ذالک من النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستحیل لانہ معصوم فی صحتہ ومرضہ لقولہ تعالی وماینطق عن الھوی۔

(فتح الباری لابن حجر العسقلانی ص ۹۰۸ ج ۸، باب مرض النبی ﷺ ووفاتہ)

○ علماء کرام لکھتے ہیں کہ بعض روایات کے مطابق جن حضرات سے اھجرا استفھموہ کا قول صادر ہوا تو انہوں نے یہ قول بطور استفہام انکاری کے استعمال کیا ہے (یعنی استفہام تقریری نہیں) مطلب یہ ہے کہ جن حضرات نے بھی یہ کلمہ کہا ہے، انہوں نے ہذیان کے انکار کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اثبات کے طور پر نہیں ذکر کیا اور اس کلمہ کے قائل وہ حضرات تھے جو تحریر لکھوانے کے حق میں تھے۔ یہ حضرات اپنے دیگر صاحبان کے قول کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہذیان ہرگز نہیں ہوا بلکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ارشاد کے مطابق ہمیں قرطاس پیش کرنا چاہیے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اس کلمہ کے قائل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہرگز نہیں تھے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ تو اس وقت تحریر لکھوانے کے حق میں نہیں تھے۔

بالفرض اگر یہاں اھجر استفہموہ سے مراد ہذیان اور استفہام تقریری لیا جائے تو کلمہ استفہموہ کی وجہ سے عبارت بے جوڑ اور بے ربط ہو جاتی ہے۔

یعنی جو شخص ہذیان میں مبتلا ہو اس سے کوئی بات دریافت کرنا بالکل بے جا اور بے سود ہے۔

لہٰذا یہاں استفہام تقریری مراد لینا ہرگز درست نہیں۔

اس مقام میں علامہ کرمانی نے شرح بخاری شریف میں امام النواوی ؒ کا قول ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ

--- قال النواوی رحمته الله علیه هو (اهجر) بهمزه الاستفهام الانکاری ای انکروا علی من قال لاتکتبوا ای لا تجعلوا امره کامر من هذا فی کلامه--- او هو من الهجر ضد الوصل ای هجر من الدنیا واطلق بلفظ الماضی لما راوه فیه من علامات الهجر من دار الفناء۔

(شرح البخاری الکرمانی ص ۲۳۵ ج ۱۶ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و وفاتہ)

مطلب یہ ہے کہ امام النواوی ؒ فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ اھجر استفہام انکاری کے ساتھ مستعمل ہے یعنی جو صحابہ تحریر لکھوانے کے حق میں نہیں تھے، ان کا رد کرتے ہوئے دیگر صحابہ کرام سے کہہ رہے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معاملہ کو اس شخص کی طرح نہ بنا دیا جائے جو ذہنی اختلال کی وجہ سے غیر متوازن کلام کرتا ہے۔

یا یہ کلمہ ھجر (جدائی، فراق، ہجرت) کے معنی میں ہے جو وصل کی ضد ہے یعنی کیا آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس دنیا فانی سے ہجرت فرما رہے ہیں؟؟

[Website: DifaAhleSunnat.com]

لفظ ھجر کا فعل ماضی سے اطلاق اور استعمال کیا ہے کیونکہ آنجناب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لیے اس دار فانی سے ہجرت کے علامات وہاں نظر آ رہے تھے۔

حاصل کلام

یہ ہے کہ اول تو یہ کلمہ اھجر تمام مرویات میں نہیں پایا جاتا بلکہ بعض روایات میں ہے۔

پھر جہاں یہ کلمہ مروی ہے وہاں صیغہ جمع ہے، واحد سے نہیں تو اس کا قائل شخص واحد نہ ہوا۔

نیز اس کلمہ کا جدائی و فراق والا معنی محدثین نے مراد لیا ہے، اس کے ہذیان والے معنی مراد لینے سے حاضرین مجلس انکار کر رہے ہیں بلکہ اس معنی کے مراد لینے سے روایت کی عبارت بے ربط اور بے جوڑ ہو جاتی ہے۔

شروح بخاری فتح الباری و کرمانی وغیرہ نے روایت کے مفہوم و مضمون کو اس طرح درج کیا ہے جیسا کہ مندرجات گزشتہ میں واضح کیا گیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ مندرجات بالا کی روشنی میں یہ اعتراض حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر وارد کرنا بالکل غلط ہے اور ان کو ان کلمات کا قائل قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

--------- (۳) ---------

تیسرا اعتراض اس موقع پر مخالفین صحابہ کی طرف سے یہ قائم کیا جاتا ہے کہ مجلس ہذا میں حاضرین صحابہ رضی اللہ عنہم نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا احترام ملحوظ نہیں رکھا اور آں جناب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے اختلاف اور تنازع کرتے ہوئے آوازیں بلند کیں اور وہ لوگ حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شرعاً ناجائز امر کے مرتکب ہوئے۔ اسی وجہ سے جناب نبی کریم صلی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا کہ قوموا عنی "میرے پاس سے اُٹھ جاؤ۔"

جواباً اس کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے کہ

○ اصل بات یہ ہے کہ کسی مسئلہ پر اختلاف رائے کا اظہار کرنا فی نفسہ کوئی قبیح فعل نہیں ہے۔ دورِ نبوت میں مختلف مسائل پر رائے کا اختلاف ہوتا رہا اور پھر اظہار رائے کے موقع پر غیر شعوری طور پر آواز کا بلند ہو جانا ایک فطری امر ہے اور قابلِ طعن نہیں۔

اس موقع پر بھی یہی صورت پیش آئی اور آوازیں غیر شعوری طور پر بلند ہوئیں لیکن یہ چیز قصداً اور بالارادہ ہرگز واقع نہیں ہوئی۔

اس سلسلہ میں نصوص قرآنیہ اور آداب مجلس نبوی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیش نظر تھے اور وہ ان پر ہمیشہ عمل درآمد کیا کرتے تھے۔

اس چیز پر حدیث شریف میں بعض واقعات بطور شاہد کے پائے جاتے ہیں، چنانچہ "المصنف لعبد الرزاق" میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ

مسجد نبوی میں ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے اسی اثناء میں ایک شخص نے مسجد ہذا میں آواز بلند کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بلا کر دریافت فرمایا کہ تو کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے تو اس شخص نے جواب دیا کہ میں قبیلہ بنو ثقیف سے ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تو کون سے علاقے سے ہے تو اس نے کہا کہ میں علاقہ طائف کا رہنے والا ہوں تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قال اما انک لو انک کنت من اهل بلدنا هذا لاوجعتک ضربا۔ ان مسجدنا هذا لا یرفع فیه الصوت۔	یعنی اگر تو ہمارے ہمارے اس شہر (مدینہ منورہ) سے ہوتا تو میں تجھے سزا دیتا۔ قاعدہ یہ ہے کہ ہماری اس مسجد نبوی میں آواز بلند نہیں کی جاتی۔

(المصنف لعبد الرزاق ص ۴۳۷-۴۳۸، جلد اول باب اللغط ورفع الصوت فی المسجد)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۲) اسی مفہوم کی ایک دیگر روایت "بخاری شریف" میں ہے۔ اس میں سائب بن یزید کا واقعہ اس طرح درج ہے کہ

سائب بن یزید کہتے ہیں کہ

--- کنت قائما فی المسجد فحصبنی رجل فنظرت الیہ فاذا ھو عمر بن الخطاب فقال اذھب فاتنی بھذین فجئتہ بھما فقال ممن انتما ومن این انتما قالا من اھل الطائف قال لو کنتما من اھل البلد لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ ﷺ۔

یعنی میں ایک روز مسجد نبوی میں کھڑا تھا کہ میری طرف کسی صاحب نے کنکری پھینکی۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ اور ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لاؤ، الخ۔

(بخاری شریف ص۶۷، جلد اول، باب رفع الصوت فی المسجد، طبع دہلی)

مذکورہ بالا واقعات سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں خود بھی آواز بلند نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی آواز بلند کرنے سے منع فرماتے تھے۔

ان قرائن کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کے آداب کو پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے۔

لہٰذا واقعہ قرطاس کے موقع پر بھی حاضرین مجلس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آداب کو ترک نہیں کیا اور کوئی خلاف ادب بات ان سے قصداً صادر نہیں ہوئی۔

جن روایات میں آوازیں بلند ہونے کا ذکر پایا جاتا ہے تو اس کا محمل یہ ہے کہ شرکائے مجلس سے یہ فعل غیر ارادی طور پر سرزد ہوا اور بعض دفعہ گفتگو کی مجالس

[Website: DifaAhleSunnat.com]

میں غیر شعوری طور پر اس طرح رفع صورت پایا جاتا ہے۔ البتہ قصداً و ارادتاً ایسا نہیں ہوا۔

پھر اس پر معترض کہتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوموا عنی کیوں فرمایا؟ تو اس کے متعلق معلوم ہونا چاہئے کہ یہ کلمہ (قوموا عنی) جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو کسی خاص فرد کے لیے تو نہیں تھا۔ سب حاضرین کے لیے ہوگا لیکن اصل بات یہ کہ یہ حکم وقتی اختلاف کو ختم کرنے کے لیے فرمایا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ آپ اس بات کو ترک کر دیں اور چھوڑ دیں۔

اس پر قرینہ یہ ہے کہ قوموا عنی کا اطلاق ایسے مواقع میں حدیث میں مستعمل ہے مثلاً:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقراو القران ما ائتلفت علیہ قلوبکم۔ فاذا اختلفتم قوموا عنہ۔	مطلب یہ ہے کہ تم قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو جب تک کہ تم پر دل جمعی رہے اور جب تم اُکتا جاؤ تو اس کو ترک کردو اور چھوڑ دو۔

(بخاری شریف ص۲۹۵، ج۲، کتاب الاعتصام باب کراہیۃ الاختلاف، طبع اول، بخاری شریف ص۷۵۷، ج۲، باب۲، اقراؤ القرآن ما ائتلفت قلوبکم، طبع دہلی)

یہاں قوموا عنہ کے الفاظ ہیں اور اس سے اس عمل اور بات کا ترک کر دینا مراد لیا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح واقعہ قرطاس کی روایت میں قوموا عنی سے بھی یہی مراد ہے کہ اس اختلاف والی بات کو چھوڑ دو اور ترک کر دو۔

مزید اس پر ایک دیگر قرینہ یہ ہے کہ واقعہ قرطاس کی بعض دیگر روایات میں قوموا عنی کے الفاظ کی بجائے دعونی اور ذرونی کے الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے بات کو ترک کر دینے اور چھوڑ دینے کا مفہوم بالکل واضح ہے۔

پس ان قرائن سے قوموا عنی کا مفہوم متعین ہو جاتا ہے اور واضح ہو تا

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ہے کہ قوموا عنی کے معنی "اٹھ کر چلے جاؤ" ہرگز مراد نہیں بلکہ اس مقام میں اس کا معنی "بات کو چھوڑ دو اور ترک کر دو" درست ہے۔

حاصل کلام

یہ ہے کہ مندرجات بالا کی روشنی میں اعتراض ہذا بالکل زائل ہو جاتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب و احترام کے خلاف کوئی فعل سرزد نہیں ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے ہرگز مرتکب نہیں ہوئے۔

آخر کلام

واقعہ قرطاس کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو اعتراضات قائم کئے جاتے ہیں، ان کے ازالہ کے لیے گزشتہ صفحات میں کوشش کی گئی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی نافرمانی ہرگز نہیں کی اور نہ ہی واقعہ ہذا میں خلافت مرتضوی مطلوب تھی بلکہ واقعہ قرطاس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر اپنی قائم مقامی و نیابت اور امت کی امامت کا اہم مسئلہ تھا جسے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قولاً و فعلاً ابوبکر الصدیق کے حق میں طے فرمایا اور خوش اسلوبی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق قدرت نے اسے مکمل کر دیا اور اس کی تکمیل میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوری اطاعت اور فرمانبرداری کا ثبوت دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت کو تسلیم کر لیا۔

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اختتام بحث بصورت جائزہ

واقعہ قرطاس کی روایت پر بصورت جائزہ کے یہاں چند کلمات درج کیے جاتے ہیں جو اہلِ علم کے لیے قابلِ توجہ ہوں گے اور اہلِ بصیرت کے لیے لائق غور ہوں گے اور غور و خوض کرنے کے بعد اصل مسئلہ کے حل کرنے میں معین ثابت ہوں گے اور رفع طعن میں مفید ہوں گے۔ (بعونہ تعالیٰ)

واقعہ ہذا کے متعلق جن روایات سے مخالفین طعن قائم کرتے ہیں وہ عموماً عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اس وقت کم سن تھے ہیں، کم و بیش ۱۳۔۱۴ برس عمر ہوگی یعنی اکابر حضرات کے سامنے اصاغر میں ہی شمار ہوتے تھے۔

لیکن اس واقعہ کی جو روایات دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ مثلاً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وغیرہم سے مروی ہیں۔ ان میں قابلِ اعتراض اشیاء بالعموم مفقود ہیں اور ان روایات پر عام طور پر اعتراضات نہیں کیے جاتے، اور بالفرض اگر کوئی بات قابل اعتراض ہے بھی تو نہایت کمزور ہے کوئی وزنی چیز نہیں۔

البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی واقعہ قرطاس کی روایات کو ایک سرسری نگاہ سے دیکھا جائے تو اس میں رواۃ کی تعبیرات نے عجیب اضطراب پیدا کر دیا ہے اور عام ناظر کو پریشانی میں ڈال دیا ہے۔ بعض مقامات میں وہ کچھ ذکر کرتے ہیں تو بعض دیگر مواقع میں کچھ اور بیان کرتے ہیں، چنانچہ اس چیز کا مختصر تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

(۱) مثلاً ابن عباس کا بہت گریہ کرنا بعض روایات میں منقول ہے اور کثرت سے اشک بار ہونا مذکور ہے اور بعض دیگر روایات میں یہ چیز نہیں پائی جاتی بلکہ رونے کا ذکر تک موجود نہیں۔

(۲) اور بعض مرویات ابن عباس رضی اللہ عنہ میں اختلاف رائے کرنے والوں میں

[Website: DifaAhleSunnat.com]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پایا جاتا ہے اور حسبنا کتاب اللہ کا قول ان سے منقول ہے اور بعض مقامات میں اس امر کا کچھ تذکرہ نہیں۔

(۳) بعض مرویات عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ میں پایا جاتا ہے کہ اھجر یا یھجر کے کلمات بعض حاضرین مجلس سے صادر ہوئے۔

اور بعض دیگر روایات میں ان کلمات کے صادر ہونے کا ذکر تک مفقود ہے اور کسی نے یہ الفاظ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں نہیں کہے۔

(۴) پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول قوموا عنی کا ذکر موجود ہے اور ان کی ہی دیگر مرویات میں اس قول کے بجائے دیگر فرمانِ نبوی پایا جاتا ہے۔

---دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعوننی الیہ۔

ان کلمات میں کوئی قابلِ اعتراض بات ہی نہیں۔

(۵) نیز اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں ان کا قول آتا ہے کہ

---ان الرزیہ کل الرزیہ ما حال---الخ

اور ان کی دیگر مرویات میں اس کا کچھ ذکر تک ندارد اور نہ کسی رزیت و بلیت کا تذکرہ کیا ہے اور نہ اس بات کو مصیبت سے تعبیر کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ان روایات کے الفاظ کا یہ تنوع و تفرق اور باہم عبارات کا تخالف و تعارض بہت قابل توجہ ہے۔

نیز اگرچہ روایت بالمعنی عام مروج ہے تاہم عبارات میں ایسا تفاوت و تضاد پایا جانا جس سے مقصد اور مطلب میں قصور آجائے، کہاں تک درست ہے؟؟ حالانکہ ان روایات میں یہ واقعہ ایک ہی ہے اور ناقل واقعہ ایک ہی ہے۔

اور ازواج مطہرات اور دیگر اکابر شرکائے مجلس اپنی روایات میں ابن عباس والی قابل اعتراض چیزوں کا ذکر تک نہیں کرتے۔

بلکہ ان حضرات (ازواج مطہرات ہوں یا دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم) کی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

مرویات جو اس موقعہ سے متعلق ہیں، ان میں ابن عباس والی روایات کا تمام مضمون نہیں پایا جاتا اور نہ ان کے ساتھ کوئی تائیدی پہلو نکلتا ہے۔

مذکور حضرات کی اس موقعہ کی مرویات کتابوں میں موجود ہیں اور ان میں سے بعض کو ہم نے موقعہ بموقعہ یہاں درج بھی کیا ہے، لیکن ان میں یہ قابل طعن مضمون اور قابل اعتراض مفہوم نہیں پایا جاتا جو ابن عباس کی روایات نے بیان کیا ہے۔

اندریں حالات مذکورہ تمام امور پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قرطاس کا اصل واقعہ بیان کیا اور موقع کی صورت حال ذکر کی جیسا کہ مسند ابی یعلیٰ کی روایت میں مذکور ہے اور اس کو ہم نے واقعہ قرطاس کی ابتدا میں اپنے موقع پر درج بھی کر دیا ہے۔

لیکن بعد میں راویوں نے اور واقعہ ہذا نقل کرنے والوں نے اس کو بہت کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا اور آگے چلا دیا۔

بعض دفعہ کچھ بیان کیا اور دیگر موقع پر اس میں قابل اعتراض اشیاء کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح اصل واقعہ میں رواۃ کی طرف سے قابل طعن چیزوں کا اوراج پایا گیا۔

مختصر یہ ہے کہ واقعہ قرطاس کی روایت پر نظر انصاف ڈالنے سے یہی چیز ثابت ہوتی ہے کہ واقعہ ہذا کے معبرین کی مختلف تعبیرات کی بنا پر اس میں قابل اعتراض چیزیں شامل ہو گئی ہیں، ورنہ اصل واقعہ میں کوئی قابل طعن چیز نہیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

الحمد للہ وکفی --- والسلام علی
سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

تصدیقِ ایمانی میں شک کا طعن

شیعہ کی طرف سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک اعتراض وارد کیا جاتا ہے جس کا تعلق معاہدہ صلح حدیبیہ سے ہے۔ صلح حدیبیہ چھ ہجری کے موقع پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار مکہ کے ساتھ مصالحت اور صلح کی جو شرائط طے فرمائیں، ان کی ظاہری صورت میں مسلمانوں کی کمزوری اور کفار کا تفوق اور غلبہ نظر آتا تھا۔

اس چیز کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان تھے۔ خاص طور پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں بہت مضطرب ہوئے۔

چنانچہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ قول کیا کہ

واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھے آغاز اسلام سے لے کر کبھی شک نہیں ہوا تھا مگر آج کے دن۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

مندرجہ بالا کلمات سے مخالفین صحابہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شک فی النبوۃ ہوگیا تھا جو ضعف ایمان کی علامت ہے اور نفاق کی نشانی ہے۔

چنانچہ ایک رسالہ "یاد فاروق" میں شیعہ صاحبان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طنز کرتے ہوئے "حضرت فاروق کی تصدیق ایمان" کے عنوان کے تحت مذکورہ بالا طعن وارد کیا ہے اور ان کو مشکوک الایمان ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔

الجواب

واقعہ حدیبیہ ۶ ہجری میں پیش آیا تھا۔ صلح حدیبیہ سے متعلق جو صحیح روایات ہیں، وہ مندرجہ ذیل مقامات میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں:

(۱) بخاری شریف--- جلد اول، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد، طبع دہلی۔

(۲) مسلم شریف--- جلد ثانی، باب الصلح فی الحدیبیہ۔

اور دیگر حدیث و سیرت کی کتابوں میں بھی واقعہ ہذا پایا جاتا ہے۔

بخاری" و مسلم" کی مذکورہ بالا روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی اور اضطراب کا ذکر موجود ہے لیکن معترضین کی طرف سے پیش کردہ قابل اعتراض کلمات واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ۔ ان صحیح روایات میں ہرگز موجود نہیں۔

اس مقام میں حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جو اضطراب اور پریشانی پائی جاتی ہے، وہ دینی حمیت اور ملی خیر خواہی کی وجہ سے ہے کیونکہ فریقین (اہلِ اسلام، کفارِ مکہ) کے مابین مصالحت اور معاہدہ ایسی شروط پر طے ہوا تھا جن میں اہلِ اسلام کا پہلو بظاہر مغلوب نظر آتا تھا اور کفار کے حق میں یہ شرائط بظاہر بہت مفید اور نفع بخش معلوم ہوتی تھیں۔ ایسی مغلوبانہ شرائط کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دینی حمیت اور ملی غیرت کی بنا پر پریشانی کا لاحق ہونا جبلی اور فطری امر تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

کو اسلام یا نبوت و رسالت میں ہرگز شک نہیں ہوا۔ جیسا کہ ہم آئندہ سطور میں اس پر قرائن و شواہد ذکر کر رہے ہیں۔ اسی چیز کو شارحین حدیث نے ان روایات کے تحت مفصل ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

فتح الباری شرح بخاری ص۲۶۵، ج۵، باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل الحرب۔

مختصر یہ ہے کہ معاہدہ ہذا کے اہل اسلام کے حق میں مصالح اور فوائد باعتبار انجام علم خداوندی میں مستور تھے اور بظاہر یہ مغلوبانہ شرائط اہل اسلام کے حق میں مفید نظر نہیں آتی تھیں۔ ان ظاہری حالات کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مضطرب ہونا کمال ایمان کی علامت ہے لیکن مخالفین صحابہ نے اس چیز کو زوال ایمان کی نشانی قرار دیا ہے۔ (یا للعجب)

قرائن و شواہد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس معاملہ میں پریشانی پر درج ذیل قرائن و شواہد موجود ہیں۔

○ اولاً قرینہ یہ ہے کہ اس موقعہ پر اضطراب کی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے اور اپنی پریشانی کا اظہار فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انی اشہد انہ رسول اللہ تو جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی ذکر کیا کہ انی اشہد انہ رسول اللہ۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معاہدہ کی شرائط کا ذکر کر رہے تھے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی مغلوبانہ شرائط کس طرح تسلیم فرمائیں؟ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس میثاق و عہد کی شرائط و قیود کے انجام کار مفید یا مضر ہونے میں شک ہوا لیکن انہیں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت و نبوت میں ہرگز شک و شبہ نہیں تھا۔ اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ کلمات شہادت

[Website: DifaAhleSunnat.com]

سے اقرار رسالت و نبوت کی تصدیق فرمائی۔

○ ثانیاً قرینہ یہ ہے کہ اس مقام کی روایت میں مذکور ہے کہ معاہدہ جب طے ہوگیا تو صلح نامہ کی تحریر پر اہلِ اسلام کی جانب سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی المرتضٰی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بطور شاہد کے دستخط فرمائے جبکہ کفار مکہ کی طرف سے مکرز اور سہیل وغیرہم نے دستخط کیے اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ معاہدہ ہذا کے تحریر کرنے والے تھے۔ یہ چیز بھی ان حضرات کے کمال ایمان کی تصدیق ہے اور ان کی دینی پختگی کی توثیق ہے۔ کسی مشکوک الایمان کو گواہ اور شاہد نہیں بنایا جاتا۔

(البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ ص۶۶۹ ج۴، تحت غزوۂ حدیبیہ)

نیز یہ واضح ہو کہ مذکورہ قرائن خود اس موقعہ کی روایات میں موجود ہیں، ان واضح ثبوت پائے جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان اور اسلام میں شک و شبہ کرنے کا ہرگز کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔

روایت کا جواب

جس روایت میں مذکورہ قابل اعتراض کلمات واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ۔ پائے جاتے ہیں وہ ابن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی تفسیر جلد ۲۶ میں سورۃ فتح کی تفسیر کے تحت باسند درج کی ہے اور اس روایت کی سند میں ایک راوی ابن شہاب الزہری ہے اور روایت ذکر کرنے میں قال الزھری قال الزھری (یعنی زہری نے کہا) متعدد بار واقع ہوا ہے۔ اس مقام میں مذکورہ قابل اعتراض کلمات الزہری کا اپنا قول ہے اور یہ کلمات روایت میں زہری کی طرف سے مدرج یعنی (درج شدہ) ہیں اور اصل روایت میں یہ قابل اعتراض کلمات نہیں پائے گئے بلکہ اسے زہری نے روایت میں اپنی طرف سے درج کیا اور ایزاد کیا۔

○ زہری کی اسی کارکردگی کی نظیر بھی دستیاب ہوتی ہے مثلاً ابن شہاب الزہری

[Website: DifaAhleSunnat.com]

نے "مطالبہ فدک" کی روایت میں بھی ادراج کیا۔

--- "قال (الزهری) فهجرته فاطمه فلم تکلمه حتی ماتت۔

مذکورہ بالا کلمات کا الزہری نے اپنی طرف سے ادراج فی الروایت کیا ہے (جیسا کہ ہم نے قبل ازیں اس چیز کو اپنی کتاب رحماء بینھم حصہ صدیقی بحث فدک میں ص ۱۲۵ تا ۱۳۸ پر ذکر کیا ہے)

مختصر یہ ہے کہ مخالفین صحابہ نے جن کلمات پر اعتراض کی بنیاد قائم کی ہے وہ کلمات اصل روایت میں موجود نہیں بلکہ راوی کی طرف سے درج شدہ ہیں اور یہ راوی کا اپنا ظن و گمان ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ راوی کا ظن اور خیال دوسروں پر حجت نہیں ہوتا۔

○ نیز معلوم ہونا چاہیے کہ ابن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ کے بعد میں آنے والے مفسرین حضرات جنہوں نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور اس میں قابل اعتراض کلمات درج کیے ہیں تو وہ عموماً الطبری سے ناقل ہیں۔

اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس موقعہ کی کافی روایات ذکر کی ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ

--- وقد رواه ایضا عن عبدالرزاق عن معمر عن الزهری نحوه وخالفه فی اشیاء وفیه اغراب۔ (تفسیر ابن کثیرؒ ص ۱۹۷، ج ۴، پارہ ۲۶، سورۂ فتح)

یعنی عبدالرزاق نے معمر سے اور معمر نے الزہری سے روایت اسی طرح ذکر کی ہے اور اس روایت میں بہت سی چیزیں دوسروں سے مختلف ذکر کی ہیں اور ان میں اغراب ہے یعنی یہ روایات "غریب" ہیں اور معروف روایات کے خلاف ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس مقام میں ان روایات کے متعلق کہا ہے کہ جن میں قابل اعتراض کلمات پائے جاتے ہیں، ان میں غرابت

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ہے اور یہ روایات "غریب" ہیں۔

ہم نے قبل ازیں اس روایت میں "ادرج راوی" ذکر کیا ہے۔ اس صورت میں نتائج کے اعتبار سے مآل واحد ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس مقام کی غریب روایات اور مدارج روایات میں اس قسم کے قابل اعتراض کلمات پائے جاتے ہیں جن کی بنا پر مخالفین صحابہ نے مطاعن قائم کیے ہیں اور اعتراض وارد کیے ہیں جبکہ اس مقام کی صحیح روایات میں قابل اعتراض مواد نہیں پایا جاتا۔

آخر میں

اہم بات جو تمام قرائن و شواہد پر وزنی ہے یہ ذکر کی جاتی ہے کہ

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے مقدس کلام میں صلح حدیبیہ والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان و اسلام کے متعلق متعدد آیات میں توثیق و تصدیق فرمائی ہے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شریک و شامل ہیں، مثلاً

- لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرہ---الخ
- والزمھم کلمہ التقوی وکانوا احق بھا واھلھا---الخ

لہٰذا ان قرآنی آیات مقدسہ کی موجودگی میں کسی معترض کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان و اسلام میں شک پیدا کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں اور اگر آنموصوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ قلبی عناد والا معاملہ چل رہا ہے تو اس کا کوئی علاج نہیں اور یہ مرض لاعلاج ہے۔ واللہ الھادی۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

قابلِ اعتراض روایت کا جواب

حدیث کی بعض روایات میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں مال فئ او اموال بنو نضیر وغیرہ کی تقسیم کے سلسلہ میں حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا باہم تنازع ہوا اور یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو اس وقت حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم دونوں کی یہ رائے تھی کہ جو کچھ مذکورہ اموال میں سے ہمیں حصہ دیا جاتا ہے، اسی کے مطابق قطعات زمین ہمارے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیئے جائیں اور علیحدہ علیحدہ ہماری ولایت اور تصرف میں دیئے جائیں۔

○... چنانچہ شرح السنہ للبغوی میں یہی مضمون بہ عبارت ذیل درج ہے کہ

انما اختصما الیه (عمر رضی اللہ عنہ) فی رای حدث لهما فی اسباب الولایه والحفظ فرای کل واحد منهما التفرد۔

(۱) شرح السنہ للبغوی ج۱۱ / ۱۳۴ باب حکم الفئی تحت روایت خصومتہ علی و عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم طبع بیروت۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری، جلد ۶ / ۱۵۲ تحت کتاب فرض الخمس۔

○... اس طرح جامع الاصول للجزری جلد ثالث الفرع فی الفئی کے تحت مسئلہ ہذا کی بحث کے حواشی میں لکھا ہے کہ

ان طلب علی والعباس رضی الله عنهما انما کان طلب تولی القیام بها بانفسهما وقسمتها بینهما کما سبق۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تنازع ہذا کے سلسلہ میں فریقین کے درمیان زمین کے قطعات کی تقسیم نہیں کی تھی تاکہ بعد والے لوگوں میں میراث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کا اشتباہ پیدا نہ ہو۔

..... اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فریقین کے بیانات ہوئے اور کلام و تکلم میں شدت پیدا ہوئی۔

..... اس موقعہ کی بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مندرجہ ذیل شدید الفاظ استعمال کیے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی اور مجھے بھی کاذب آثم غادر اور خائن خیال کیا، حالانکہ خدا جانتا ہے کہ ہم سچے منصف اور تابع حق ہیں اور اس موقعہ پر بعض روایات میں ظالم اور فاجر کے الفاظ بھی منقول ہیں، چنانچہ ان روایات میں مذکورہ بالا کلمات شدیدہ کے پیش نظر لوگوں نے اعتراض قائم کیا ہے کہ شیخین انہی مذکورہ اوصاف کے ساتھ متصف تھے اور انہوں نے اپنی زبانی اس چیز کا اقرار کیا۔

فلہذا ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مذکورہ قبیح اوصاف کے ساتھ ذکر کرنا کوئی عیب کی بات نہیں، کیونکہ وہ اپنے حق میں اس چیز کا اپنی زبانی اقرار کر رہے ہیں۔

اعتراض ہذا کا مفہوم درج ذیل کتب میں منقول ہے

(۱) فلک النجاۃ جلد اول، ص ۳۹۰، مولوی علی محمد و امیر دین جھنگوی بحث فدک کا بیان۔

(۲) آئینہ مذہب سنی ۱۴۳-۱۴۴ بار چہارم / ڈاکٹر نور حسین جھنگوی۔

الجواب

کچھ لوگوں کا شیوہ ہے کہ حدیث کی روایات میں جہاں کہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

[Website: DifaAhleSunnat.com]

کے خلاف کچھ چیز معلوم کریں، اگرچہ قلیل ہی کیوں نہ ہو، اس کو بڑی اہمیت دے کر اور بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور اعتراض کا رنگ دے کر خوب نشر کرتے ہیں، چنانچہ عہد فاروقی کا مذکورہ واقعہ جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان بصورت تنازع پیش آیا، اس میں بعض روایات میں ان حضرات کا ایک دوسرے کے خلاف اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف شدید الفاظ کا استعمال کیا جانا پایا گیا (جیسا کہ مذکورہ بالا اعتراض کی عبارت میں درج کیا ہے) اس بات کو انہوں نے خوب طعن بنا کر ذکر کیا ہے اور حقیقت الامر یہ ہے کہ تنازعہ والی مذکورہ روایت اپنے مقام پر درست ہے۔ ان حضرات کا جو اموال بنی نضیر وغیرہ کے متعلق باہمی تنازع ہوا تو اس موقعہ پر ایک دوسرے کے خلاف شدت کے الفاظ کا پایا جانا واقعات کے اعتبار سے عقلاً کچھ بعید نہیں ہے، ایک انسان دوسرے فریق کی بات کو رد کرنے کے لیے بسا اوقات سخت تعبیر اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں اس واقعہ کو نقل کرنے والے بعض رواۃ نے روایت بالمعنی ذکر کرتے ہوئے بطور ادراج کے بعض شدید الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے جن کو معترضین نے اپنے اعتراض کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اصل واقعہ میں یہ الفاظ شدید منقول نہیں ہیں اور اس چیز پر قرائن و شواہد پائے جاتے ہیں۔

شواہد و قرائن

چنانچہ بہت سے محدثین نے واقعہ ہذا کو اپنی اپنی تصانیف میں باسند درج کیا ہے لیکن مذکورہ الفاظ شدید (کانبا، اثما، غادرا، خائنا، ظالم فاجر) ان میں بالکل مذکور نہیں ہیں مثلاً:

(۱) مسند امام احمد ج اول، ص۲۰۸ تحت مسندات عمر رضی اللہ عنہ، بھامشہ منتخب کنز العمال، طبع قدیم مصری۔

(۲) مسند امام احمد ج اول، ص۶۰ تحت مسندات عثمان رضی اللہ عنہ، طبع قدیم مصری۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۳) بخاری شریف ج اول ص۴۳۵-۴۳۶ باب فرض الخمس طبع نور محمد، دہلی۔

(۴) بخاری شریف ج ثانی، ص ۹۹۲ کتاب الفرائض طبع نور محمدی دہلی باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقہ۔

(۵) السنن لابی داؤد السجستانی ج ثانی، ۵۵-۵۶ باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الاموال طبع مجتبائی دہلی۔

(۶) ترمذی شریف ۲۵۰ طبع قدیم لکھنؤ، باب ما جاء فی ترکتہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۷) شمائل جامع الترمذی ص۲۰۱، تحت باب ماجاء فی میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۸) السنن الکبریٰ ج ۴، ص۶۸-۶۵ کتاب الفرائض، ذکر مواریث الانبیاء، طبع بیروت۔

(۹) السنن الکبریٰ للبیہقی ج۶، ص۲۹۸-۳۲۹ تحت بیان مصرف اربعہ اخماس الفئی بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم--- الخ، معہ الجواہر النقی، طبع اول، حیدر آباد، دکن۔

..... مذکورہ بالا تمام حوالہ جات میں اکابر محدثین نے فریقین کے درمیان تنازع کا اصل واقعہ درج کیا، لیکن قابل اعتراض شدید الفاظ (کاذبا اثما غادرا خائنا اور ظالم، فاجر) کہیں ذکر نہیں کیے اور یہ چیز ادراج راوی پر مستقل قرینہ ہے اور امام النواوی نے شرح مسلم میں المازری کے حوالہ سے یہی توجیہہ بحث ہذا کے تحت نقل کی ہے۔ نیز یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ اس مقام کی بعض روایات میں ایک فریق نے دوسرے فریق کو انت کذا وکذا کے الفاظ سے خطاب کیا۔

اس کے متعلق شارحین حدیث نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

..... ان العباس رضی اللہ عنہ و علیا رضی اللہ عنہ جاء الی عمر رضی اللہ عنہ یختصمان یقول کل منھما لصاحبہ انت کذا وکذا،

[Website: DifaAhleSunnat.com]

لیس کنایته عن سب احد هما الاخر کما وهم بل المراد انت لا تستحق الولایه علی هذه الصدقه ونحو نالک مایذکر المخاصم فی رد حجه خصمه من غیر شتم ولا سب۔"

(۱) شرح شمائل الترمذی للشیخ عبدالرؤف المناوی ص۲۸۵ بھامش جمع الوسائل۔

(۲) کتاب جمع الوسائل فی شرح الشمائل الترمذی لعلی القاری ص۲۸۵ تحت باب ماجاء فی میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۳) شرح شمائل الترمذی لشیخ ابراہیم البیجوری ص۲۹۶۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم تنازع کرتے ہوئے تشریف لائے درآنحالیکہ ہر فریق دوسرے فریق کو انت کذا و کذا کہتا تھا۔ یہ الفاظ ایک دوسرے کو سب وشتم کرنے سے کنایہ نہیں ہیں (جیسے کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے)

بلکہ ان کلمات سے یہ مراد ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق سے کہہ رہا ہے کہ صدقہ ہذا پر تم ولایت اور تصرف کے مستحق نہیں ہو وغیرہ وغیرہ جس طرح کہ ایک تنازع کرنے والا دوسرے فریق کی حجت کو سب وشتم کیے بغیر شدید الفاظ سے رد کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس موقعہ کی روایات میں جہاں کہیں کذا وکذایا وغیرہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں تو وہاں فحش گوئی اور معروف سب و شتم مراد نہیں بلکہ تنازعہ کے دوران سخت کلامی مراد ہے۔ حاصل یہ ہے کہ

اس واقعہ میں اعتراض کرنے والے لوگوں نے جن شدید الفاظ کی بنا پر اعتراض قائم کیا ہے، وہ دراصل روایات اور نفس واقعہ میں موجود ہی نہیں اور نہ ہی ان کا استعمال منقول ہے بلکہ رواۃ کی طرف سے مدرج الفاظ ہیں اور روایت ہذا

[Website: DifaAhleSunnat.com]

میں ادراج پایا گیا ہے۔ اس چیز پر ہم نے سطور بالا میں قرائن و شواہد پیش کر دیئے ہیں اور روایت ہذا میں راوی کی طرف سے درج شدہ الفاظ پر اعتراض قائم کرنا کسی صورت میں درست نہیں اور درج شدہ کلمات دیگر لوگوں پر حجت نہیں ہوتے اور ان کا تسلیم کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مذکورہ شدید الفاظ (کاذب، آثم، خائن، ظالم اور فاجر وغیرہ سے متصف نہیں ہیں)

اور یہ چیز ان حضرات کے حسن اخلاق، تقویٰ اور شان عدالت و دیانت کے خلاف ہے۔ قرآنی آیات اور صحیح احادیث اس پر شاہد عادل ہیں فلہذا اس مقام پر معترضین کا اعتراض قائم کرنا بے جا اور بے محل ہے۔

تنبیہ

روایت مندرجہ میں جو تنازع پایا جاتا ہے، اس کی متعلقہ وضاحت بقدر ضرورت ہم نے قبل ازیں اپنی تالیف رحماء بینھم حصہ اول صدیقی ص۹۵-۹۶ بمع حواشی کے (تحت عنوان مال فئ اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم الخ) ذکر کر دی تھی مگر وہاں الفاظ شدید والی روایت سامنے نہیں لائی گئی تھی اور نہ اس کا جواب وہاں درج ہوا تھا۔ اب اس کو جواب المطاعن کے سلسلہ میں پیش کر کے طعن کے جواب کے طور پر ذکر کیا ہے اور پیش کردہ معروضات پر بشرط انصاف نظر کرنے سے معترض کا اعتراض زائل ہے۔ باقی لانسلم کا کوئی علاج نہیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

لولا علی رضی اللہ عنہ لھلک عمر رضی اللہ عنہ

"صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معاندین ایک شبہ ذکر کیا کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب شریعت کے عالم نہیں تھے اور دیگر لوگوں سے کم علم تھے۔"

مسئلہ کے فیصلہ کرنے میں غلطی کر بیٹھتے تو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے غلط فیصلے کو توڑ دیتے۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے:

لولا علی رضی اللہ عنہ لھلک عمر رضی اللہ عنہ۔ یعنی اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا۔

(آئینہ مذہب سنی از ڈاکٹر نور حسین، ص ۹۵۳ فلک النجاۃ از حکیم علی محمد و امیر دین، ص ۲۴۲-۲۴۳)

اعتراض کنندگان کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مسائل شرعیہ سے جاہل تھے اور امامت و خلافت کے مہمات میں سے ہے کہ وہ مسائل شرعیہ کے متعلق پورا واقف اور عالم ہو لیکن وہ نا واقف تھے اور خلافت کے اہل نہیں تھے۔

الجواب

اس شبہ کے ازالہ کے لیے ذیل میں ہم چند چیزیں پیش کرتے ہیں، ان پر توجہ فرمائیں--- یہ شبہ زائل ہو جائے گا۔

○ ایک بات تو یہ ہے کہ خلیفہ اسلام جن اوصاف کی بنا پر منتخب کیا جاتا ہے، وہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اس کی عدالت، دیانت، تقویٰ، علم دین اور اس کے شرعی مسائل سے واقفیت اور انتظامی امور کی اہلیت اور احکام شریعہ کے نفاذ کی صلاحیت ہیں۔

اس مقام میں یہ شرط نہیں ہے کہ خلیفہ اسلام تمام شرعی امور کے متعلقہ تمام علوم سے ہر طرح واقف ہو اور کوئی معاملہ بھی اس کے علم سے پوشیدہ نہ ہو۔

پھر اس عدم شرط پر قرائن و شواہد موجود ہیں:

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو مسلم بین الفریقین خلیفہ عادل اور واقف علوم شرعیہ ہیں۔ ان کے متعلق بھی بعض واقعات ایسے موجود ہیں جن میں ان سے علمی فروگزاشت پائی جاتی ہے اور بعض مواقع میں تو آنمو صوف رضی اللہ عنہ نے صاف طور پر اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا ہے، مثلاً روایات میں منقول ہے کہ

..... ان علیا حرق قوما ارتدوا عن الاسلام فبلغ ذالک ابن عباس فقال لو کنت انا لقتلتھم بقول رسول اللہ ﷺ قال رسول اللہ ﷺ من بدل دینہ فاقتلوہ ولم اکن لا حرقھم لان رسول اللہ ﷺ قال لا تعذبوا بعذاب اللہ۔ فبلغ ذالک علیا فقال صدق ابن عباس۔ ھذا حدیث حسن صحیح۔ (جامع الترمذی، ابواب الحدود، باب ما جاء فی المرتد، مسند حمیدی ص ۲۴۵-۲۴۴، جلد اول، روایت نمبر ۵۳۳ طبع مجلس علمی)

یعنی ایک قوم مرتد ہو گئی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو آگ میں جلوا دیا۔ جب اس چیز کی جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ان کو سزا دیتا تو قتل کر دیتا اس لیے کہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح ہے کہ جو شخص اپنا دین اسلام چھوڑ دے تو اس کو قتل کر دو۔ اور میں آگ میں نہ جلاتا اس لیے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ کا عذاب نہ دیا کرو۔ جب یہ خبر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۲) اور بعض دفعہ اس طرح ہوا ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا تو حضرت علی المرتضٰی نے اس کو جواب دیا۔ وہ شخص کہنے لگا کہ یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے۔

جواب سن کر حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے مسئلہ ٹھیک کہا ہے اور میں چوک گیا ہوں۔ ہر علم والے سے دوسرا زیادہ عالم ہو سکتا ہے۔ کنز العمال میں ہے کہ

--- عن محمد بن کعب قال سال رجل علیا عن مسئلہ فقال فیھا فقال الرجل لیس ھکذا ولکن کذا وکذا قال اصبت واخطات وفوق کل ذی علم علیم۔

(کنز العمال ص ۲۴۱، خامس باب فی آداب العلم والعلماء، طبع اول حیدر آباد دکن)

اسی طرح حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے متعلق اس نوع کے کئی مسائل اور واقعات کتابوں میں پائے جاتے ہیں، ہم نے یہاں صرف دو واقعات ذکر کیے ہیں جو اصل مسئلہ کی تائید میں کافی ہیں۔

(۳) نہج البلاغہ میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی زبان سے اقرار یوں مذکور ہے کہ فرمایا کہ میں خطا کرنے سے بالاتر نہیں ہوں اور میں اپنے فعل میں غلطی سے بے خوف نہیں ہوں، مگر یہ کہ اللہ تعالٰی میری کفایت کرے جو مجھ سے زیادہ قدرت والا ہے۔

فلا تکفوا عن مقالہ بحق او مشورہ بعدل فانی لست فی نفسی بفوق ان اخطی ولا امن ذالک من فعلی الا ان یکفی اللہ من نفسی ماھو املک بہ منی۔

(نہج البلاغہ ص ۴۳۷، ج ۱، خطبہ علی علیہ السلام بصفین)

مندرجات بالا سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ بعض مسائل میں لاعلمی کا اظہار کرنا اور بعض واقعات میں خطا کرنا یا اپنی تحقیق کو ترک کر کے دوسروں کے قول کو

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اختیار کرنا۔ یہ کوئی نقص اور عیب کی بات نہیں اور یہ کوئی قابل تنقید اور لائق اعتراض فعل نہیں۔ اکابر ائمہ سے اسی طرح یہ چیز منقول ہے۔

(نوٹ) مضمون ہذا ہماری تالیف رحماء بینھم حصہ فاروقی میں ص ۱۳۵ تا ۱۳۹ تک مذکور ہے۔ مزید تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اسی سلسلہ میں یہ مشہور واقعہ ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک زانیہ عورت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رجم کرنے کا حکم فرمایا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ یہ عورت حاملہ ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ چیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا حکم اس عورت پر تو چل سکتا ہے مگر جو چیز اس کے بطن میں ہے اس پر آپ کا حکم نہیں چل سکتا۔ تو اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات کو تسلیم کر لیا اور فرمایا لولا علی لھلک عمر۔ یعنی اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عورت کے حاملہ ہونے کا علم نہیں تھا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا تو ان کے متنبہ کرنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بہت بڑی غلطی سے بچ گئے اور انہوں نے اس موقعہ پر ادائے شکر کے طور پر مذکورہ بالا کلمہ فرمایا اور اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کی۔ جیسا کہ اکابر شرفاء کا طریق کار رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت بہت بلند ہے اور ان کا منصفانہ اخلاق باکمال پایا جاتا ہے اور مذکورہ بالا واقعہ ان کے اخلاق کی بلندی کی نشاندہی کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی ایک فروگزاشت پر دیگر صحابہ کے حق میں کلمات شکر ادا کیے۔

ایک دیگر واقعہ

اسی سلسلہ میں ہم ایک دیگر واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بلندی اخلاق اور انصاف پسندی پر ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو متعدد محدثین نے اپنی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے، چنانچہ حافظ دار قطنی نے اپنے سنن میں یہ واقعہ اس طرح تحریر کیا ہے کہ

عن ابی سفیان قال حدثنی اشیاخ منا قالوا: جاء رجل الی عمر بن الخطاب فقال یا امیر المومنین! انی غبت عن امراتی سنتین فجئت وھی حبلی فنشاور عمر رضی اللہ عنہ الناس فی رجمھا- قال فقال معاذ بن جبل یا امیرالمومنین! ان کان لک علیھا سبیل فلیس لک علی ما فی بطنھا سبیل فاترکھا حتی تضع فترکھا فولدت غلاما قد خرجت ثنیاہ- فعرف الرجل الشبہ فیہ فقال ابنی ورب الکعبہ فقال عمر عجزت النساء ان یلدن مثل معاذ- لولا معاذ لھلک عمر-

(سنن الدار قطنی ص ۳۲۲، ج ۳، تحت کتاب النکاح، طبع القاہرہ، ص ۴۲۵، ج ۲، طبع انصاری دہلی، المصنف لابن ابی شیبہ ص ۸۸، ج ۱۵ تحت کتاب الحدود، طبع کراچی، کتاب السنن السعید بن منصور ص ۷۰، ۳، قسم ثانی، تحت باب المراۃ تلدلستہ اشہر)

مطلب یہ ہے کہ--- ابوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے اپنے مشائخ نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا اے امیرالمومنین! میں اپنی زوجہ سے دو سال غائب رہا ہوں اور جب میں آیا ہوں تو وہ حاملہ ہے- (فلہذا میری زوجہ سزا کے لائق ہے)

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیگر صحابہ سے اس عورت کے رجم کے معاملہ میں مشورہ کیا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے امیرالمومنین! آپ کو عورت کے رجم کرنے کا حق ہے لیکن جو اس کے بطن میں ہے، اس پر آپ کو اختیار حاصل نہیں، لہٰذا اسے وضع حمل تک ملتوی کردیں-

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو (وضع حمل تک) ملتوی کر دیا- پھر اس

[Website: DifaAhleSunnat.com]

عورت نے ایک لڑکا جنا جس کے سامنے کے دانت نکل چکے تھے۔ پس اس شخص نے اس بچے میں اپنی مشابہت پائی اور کہنے لگا رب کعبہ کی قسم! یہ بچہ میرا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: عورتیں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جیسا شخص پیدا کرنے سے عاجز ہو چکی ہیں۔ اور فرمایا کہ

لولا معاذ لھلک عمر۔ اگر معاذ رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے ان کے حق میں قدردانی اور عزت افزائی کے کلمات ذکر کیے۔ گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ کلمات تشکر کے درجہ میں ہیں اور ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی بھی اس میں مطلوب ہے اور باکمال شخصیات کے کلام کا انداز ایسا ہی ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ معترض لوگ اس مسئلہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاعلمی اور نااہلی کا رنگ دے کر ان کے حق میں طعن و اعتراض پیدا کرتے ہیں۔

حالانکہ اس نوع کے کلمات کا ان حضرات رضی اللہ عنہم سے صادر ہونا ان کے کمال انصاف پسندی اور قبول حق کے نشانات میں سے ہے اور منصفانہ کردار کی علامات میں سے ہے۔

اور اگر ان لوگوں کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی لاعلمی اور مسائل دینی سے ناواقفی ثابت کرنے پر اصرار ہے تو یہ چیز تو خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی ان کے اپنے کلام کے مطابق ثابت ہے اور متعدد واقعات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں جن میں ان سے لاعلمی کا ثبوت اور ناواقفی کا اقرار پایا جاتا ہے (جیسا کہ سابقہ سطور میں مختصراً بیان کیا گیا ہے)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

پھر اس معاملہ میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہی کیوں ہدف اعتراضات بنایا جاتا ہے؟؟ مقصد یہ ہے کہ خلیفہ اسلام کے لیے تمام علوم کا عالم ہونا اور تمام امور سے واقف ہونا شرط خلافت نہیں۔

اس بارے میں بہتر طریق یہی ہے کہ ان دونوں اکابر ہستیوں کے بارے میں اس قسم کے اعتراضات نہ اٹھائے جائیں اور ان کے حق میں کف لسان کیا جائے۔ ایمان کی سلامتی اسی میں ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

مسئلہ تراویح

مسئلہ ہذا کے اہم عنوانات

- دورِ نبوی میں نماز تراویح کی تین صورتیں۔
- گیارہ رکعت والی روایت کے تعارض کا جواب (بیس (۲۰) رکعات کے ساتھ تعارض کا حل)
- ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مضمون کو تلقی امت حاصل ہے۔
- ایک وہم کا ازالہ (ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے صغر سنی کا شبہ)
- خلافت راشدہ کے دور میں نماز تراویح۔
- عہد صدیقی میں تراویح کا معمول
- عہد فاروقی میں تراویح کا اجتماعی عمل۔
- ایک شبہ کا ازالہ (تراویح کے بدعت ہونے کا شبہ)
- بیس (۲۰) رکعات تراویح پر کبار علماء کی تائید۔ (ابنِ تیمیہ وغیرہم)
- ایک شبہ کا ازالہ (حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پہلے گیارہ رکعات اور بعد میں بیس رکعات نماز تراویح شروع کرائیں)
- عہد عثمانی میں تراویح کا اہتمام۔
- خواتین کا شمول۔
- عہدِ مرتضوی میں تراویح کا انتظام۔
- حاصل کلام (خلفاء راشدین کے ادوار خلافت میں بیس رکعات تراویح

[Website: DifaAhleSunnat.com]

باجماعت کا پچیس برس تک دوامی عمل رہا)

- بفرمان رسالت خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے اتباع کی تاکید۔
- مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل۔ (ابی بن کعب، ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)
- تابعین اور تبع تابعین اور دیگر کبار علماء کے فرمودات۔
- امہات المومنین کا طرزِ عمل۔
- کیا تراویح آٹھ رکعت ہیں؟
- خلاصہ بحث۔

ابتدائیہ

الحمد لله وكفى والصلوه والسلام على سيد الورى وعلى آله الشرفاء واصحابه النجباء واتباعه الصلحاء صلوه دائمه بدوام الارض والسماء۔ امابعد۔

تراویح کا مسئلہ آئندہ سطور میں درج کیا جاتا ہے اور اس مسئلہ کے متعلقات ذکر کرنے سے قبل ہم یہاں تحریر مدعی کے درجہ میں چند سوالات ناظرین کی خدمت میں ذکر کرتے ہیں۔ اس طریقہ سے مسئلہ ہذا کے قابل وضاحت پہلو سامنے آسکیں گے۔

کیا:

(۱) بیس رکعات تراویح پڑھنا مسنون ہے یا بدعت؟؟

(۲) خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں بیس رکعات پڑھی گئی ہیں یا نہیں؟؟ اور اس مسئلہ میں تعامل صحابہ کس طرح تھا؟؟

(۳) قرونِ ثلاثہ میں کسی معتمد عالم دین، نامور محدث یا فقیہ نے بیس رکعات کو بدعت قرار دیا ہے؟ یا اس دوامی عمل پر نکیر فرمائی ہے؟؟ یا اسے بخوشی قبول کر لیا

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ہے؟؟

اب اس مسئلہ کے متعلقہ معروضات پیش کیے جاتے ہیں، بغور ملاحظہ فرماویں۔ تمام بحث پر نظر غائر کر لینے سے اطمینان قلب ہو جائے گا اور مندرجہ بالا سوالات کے جوابات بھی پائے جائیں گے۔

عہدِ نبوت

اہلِ علم پر واضح ہے کہ عہد رسالت کے دوران مسئلہ تراویح میں متعدد صورتیں پائی جاتی ہیں۔ دورِ نبوت (علی صحبہا الصلوہ والسلام) میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲ھ میں رمضان شریف کے روزوں کی فرضیت کے بعد شب ہائے رمضان المبارک میں صلوٰۃ رمضان کی ترغیب دلائی اور ارشاد فرمایا:

عن ابی ہریرہ من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ۔

(۱) مشکوۃ شریف ص ۱۱۴ باب قیام شہر رمضان، الفضل لاول، طبع دہلی، بحوالہ مسلم شریف۔

(۲) السنن الکبریٰ ص ۴۹۲ جلد ثانی مباحث صلوٰۃ التراویح، الامام البیہقی۔

(۳) ریاض الصالحین ص ۴۵۰، ۴۵۱ باب استحباب قیام رمضان وھو التراویح۔

یعنی جو شخص رمضان کی راتوں میں ایمان اور ارادہ ثواب کے ساتھ قیام کرے گا تو اس کے لیے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

پہلی صورت

قیام رمضان کے سلسلہ میں یہ ابتدائی مراحل تھے اور بطور ترغیب کے اس پر عمل ہوتا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترغیب

[Website: DifaAhleSunnat.com]

کی بنا پر شب ہائے رمضان میں اپنے طور پر مختلف جماعتوں کی شکل میں مسجد نبوی کے اندر اطراف و جوانب میں تراویح ادا کرتے تھے۔

چنانچہ متعدد محدثین نے اس چیز کو اپنی تصانیف میں باسند ذکر کیا ہے۔ مثلاً

عن العلاء بن عبدالرحمن عن ابیه عن ابی هریره انه قال خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم وانا الناس فی رمضان یصلون فی ناحیه المسجد فقال ماهولاء؟ فقیل هولاء ناس لیس معهم قرآن وابی بن کعب یصلی بهم وهم یصلون بصلاته فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اصابوا- اونعم ماصنعوا-

(صحیح ابن خزیمہ ص۳۳۹، جلد ثالث، باب امامتہ القاری الامیین فی قیام شہر رمضان (المتوفی ۳۱۱ھ)، الصحیح لابن حبان ص۱۰۷، جلد خامس، تحت فصل فی التراویح، روایت نمبر ۲۵۳۲، ابوداؤد شریف ص۲۰۲، جلد اول، باب فی قیام شہر رمضان، طبع دہلی)

روایت مندرجہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان شریف میں ایک رات اپنے خانہ مبارک سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ مسجد نبوی کے مختلف اطراف و جوانب میں لوگ رمضان المبارک میں متفرق جماعتوں کی شکل میں نمازیں ادا کر رہے ہیں تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ تو جواب میں عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو پورا قرآن مجید یاد نہیں اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قرأت کر رہے ہیں اور یہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں تو اس موقعہ پر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے بالکل ٹھیک کیا یا یوں فرمایا کہ جو کچھ انہوں نے کیا، عمدہ کیا اور بعض روایات کے الفاظ اس طرح منقول ہیں کہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

قال قد احسنوا و قد اصابوا ولم یکرہ ذالک لھم۔

یعنی ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اچھا کیا یا فرمان دیا کہ انہوں نے درست کیا اور ان لوگوں کے اس عمل کو ان کے حق میں ناپسند نہیں جانا اور ان کو اس فعل سے منع نہیں فرمایا بلکہ ان کے عمل کی تصویب فرمائی۔

نتیجہ کے اعتبار سے یہاں ذکر کرنا مناسب ہے کہ:

اول تو یہ "سنت قولی" ہے جو ظاہر الفاظ حدیث سے ثابت ہو رہی ہے اور پھر اگر اس سے صرف نظر کر لی جائے اور کم درجہ دیا جائے تو کم از کم "سنت تقریری" ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔

حاصل یہ ہے کہ تراویح کے لیے یہ ایک مرحلہ تھا کہ دور نبوی میں جماعت کے ساتھ تراویح مسجد نبوی میں ادا کی جاتی تھی اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے علم میں یہ فعل جاری تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس عمل کو تصویب و تائید نبوی ﷺ حاصل تھی۔

قابل توجہ

اور یہ چیز اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ اس مضمون کی دیگر روایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے مروی ہیں۔ ان میں سے بطور مضمون کی تائید کے ایک روایت ہم عنقریب ذکر کر رہے ہیں اور جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ روایت صحیح ابن خزیمہ جلد ثالث اور الصحیح لابن حبان جلد خامس اور ابوداؤد شریف جلد اول وغیرہ میں مروی ہے۔ پھر ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے خود ہی اس کی سند پر درج ذیل الفاظ میں نقد کیا ہے کہ

لیس ھذا الحدیث بالقوی ومسلم بن خالد ضعیف۔

یعنی مسلم بن خالد راوی ضعیف ہیں اور یہ حدیث قوی نہیں ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اس مقام میں علماء نے نقد ہذا کے متعلق جوابات ذکر کیے ہیں۔ ان کے بیانات کی روشنی میں یہاں مختصراً معروضات پیش کی جاتی ہیں۔

راوی مذکور مسلم بن خالد الزنجی المکی پر اگرچہ بعض علماء نے ناقدانہ کلام کیا ہے اور اس کی تضعیف کی ہے لیکن اس کے باوجود دیگر کبار علماء نے اس کی توثیق بھی ذکر کی ہے چنانچہ اس راوی کی توثیق کے متعلق علماء کرام کے چند کلمات پیش کیے جاتے ہیں مثلاً

یحییٰ بن معین نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ

ثقه وهو صالح الحديث۔ یعنی مسلم بن خالد قابل اعتماد ہے صالح حدیث والا ہے۔ (اس کی روایت قابل قبول ہے)

(تاریخ یحییٰ بن معین ص۵۶۱-۵۶۲ جلد ثانی تحت مسلم بن خالد الزنجی)

اور ابن حبان نے "کتاب الثقات" میں تحریر کیا ہے کہ

وكان مسلم بن خالد يخطي احيانا۔ یعنی مسلم بن خالد بعض دفعہ خطاء کرتا تھا۔

لیکن ساتھ ہی اس کی توثیق بھی ذکر کی ہے کہ

كان من فقهاء الحجاز--- وروى عنه عبدالله بن المبارك والشافعي والحميدي وغيرهم ومنه تعلم الشافعي الفقه--- الخ۔

(کتاب الثقات لمحمد بن حبان، ص۴۴۸، جلد سابع، تحت مسلم بن خالد)

اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں درج کیا ہے کہ

قال ابن عدي حسن الحديث۔ وكان فقيه مكه وكان من فقهاء اهل الحجاز۔ قال الساجي صدوق، قال الدارقطني ثقه--- الخ

(تہذیب التہذیب لابن حجر ص۱۲۹-۱۳۰ جلد عاشر تحت مسلم بن خالد، طبع دکن)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

مندرجہ حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلم بن خالد اہل حجاز کے فقہاء میں شمار ہوتے تھے، مکہ والوں کے لیے فقیہ تھے اور ان سے ابن المبارک امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ۔ الحمیدیؒ وغیرہ کبار علماء نے روایت حاصل کی ہے اور امام شافعیؒ نے فقہ کا علم ان سے بھی لیا ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے بہتر حدیث لاتے ہیں اور الساجی نے کہا ہے کہ یہ شخص صادق اور سچے ہیں اور دار قطنی نے فرمایا ہے کہ یہ معتمد آدمی ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ مسلم بن خالد الزنجی المکی پر تنقید و نقد پائی جاتی ہے تاہم اس کے ساتھ اس کی توثیق بھی علماء نے ذکر کی ہے جو ہم نے کلام بالا میں پیش کر دی ہے۔ اس کے پیش نظر اس کی روایت بہمہ وجوہ اور بالکلیہ قابل رد نہیں ہے بلکہ اس کی توثیق کی وجہ سے قابل قبول ہے۔

تائید

اس کے بعد یہ ذکر کر دینا مناسب ہے جیسا کہ سابقاً ذکر ہوا ہے مذکورہ بالا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ہم مفہوم و ہم معنی ایک دیگر روایت امام بیہقی نے السنن الکبریٰ وغیرہ تصانیف میں درج کی ہے۔

بیہقی کی یہ روایت جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کی موید ہے اور اس کے مفہوم کی پوری طرح توثیق و تائید کرتی ہے۔

فلہذا مندرجہ بالا روایت تائید پائی جانے کی وجہ سے قابل قبول ہو جائے گی اور اپنے مقام میں درست ثابت ہوگی اور قابل ترک نہ رہے گی، چنانچہ ذیل میں بیہقی کی موید روایت ذکر کی جاتی ہے:

عن ثعلبه بن ابی مالك رضی اللہ عنہ القرظی قال خرج رسول اللہ ﷺ ذات لیله فی رمضان

یعنی ایک رات جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے۔ رمضان المبارک تھا۔ دیکھا کہ مسجد کے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

فرای ناسا فی ناحیه المسجد یصلون فقال ما یصنع هولا؟ قال قائل یارسول الله! هولاء ناس لیس معهم القرآن وابی بن کعب یقرا وهم معه یصلون بصلته- قال قد احسنوا وقد اصابوا ولم یکره ذالک لهم- (السنن الکبریٰ مع الجواہر النقی ص ۴۹۵، جلد ثانی باب من زعم انها بالجماعه افضل لمن لا یکون حافظا)

کونہ میں کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ تو ایک شخص نے عرض کیا کہ جن لوگوں کو قرآن مجید یاد نہیں وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں باجماعت نماز پڑھ رہے ہیں تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اچھا کیا اور درست کیا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو مکروہ نہیں جانا۔

اور الفاضل التیموی نے "آثار السنن" میں اس روایت کے تحت لکھا ہے کہ

رواه البیهقی فی المعرفه واسناده جید۔

فاضل بیہقی نے مذکورہ مندرجہ روایت کے متعلق سنن الکبریٰ میں بحث کی ہے، وہاں درج کیا ہے کہ قال الشیخ هذا مرسل حسن۔

مطلب یہ ہے کہ چونکہ ثعلبہ راوی صحابی نہیں بلکہ تابعی ہے، اس بنا پر حکم لگایا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے لیکن درجہ حسن میں ہے اور ضعیف نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اور ثعلبہ کی روایت ہذا دونوں مقبول ہیں اور ان سے ثابت ہوا کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں جماعت کے ساتھ تراویح مسجد نبوی میں ادا کی جاتی تھی اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اس فعل کو تصویب حاصل تھی اور اس کو منع نہیں فرمایا۔

معلوم ہوا کہ رمضان المبارک میں تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا، دورِ نبوت میں ثابت ہے اور سُنّت کے مطابق ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

دوسری صورت

دور نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نماز تراویح کی ادائیگی کے متعلق ایک وہ صورت تھی جو سابقہ صفحات میں ذکر کی گئی ہے۔

دوسری صورت اس مسئلہ میں مندرجہ ذیل پائی جاتی ہے جس کو متعدد صحابہ کرام (مثلاً ابوذر غفاری اور نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہم) نقل کرتے ہیں کہ

عن ابی ذر (رضی الله عنه) قال صمنا مع النبی صلی الله علیه وسلم فی رمضان فلم یقم بناحتی بقی سبع من الشهر فقام بناحتی ذهب ثلث اللیل ثم لم یقم بنا فی السادسه وقام بنا فی الخامسه حتی ذهب شطر اللیل فقلت یارسول الله صلی الله علیه وسلم لو نفلنا یقیه لیلتنا هذه؟ قال انه من قام مع الابام حتی ینصرف کتب له قیام لیله۔ ثم لم یصل بناحتی بقی ثلاث من الشهر فقام بنا فی الثالثه وجمع اهله ونساء۔

یعنی مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم نے رمضان المبارک میں روزے رکھے۔ اس دوران آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ رات کی نماز (تراویح) میں نہیں کھڑے ہوئے حتیٰ کہ اس مہینہ کے سات یوم رہ گئے (یعنی وہ مہینہ ۲۹ یوم کا شمار تھا) پھر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ثلث شب تک نماز پڑھائی۔ پھر چوبیسویں شب کو آپ تشریف نہیں لائے اور پچیسویں شب کو پھر تشریف لائے اور نصف شب تک نماز پڑھائی--- پھر آپ نے نماز نہ پڑھائی۔ حتیٰ کہ تین یوم رہ گئے تو اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستائیسویں شب ہمیں نماز

[Website: DifaAhleSunnat.com]

فقام بناحتی تخوفنا ان یفوتنا الفلاح قلت وما الفلاح؟ قال السحور۔

پڑھائی اور اپنے اہلِ خانہ کو بھی جمع فرمایا اور اس رات دیر تک نماز پڑھائی حتیٰ کہ ہم نے سحری کے فوت ہو جانے کا خوف کیا۔

روایت نعمان بن بشیر

اسی طرح النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ صحابی نے بیان کیا کہ

قمنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی شهر رمضان لیله ثلاث و عشرین الی ثلث اللیل ثم قمنا معه لیله خمس و عشرین الی نصف اللیل ثم قمنا لیله سبع وعشرین حتی ظننا ان لن ندرک الفلاح وکذا نسمیه السحور---الخ۔

یعنی رمضان المبارک میں تئیسویں شب میں ہم جناب اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتداء میں ثلث لیل تک کھڑے ہوئے پھر ہم جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں پچیسویں شب میں نصف شب تک کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد پھر ستائیسویں شب میں (نماز تراویح) کے لیے کھڑے ہوئے حتیٰ کہ ہم نے کافی تاخیر کی وجہ سے اپنی جگہ گمان کیا کہ فلاح (یعنی سحری) کو ہم نہ پا سکیں گے۔

(صحیح ابن خزیمہ ص ۳۳۶ جلد ثالث، باب الصلوۃ جماعۃ فی قیام رمضان... الخ، طبع بیروت، السنن الکبریٰ للنسائی جلد اول، ص ۴۱۰-۴۱۱، روایت نمبر ۱۳۹۹ تحت قیام شہر رمضان، طبع بیروت)

یہ روایت نعمان بن بشیر صحابی نے حمص شہر کے منبر پر بیٹھ کر بیان کی۔ یہ روایت مذکورہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت کے ہم معنی و ہم مفہوم ہے اور بطور تائید کے پیش کی گئی ہے اور اہل علم کو معلوم ہے کہ اس مضمون کی روایت صحاحِ ستہ کی کتابوں میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے۔

پس ان روایات میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تراویح کو

[Website: DifaAhleSunnat.com]

جماعت کے سات پڑھانا ثابت ہے۔ اگرچہ ان روایات میں تعداد رکعات مذکور نہیں لیکن نماز تراویح کا شب ہائے رمضان میں جماعت سے پڑھانا اور ان میں کافی وقت لگانا اور رات کا ایک حصہ صرف کرنا سنت صحیح سے ثابت ہوتا ہے۔

رمضان شریف کی راتوں میں تراویح کے لیے شب خیزی کا عمل جاری رہا۔ پھر بعض دفعہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قصداً جماعت کرانے کے لیے نہیں تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے تقاضا بھی ہوا، اس کے باوجود نہیں پہنچے۔ پھر اس روز صبح کو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چیز کی حکمت بیان فرمائی کہ

اما بعد فانه لم یخف علی شانکم ولکنی خشیت ان تفرض لیکم صلاه اللیل فتعجزوا عنها---الخ-	یعنی فرمایا کہ تمہارے تقاضے کا حال مجھ پر مخفی نہیں تھا لیکن میں نے اس بات کا خوف کیا کہ رمضان کی راتوں کی نماز تم پر واجب کردی جائے، پھر اس کی ادائیگی سے تم عاجز آجاؤ---الخ-

(صحیح ابن خزیمہ ص۳۳۹-۳۳۸ جلد ثالث، طبع بیروت، باب اللیل علی ان النبی ﷺ انما ترک قیام لیالی رمضان... الخ، مشکوۃ شریف ص۱۱۴ باب قیام شہر رمضان، الفصل الاول، متفق علیہ)

یعنی اس نماز کے وجوب کے خوف سے ناغہ کردیا۔ یہ ایک عظیم مصلحت تھی جس کی وجہ سے امت پر شفقت فرمائی اور اس فعل پر دوام نہیں فرمایا۔ گویا کہ عدم دوام کی علت اور وجہ ظاہر فرمادی۔

خلاصہ یہ ہے کہ نماز تراویح کی ادائیگی کی یہ دوسری صورت تھی جو اس شکل میں عہد نبوت میں پائی گئی۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

تیسری صورت

اب یہاں مسئلہ ہذا کے لیے نماز تراویح کے حق میں ایک تیسری روایت پیش کی جاتی ہے جو جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى فى رمضان عشرين ركعه والوتر۔

(۱) المصنف لابن ابی شیبہ (المتوفی ۲۳۵ھ) ص ۳۹۴ جلد ثانی، تحت کم یصلی فی رمضان من رکعۃ، حیدر آباد دکن۔

عن مقسم عن ابن عباس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فى رمضان عشرين ركعه ويوتر بثلاث۔

(۲) المنتخب مسند عبد حمید (المتوفی ۲۴۹ھ) ص ۲۱۸ روایت نمبر ۶۵۳ طبع بیروت۔

(۳) مجمع الزوائد لنور الدین الہیثمی ص ۱۷۲ جلد ثالث باب قیام رمضان بحوالہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط وفیہ ابوشیبہ ابراھیم وھو ضعیف، طبع اول، مصری)

مذکورہ روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے اور وتر تین رکعات میں ادا فرماتے تھے۔

روایت ہذا کی رو سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیس رکعات نماز تراویح ادا فرمایا کرتے تھے۔

نماز تراویح کی یہ تیسری صورت ہے اور عہد نبوت میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ اب اس سے انکار کرنا زیغ عن الحق ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ عہد نبوت میں ان متعدد صورتوں میں صلوٰۃ التراویح ادا کی جاتی تھی۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اس مقام میں چند ایک چیزیں قابل وضاحت ہیں۔

------ (۱) ------

روایت ہذا جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بظاہر اس کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے ساتھ تعارض معلوم ہوتا ہے جس میں گیارہ رکعات نماز ادا کرنے کا ذکر پایا جاتا ہے تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ آخر بحث میں "مستقل عنوان" قائم کر کے ان دونوں روایات کا رفع تعارض کر دیا ہے۔ وہاں آپ اس کی تفصیل بقدر کفایت ملاحظہ فرما سکیں گے۔

------ (۲) ------

دوسری گزارش یہ ہے کہ یہاں محدثین نے اس روایت کے ایک راوی "ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ" پر کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ "وھو ضعیف۔" یعنی یہ راوی کمزور ہے۔ اب اس مقام میں راوی مذکور کے ضعف کے جواب میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔ علماء فن نے اگرچہ راوی مذکور کے ضعف کی تصریح کی ہے لیکن اس روایت کے مقبول ہونے کے لیے دیگر قرائن موجود ہیں جن کی بنا پر راوی کے ضعف کا مداوا اور ازالہ ہو سکتا ہے۔ پھر اس طریقہ سے روایت قابل قبول ہو جاتی ہے اور متروک نہیں رہتی۔

قرائن

○ ایک بات تو یہ ہے کہ اس روایت کی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل اور دیگر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل سے تائید پائی جاتی ہے اور اس دور میں بیس رکعات تراویح کا پڑھا جانا اس روایت کے صحیح ہونے کا قرینہ ہے۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے تعامل کی تفصیل ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

چنانچہ علماء کرام نے لکھا ہے کہ

وموا ظبه الصحابه علی عشرين قرينه صحه هذه الروايه۔

یعنی بیس رکعات ادا کرنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مواظبت اور دوام کرنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے صحیح ہونے پر قرینہ ہے۔

(رسائل الارکان از بحر العلوم مولانا عبد العلی" لکھنوی، ص۱۳۸ تحت فصل صلوٰۃ التراویح فی رمضان، طبع قدیم)

(۲) اسی طرح کبار تابعین اور جمہور علمائے امت کے بیس رکعات ادا کرنے کے تعامل سے بھی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے صحیح ہونے کی تائید پائی جاتی ہے اور متعدد آثار قویہ اس روایت کی توثیق و تائید میں دستیاب ہوتے ہیں۔

(۳) نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ اگرچہ خبر واحد ہے، لیکن اس کی صحت کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اس روایت کے مضمون کو "تلقی امت" حاصل ہے اور جس روایت کے مضمون کو تلقی امت حاصل ہو جائے اور امت اس کو عملاً قبول کر لے اور تصدیق کر دے تو وہ جمہور علماء کے نزدیک علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے، ظنی نہیں رہتی۔

چنانچہ "شرح عقیدۃ الطحاویہ فی عقیدۃ السلفیہ" میں لکھا ہے کہ

وخبر الواحد اذا تلقه الامه بالقبول عملا به وتصديقا له يفيد العلم اليقيني عند جماهير الامه۔ وهو احد قسمي المتواترولم يكن بين سلف الامه في ذالك نزاع۔

(۱) شرح الطحاویہ ص۳۲۰ تحت بحث ہذا قاضی علی بن علی بن ابی الغرا الحنفی المتوفی ۷۹۲ھ۔

(۲) احکام القرآن للجصاص الحنفی ص۴۵۶ جلد اول، تحت الطلاق مرتان، الخ۔

پس اس قاعدہ کے اعتبار سے بھی جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

متروک نہیں بلکہ قابل قبول ہے اور اس کے صحیح ہونے پر امت نے یقین کیا ہے۔ فلہذا اس کے ضعف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور مندرجہ قرائن کے پیش نظر اسے رتبہ قبولیت حاصل ہوگا۔

ایک وہم کا ازالہ

روایت ہذا کی بحث میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ صغار صحابہ میں سے ہیں، اس مسئلہ پر کسی کبیر صحابی کی روایت پیش کی جائے تو اس وہم کے ازالہ کے لیے اتنا قدر ذکر کر دینا کافی ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں (یعنی ان کی ماں ام الفضل کی بہن ہیں) اپنی خالہ جان کی خدمت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی آمد و رفت رہتی تھی اور کئی بار اپنی خالہ کے خانہ مبارک میں شب باشی بھی ان کو نصیب ہوتی تھی۔ پس ان ذرائع کی بنا پر ان کو مسئلہ ہذا (یعنی بیس رکعات تراویح ادا ہونے کا) علم حاصل تھا جسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مذکورہ روایت میں بیان کیا ہے اور وہ بالکل صحیح ہے۔

پھر اس روایت کی صحت کے لیے متعدد قرائن پائے جاتے ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں ہم نے ان کو مختصراً ذکر کر دیا ہے، پس ان حالات کے پیش نظر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں صغر سنی کا اعتراض اٹھانا بالکل بے وزن ہے اور حق بات سے اعراض کرنے کے مترادف ہے۔ والحق احق ان یتبع۔

خلافت راشدہ کا دور

دورِ نبوت میں جو نماز تراویح کی صورتیں پیش آئیں، ان کو ہم نے گزشتہ اوراق میں بالاختصار درج کیا ہے اور اس کی تائید میں دلائل بقدر کفایت پیش کر دیئے ہیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اس کے بعد خلفائے راشدین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ایام خلافت میں "مسئلہ تراویح" کے لیے جو عملی نظم قائم رہا اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کو بغور ملاحظہ فرمائیں:

عہدِ صدیقی

جناب حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں نماز تراویح کے ادا کرنے کی سابقہ صورت ہی جاری رہی یعنی جس طرح مسجد نبوی میں مختلف مقامات پر الگ الگ اجتماعات کی صورت میں صلوٰۃ تراویح اہلِ اسلام ادا کرتے تھے۔

یا پھر بعض حضرات اپنے اپنے گھروں میں تراویح پڑھتے تھے، اس طرح صدیقی دور خلافت میں تراویح ادا کرنے کا عمل جاری رہا لیکن اجتماعی شکل میں تراویح کو ادا نہیں کیا گیا۔

صدیقی خلافت کا دور قریباً دو سال تین ماہ کا تھا۔ اس میں یہی طریقہ قائم رہا اور عہد ہذا میں صرف دو رمضان المبارک گزرے تھے۔

عہدِ فاروقی

اس کے بعد فاروقی عہد خلافت ۱۳ھ سے شروع ہوا جو قریباً ساڑھے دس سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ اس میں ۱۴ھ میں صلوۃ تراویح کے لیے "اجتماعی عمل" اختیار کیا گیا۔

مسئلہ ہذا کے متعلق ابتدائی مرحلہ کے کوائف میں محدثین نے ذکر کیا ہے کہ ایک صاحب (عبدالرحمٰن بن عبدالقاری) کہتے ہیں کہ عہد فاروقی میں ایک دفعہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں مسجد نبوی کی طرف نکلا۔ دیکھا کہ لوگ متفرق صورت میں نمازیں ادا کر رہے ہیں۔ کوئی شخص اپنے طور پر نماز

[Website: DifaAhleSunnat.com]

پڑھ رہا ہے تو کوئی دوسروں کے ساتھ مل کر تراویح پڑھ رہا ہے۔ اس حالت کو دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، فرمانے لگے کہ ان لوگوں کو اگر ایک قاری کے خلف میں جمع کر دیا جائے تو افضل اور بہتر ہوگا۔

عبدالرحمٰن مذکور کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، نے لوگوں کو ایک امام کے خلف میں جمع کر دینے کا عزم کر لیا اور جناب ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں انہیں جمع کر دیا۔

دوسری شب میں پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، کے ہمراہ مسجد نبوی میں آیا تو دیکھا کہ تمام نمازی ایک امام اور ایک قاری کے خلف میں مجتمعا نماز تراویح ادا کر رہے ہیں تو اس صورت کو دیکھ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، نے ارشاد فرمایا کہ

نعمت البدعه هذه۔ یعنی یہ نیا طریقہ بڑا عمدہ ہے۔

(مشکوۃ شریف ص ۱۱۵ الفصل الثالث، بحوالہ البخاری، تحت قیام شہر رمضان)

ایک شبہ کا ازالہ

اس مقام میں بعض لوگوں کی جانب سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ

(۱) تراویح کی نماز جناب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایجاد کی۔

(۲) اور پھر جماعت تراویح کو "نعمت البدعه هذه" سے تعبیر کیا، حالانکہ شریعت میں "کل بدعه ضلاله" ہے اور بدعت کو مذموم قرار دیا گیا ہے، وہ اچھی کیسے ہو سکتی ہے؟؟

ازالہ

اس اعتراض کے جواب کے لیے ذیل میں کلام پیش کیا جاتا ہے:

اعتراض میں معترض نے دو چیزیں ذکر کی ہیں:

(۱) ایک یہ ہے کہ صلوٰۃ تراویح کی ایجاد خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

یعنی شرع کا فرمان نہیں ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ تراویح کی نماز کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بالکل ایجاد نہیں کیا بلکہ یہ تو سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) جاری کی ہے اور امت کو ادا کرنے کا ارشاد فرمایا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكر شهر رمضان فقال شهر كتب الله عليكم صيامه وسننت لكم قيامه۔ (السنن لابن ماجہ، ص ۹۵، تحت باب ماجاء فی قیام شہر رمضان، طب نظامی دہلی)

یعنی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ رمضان کا ذکر کیا اور فرمایا کہ رمضان وہ مہینہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں روزہ رکھنا تم پر واجب کیا ہے اور میں نے (اس کے حکم سے) اس ماہ میں تمہارے لیے رات کو قیام کرنے (یعنی تراویح ادا کرنے) کا طریقہ جاری کیا۔

اس حدیث نبوی سے واضح ہوگیا کہ نماز تراویح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد نہیں ہے بلکہ ارشاد نبوی کے موافق ادا کی جاتی ہے۔

(۲) اور دوسرا اعتراض کہ تراویح کو "نعمه البدعه هذه" کہا اور بدعت شرعاً مذموم چیز ہے تو اس کے جواب میں اکابر علماء نے اپنے اپنے دور میں جوابات تحریر کیے ہیں جن سے شبہ ہذا زائل ہو جاتا ہے اور اعتراض ساقط ہو جاتا ہے۔ ذیل میں ان بیانات کی روشنی میں چند کلمات درج کیے جاتے ہیں۔

○ مطلب یہ ہے کہ ایک امام کے خلف میں لوگوں کو نماز تراویح کے لیے جمع کر دینے کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بدعت باعتبار لغت کے کہا ہے کیونکہ لغت میں نئی چیز کو یا نئے کام کو بدعت کہتے ہیں، یعنی یہ ایک جدید طریقہ ہے لیکن باعتبار شرع کے بدعت نہیں فرمایا۔ جو چیز شرعاً بدعت ہو، وہ مذموم ہے۔

اسی مقصد کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا

[Website: DifaAhleSunnat.com]

یہ فعل باعتبار شکل و صورت کے بدعت ہے مگر باعتبار حقیقت کے بدعت نہیں ہے کیونکہ یہ امر جناب اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت قولی ہے، سنت فعلی ہے اور سنت تقریری بھی ہے۔ اور اس فعل پر دوام نہ فرمانا اس کے افتراض کے خوف سے ہوا تھا اور جبکہ انتقال نبوی ﷺ کے بعد یہ خشیت اور خوف نہیں رہا تو اس پر دوام کرنا صحیح ہے، بدعت نہیں ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے کہ

(۱) انما سماها بدعه باعتبار صورتها فان هذا الاجتماع محدث بعده عليه الصلوه والسلام واما باعتبار الحقيقه فليست بدعه لانه عليه السلام- انما امرهم بصلاتها في بيوتهم للعه هي خشيه الافتراض، الخ

(مرقات شرح مشکوۃ ص ۱۸۶ ج ۳ تحت قیام شہر رمضان)

(۲) اور حافظ الذہبی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "المنتقی" میں اسی مقولہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

فسماه بدعه وما هو بالبدعه الشرعيه التي هي الضلاله اذ هي ما فعل بلا دليل شرعي- ولو كان قيام رمضان جماعه قبيحا لابطله امير المومنين علي وهو بالكوفه بل روى عنه انه قال نور الله علي عمر قبره كما نور علينا مساجدنا-

("المنتقی للذہبی"، ص ۵۴۲، بحث ابتدع التراویح)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو (اجتماعی عمل) کو بدعت کہا ہے تو یہ بدعت شرعی نہیں ہے جو گمراہی ہوتی ہے۔

اس وجہ سے کہ بلا دلیل شرعی یہ اجتماع اور یہ فعل نہیں کیا گیا۔ اگر رمضان المبارک میں اس طرح جماعت کا قیام قبیح ہوتا تو اس چیز کو امیرالمومنین حضرت علی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، باطل قرار دیتے، حالانکہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کے بعد میں کوفہ میں خلیفتہ المومنین اور حاکم وقت تھے، بلکہ ان سے اس مسئلہ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کے حق میں یہ جملہ مروی ہے کہ "حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، کی قبر کو منور فرمائے جس طرح انہوں نے ہماری مساجد کو (اس اجتماعی عبادت سے) منور کر دیا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، کا فعل و عمل جماعت تراویح کے "عدم بدعت" ہونے پر عمدہ قرینہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تراویح کے اس اجتماع کو اکابر خلفائے راشدین نے مستحسن قرار دیا ہے اور بدعت تصور نہیں کیا۔

○ اور جناب ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ، نے مذکورہ جملہ کو اپنی تصنیف "اقتضاء الصراط المستقیم" کے صفحہ ۲۷۶ پر بحث تراویح کے تحت مختصراً اس طرح واضح کیا ہے کہ

وهذه تسميه لغويه لا تسميه شرعيه۔ یعنی جماعت تراویح کو بدعت کہنا لغت کے لحاظ سے ہے، شرعی لحاظ سے نہیں ہے۔

علماء کرام کی ان صریحات و تشریحات کے پیش نظر مذکورہ شبہ اور اعتراض بالکلیتہ زائل ہو جاتا ہے۔

مذکورہ روایت جو مشکوٰۃ شریف سے بحوالہ بخاری" پیش کی ہے اس میں تراویح کی رکعات کے متعلق تصریح موجود نہیں بلکہ جماعت تراویح کا مسئلہ اجمالاً مذکور ہے۔

اب ذیل میں فاروقی دور کے متعلق ان روایات کو ایک ترتیب سے درج کیا جاتا ہے جن میں رکعات تراویح کی تعداد کے متعلق تفصیل دستیاب ہوتی ہے۔

چنانچہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے الموطاء میں مسئلہ ہذا ذیل روایت میں ذکر کیا ہے۔

..... حدثنا مالك عن يزيد بن رومان انه قال كان

[Website: DifaAhleSunnat.com]

الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعه۔

(۱) الموطاء الامام مالک" ص۴۰، طبع مجتبائی، دہلی، باب ما جاء فی قیام رمضان۔

(۲) کتاب التمہید لابن عبدالبر، ص۱۱۵ ج۸، جلد ثامن، طبع جدید مراکش۔

ابو عبداللہ محمد بن نصر المروزی نے اپنی تصنیف "قیام اللیل" میں مندرجہ ذیل عبارت میں یہی مسئلہ تحریر کیا ہے:

..... عن یزید بن رومان کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعه۔

(قیام اللیل و قیام رمضان و کتاب الوتر ص۱۵۷، طبع المکتبۃ الاثریۃ)

اور علامہ البیہقی نے اپنی تصنیف السنن الکبریٰ میں یزید بن رومان سے مذکورہ بالا روایت بالفاظہ اسی طرح درج کی ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۴۹۶، جلد ثانی باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان، طبع دکن)

ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ عہدِ فاروقی میں لوگ تیئیس (۲۳) رکعات نماز رمضان المبارک میں ادا کرتے تھے۔

مذکورہ روایات اگرچہ مرسل ہیں مگران کے متعلق کبار علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ

رواہ مالک واسنادہ مرسل قوی۔ یعنی اگرچہ یہ روایت مرسل ہے لیکن یہ مرسل قوی ہے، ضعیف نہیں ہے۔

(آثار السنن للشیخ محمد بن علی النیموی ص۵۵، ج۲)

اور مرسلات امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے لیے عام ضابطہ علماء نے لکھا ہے کہ وہ اہلِ فن کے نزدیک صحیح اور مقبول و قابلِ عمل ہیں، ملاحظہ ہو۔

(کتاب توضیح و تلویح، الرکن الثانی، فصل فی الانقطاع)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

چنانچہ سابقہ ہر سہ روایات سے یہ چیز ثابت ہوئی کہ عہد فاروقی میں رمضان شریف میں تئیس (۲۳) رکعات نماز تراویح جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی تھی اور اہلِ علم حضرات پر واضح ہے کہ ان میں بیس رکعات صلوٰۃ تراویح تھیں اور تین رکعات وتر کی نماز کے لیے تھیں۔

اب ہم اس کے بعد عام دوستوں کے لیے بیس عدد رکعات کی مزید وضاحت ثابت کرنے کی خاطر چند روایات پیش کرتے ہیں، ان میں مسئلہ ہذا کی پوری صراحت مروی ہے۔ اس میں کسی تشریح اور تاویل کی حاجت ہی نہیں اور محدثین کے نزدیک روایات درست ہیں اور قابلِ قبول ہیں۔

(۱) ابن ابی شیبہ نے اپنی تالیف "المصنف" میں ذکر کیا ہے کہ

..... حدثنا وکیع عن مالک بن انس عن یحیی بن سعیدان عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی بهم عشرین رکعه۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۹۳، جلد ۲، باب کم یصلی فی رمضان من رکعہ، طبع دکن)

(۲) محمد بن نصر المروزی نے اپنی کتاب "قیام اللیل" میں لکھا ہے کہ

..... قال محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعه یطیلون فیها القراه ویوترون بثلاث۔

(قیام اللیل وقیام رمضان از محمد بن نصر المروزی ص ۹۵۷ طبع المکتبہ الاثریہ)

(۳) عن سائب بن یزید ایضا انهم کانو یقومون فی رمضان بعشرین رکعه و یقراون بامئین من القرآن... فی زمان عمر بن الخطاب۔

(قیام اللیل وقیام رمضان محمد بن نصر المروزی ص ۹۵۷ طبع مکتبہ الاثریہ)

(۴) اور علامہ البیہقی نے السنن الکبریٰ میں درج کیا ہے کہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

.....عن یزید بن خصیفہ عن سائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعہ وکانوا یقراون بالمئین--- الخ-

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۴۹۶، جلد ثانی، باب ماروئ فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان)

فائدہ

علامہ بیہقی کی اس روایت کے متعلق کبار علماء نے تصریح کی ہے کہ

قال النواوی فی الخلاصہ اسنادہ صحیح-

(فتح القدیر شرح ہدایہ ص۳۳۴، ج۱ فصل فی قیام رمضان طبع مصر معہ عنایہ، حاشیہ مشکوۃ شریف ص۱۱۵، باب قیام شہر رمضان، الفصل الثالث)

○ اور شیخ النیموی نے آثار السنن ص۵۳ تا۵۵، جلد ثانی میں لکھا ہے کہ

.....رواہ البیہقی واسناد صحیح-

حاصل یہ ہے کہ علمائے فن نے مذکورہ البیہقی کی روایت عشرین رکعت والی کو اسناداً صحیح قرار دیا ہے- (ضعیف نہیں ہے)

خلاصہ

مندرجہ بالا ہر چہار عدد روایات کا مفہوم یہ ہے کہ

حضرت امیرالمومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اہل اسلام تراویح کی نماز باجماعت بیس (۲۰) رکعات ادا کرتے تھے اور وتر تین رکعات میں پڑھتے تھے-

اور اقتداء کرنے والوں میں ہاشمی حضرات سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدنا عباس بن

[Website: DifaAhleSunnat.com]

عبدالمطلب وغیرہما کے علاوہ دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل اور شریک ہوتے تھے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مستقل امام مقرر کیے ہوئے تھے۔ ان کو نماز تراویح پڑھانے کے لیے ارشاد فرماتے تھے (اور وہ بیس (۲۰) رکعات نماز تراویح پڑھاتے تھے)

تائید

مسئلہ مندرجہ بالا کی تائید میں کبار علماء کی طرف سے چند کلمات درج کرنا مفید ہیں، وہ ملاحظہ فرمائیں۔

فتاویٰ ابن تیمیہ میں تحریر ہے کہ

... فانه قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعه فی قیام رمضان ویوتر بثلاث۔ فرای کثیر من العلماان ذالک هوالسنه لانه اقامه بین المهاجرین والانصارولم ینکره منکر۔

یعنی بے شمار علماء کی یہ رائے ہے کہ (بیس (۲۰) رکعت نماز تراویح ادا کرنا) سُنّت ہے (بدعت نہیں) کیونکہ یہ عمل مہاجرین و انصار کے درمیان قائم ہوا اور کسی نے اس فعل پر انکار نہیں کیا۔ (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۱۲، جلد ۲۳، تحت ابحاث القنوت)

مختصر یہ ہے کہ یہ "اجتماعی عمل" خلافت راشدہ کے دور میں منعقد ہوا اور کسی مشہور صحابی کی طرف سے اس کے بدعت ہونے پر اعتراض و انکار نہیں پایا گیا۔ فلہذا یہ عمل صحیح ہے، خلاف سُنّت نہیں ہے۔

اسی طرح علامہ السیوطی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف "الحاوی الفتاویٰ" میں لکھتے ہیں کہ

... وفی الموطاء وابی ابن

یعنی الموطاء لامام مالک " المصنف

[Website: DifaAhleSunnat.com]

شیبہ والبیھقی عن عمر رضی اللہ عنہ جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بھم فی شھر رمضان عشرین رکعتہ۔ (الحاوی للفتاوی ص ۵۴، ج اول، کتاب الصلوۃ باب التراویح)

لابن ابی شیبہ اور السنن الکبریٰ للبیہقی تینوں کتب حدیث میں درج ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں لوگوں کو جمع کیا۔ پس وہ رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس رکعات نماز (تراویح) پڑھاتے تھے۔

اور اس مقام میں حافظ الذہبیؒ نے مزید ایک بات یہ ذکر کی ہے کہ عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں ایک انصاری بزرگ معاذ بن الحارث القاری بھی نماز تراویح پڑھاتے تھے۔ ان کی کنیت ابو حکیمہ تھی اور عند البعض ابو حلیمہ تھی۔

..... ابو حکیمہ معاذ بن الحارث القاری الانصاری الذی اقامہ عمر یصلی بالناس التراویح۔

(تاریخ الاسلام للذہبی ص ۳۵۸، جلد ثانی، تحت قصہ الحرہ طبع مصر)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے عہد میں تراویح کے لیے متعدد امام تھے۔ ایک ابی بن کعب، دوسرے معاذ بن الحارث الانصاری وغیرہ تھے۔ یہ حضرات فاروقی ہدایات کے مطابق تراویح کی امامت کراتے تھے۔

اس مقام میں یہ ذکر کرنا نیز مفید ہے کہ عہد فاروقی میں تراویح کے لیے ایک تیسرے امام کا ذکر بھی محدثین نے کیا ہے اور وہ حضرت تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بعض اوقات یہ بھی امام ہوتے تھے۔

فائدہ

تائیدات ہذا کے ذریعے واضح ہوگیا کہ عہد فاروقی والی روایات مذکورہ صحیح

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ہیں، ان کو امت کے جمہور اکابر علماء نے اپنے اپنے مقام پر درست تسلیم کیا ہے۔

ایک دیگر شبہ کا ازالہ

بعض روایات حدیث میں مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمضان المبارک میں گیارہ رکعت نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ تو یہ روایت ان روایات کے برخلاف ہوئی جو گزشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہیں اور ان میں بظاہر تعارض پایا جاتا ہے۔

اس شبہ کے ازالہ کے لیے تحریر کیا جاتا ہے کہ

روایات میں تعارض و تخالف کے لیے زمانہ واحد ہونا شرط ہے اور ان روایات میں زمانہ واحد نہیں بلکہ ان میں تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے۔

بصورت دیگر اگر اس بات سے صرف نظر کر لی جائے تاہم محدثین نے ان کے درمیان تطبیق کی صورت اس طرح بیان کی ہے کہ

بحوالہ البیہقی علامہ الزیلعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

قال البیھقی ویجمع بین الروایتین بانھم قاموا باحدی عشرہ رکعہ ثم قاموا العشرین واوتروا بثلاث۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، ص۴۹۶، ثانی باب، فی عدد رکعات قیام شھر رمضان، نصب الرایہ الزیلعی ص۱۵۳، جلد ثانی، فصل فی قیام رمضان، طبع مجلس علمی)

(۳) ..... وفی الموطاء روایہ باحدی عشرہ وجمع بینھما بانہ وقع اولا ثم استقر الامر علی عشرین فانہ المتوارث۔

(مرقات شرح مشکوۃ ص۹۹۴ ج۳ الفصل الثالث، باب قیام شہر رمضان، تحت روایت علن الاعرج، طبع ملتان)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

مطلب یہ ہے کہ ان ہردو روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ پہلے پہلے گیارہ رکعات ادا کرنی شروع کی تھیں، لیکن بعد میں بیس رکعات پڑھنے پر اتفاق و استقرار ہوا، پھر جمہور صحابہ کرام اور تابعین میں یہی عمل متوارث چلا آ رہا ہے (اور وتر تین رکعات ادا کرتے تھے)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

عہدِ عثمانی میں تراویح کا اہتمام

سابقہ صفحات میں عہد فاروقی (جو قریباً ساڑھے دس سال کے عرصہ پر محیط تھا) میں مسئلہ تراویح کا عمل مختصراً بیان کیا ہے۔ اب عہد عثمانی (جو قریباً بارہ دن کم بارہ سال ہے) میں تراویح کے متعلق جو نظم قائم تھا اس کو بالاختصار پیش کیا جاتا ہے:

(۱) خلافت عثمانی کے دور میں علماء نے لکھا ہے کہ بعض دفعہ خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوافل (تراویح) کی جماعت کراتے تھے۔

چنانچہ قتادہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک بار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں بیس راتیں (تراویح) کی امامت کرائی اور نماز پڑھائی پھر (بقایا راتوں میں) رک گئے اور تشریف نہیں لائے۔

بعض لوگ کہنے لگے کہ حضرت موصوف اپنی عبادت میں مصروف ہوگئے ہیں، پھر ابو حلیمہ معاذ القاری نے لوگوں کی امامت کرائی اور ابو حلیمہ القاری نماز میں دعائے قنوت (نازلہ) پڑھتے تھے۔

... قتادہ عن الحسن امنا علی بن ابی طالب فی زمن عثمان عشرین لیلہ ثم احتبس فقال بعضهم قد تفرغ لنفسه ثم امهم ابو حلیمه معاذ القاری فکان یقنت۔

(کتاب قیام اللیل و قیام رمضان ص۹۵۵ باب صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعۃ لیلا--- الخ)

(۲) اس طرح عہد عثمانی میں تراویح ادا کرنے کا اہتمام کیا جاتا تھا اور بعض ائمہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

حضرات اس نماز میں طویل قرات کرتے تھے اور جن سورتوں میں سو سو آیات ہیں، وہ سورتیں تلاوت تراویح میں پڑھتے تھے، پھر اس صورت حال کی وجہ سے بعض کمزور حضرات اپنے ضعف کی بنا پر لاٹھیوں پر (سہارا) لینے پر مجبور ہو جاتے۔ البیہقی نے السنن میں یہ چیز بیان کی ہے:

..... قال (السائب بن یزید) وکانو یقراون بالمئین وکانو یتوکئون علی عصیتھم فی عھد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدہ القیام۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، ص۴۹۶، ج۲ باب ماروئ فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان، مرقات شرح مشکوٰۃ لعلی القاری، ص۱۹۲، ج۳ باب قیام شہر رمضان، الفصل الثالث، طبع ملتان، آثار السنن للشیخ محمد بن علی النیموی ص۳۳، ۵۵، باب التراویح عشرین رکعۃ)

خواتین کا شمول

(۳) تراویح ادا کرنے کا اجتماعی معمول مردوں میں عہد فاروقی سے جاری تھا۔ اسی طرح عہد خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں ہی خواتین کے لیے ایک صاحب تابعی (سلیمان بن ابی حشمہ) کو امام مقرر کیا گیا۔ یہ بزرگ خواتین کو مسجد کے ایک طرف چبوترہ پر نماز تراویح پڑھاتے تھے (اور وہیں پردہ کا انتظام کر لیا جاتا تھا)

پھر جب عہد عثمانی آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کے مطابق مردوں اور عورتوں کو ایک قاری (سلیمان بن ابی حشمہ) کی اقتدا میں جمع کر دیا گیا (اور یہ بھی باپردہ انتظام تھا)--- جب نماز ختم ہوتی تو خواتین کو مسجد سے خارج ہونے سے روک دیا جاتا حتیٰ کہ تمام مرد پہلے جاتے تھے، پھر اس کے بعد خواتین کو مسجد سے نکلنے کی اجازت ہوتی تھی۔ اس چیز کی تفصیل طبقات ابن سعد کی درج ذیل روایت میں موجود ہے:

[Website: DifaAhleSunnat.com]

..... ان ابی بن کعب و تمیما الداری کانا یقومان فی مقام النبی علیہ السلام یصلیان بالرجال وان سلیمان بن ابی حثمہ کان یقوم بالنساء فی رحبہ المسجد فلما کان عثمان بن عفان جمع الرجال والنساء علی قاری واحد سلیمان بن حثمہ وکان یامر بالنساء فیحسن حتی یمضی الرجال ثم یرسلن۔

(۱) طبقات ابن سعد ص۱۷۹ ج۵، تحت سلیمان بن ابی حثمۃ، طبع لیدن۔

(۲) مرقات شرح مشکوۃ لعلی القاری ص۱۹۳ ج۳، باب قیام شہر رمضان، الفصل الثالث، طبع ملتان۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ

تراویح ادا کرنے کا "اجتماعی عمل" خلافت عثمانی میں بھی جاری تھا اور بعض دفعہ اکابرین میں سے خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ نفس نفیس تراویح کی امامت فرمایا کرتے تھے اور بیس رکعات ادا کرتے تھے اور مرد و زن اس اجتماعی عمل میں شامل ہوتے تھے اور دیگر ائمہ بھی بالالتزام ایک نظم کے مطابق نماز ہذا پڑھایا کرتے تھے۔ اس طریقہ کو کسی مشہور صحابی نے بدعت نہیں کہا اور اس پر نکیر نہیں فرمائی۔

عہدِ مرتضوی رضی اللہ عنہ میں تراویح کا انتظام

دور عثمانی کے بعد عہد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (جو قریباً چار سال نو ماہ کے عرصہ پر مشتمل تھا) اس میں بھی نماز تراویح کا باقاعدہ اہتمام ہوتا تھا۔

محدثین اور کبار علماء نے اس مسئلہ کی تفصیلات نقل کی ہیں۔ ذیل میں چند ایک حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں مسئلہ تراویح کے متعلق وضاحت دستیاب ہوتی ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ائمہ اور شاگردوں کو نماز تراویح کی ادائیگی کے لیے ہدایات جاری فرماتے تھے۔

(۱) چنانچہ ابوالحسناء ذکر کرتے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ارشاد فرمایا کہ رمضان شریف میں بیس رکعات نماز تراویح لوگوں کو پڑھائیں۔

......حدثنا وکیع عن حسن بن صالح عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء ان علیا امر رجلا یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعه۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۹۳، ج ۲، تحت باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ، کتاب التمہید لابن عبدالبر ص ۹۱۵ جلد ثامن، تحت بحث ہذا، طبع جدید)

(۲) اسی طرح عرفجہ الثقفی ذکر کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لوگوں کو قیام رمضان کا امر فرمایا کرتے تھے اور مردوں کے لیے ایک امام مقرر فرمایا اور عورتوں (کو نماز پڑھانے) کے لیے مجھے امام مقرر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں خواتین کے لیے نماز (تراویح) کی امامت کروں۔

......عن عمر الثقفی عن عرفجه الثقفی ان علیا کان یامر الناس بالقیام فی شھر رمضان ویجعل الرجال اماما وللنساء امام فقال فامرنی فاممت النساء۔

(المصنف لعبدالرزاق ص ۱۵۲ ج ۴، روایت نمبر ۵۱۲۵، المنتقی للذہبی، ص ۵۴۲، مختصر منہاج السنہ لابن تیمیہ)

(۳) ابو عبدالرحمٰن السلمی نقل کرتے ہیں کہ آپ نے رمضان المبارک میں قاریوں کو بلوایا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ بیس رکعات نماز (تراویح) لوگوں کو پڑھائیں اور خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو وتر پڑھاتے تھے۔

...عن عطا بن السائب عن ابی عبدالرحمن السلمی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

عن علی رضی اللہ عنہ قال دعا القراء فی رمضان فامر منھم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعہ وکان علی رضی اللہ عنہ یوتر بھم - وروی ذالک من وجہ آخر من علی -

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی ص۴۹۶، ۴۹۷، جلد۲، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان، طبع حیدر آباد، المنتقی للذہبی ص۴۲، طبع مصر)

اب ذیل میں ان روایات کو پیش کیا جاتا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ کے بلاواسطہ شاگردوں سے مروی ہیں اور ان میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کا "دائمی عمل" ذکر کیا گیا ہے۔

یہ وہ عمل ہے جو انہوں نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے مطابق ہمیشہ سرانجام دیا۔ اور ان کے اس طریقہ کار پر اس دور میں کسی نے خلاف سنت ہونے کا اعتراض وارد نہیں کیا۔

تنبیہہ

ہماری کتاب سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں فقہی مسائل کی بحث میں بھی یہ مسئلہ درج ہوچکا ہے۔

(۱) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور شاگرد سوید بن غفلہ ہیں۔ یہ کبار تابعین میں سے ثقہ شخصیت ہیں اور ان کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ جس روز جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفن ہوا، اسی روز یہ صاحب مدینہ منورہ پہنچے تھے۔

ان کے شاگرد ابوالخصیب کہتے ہیں کہ جناب سوید بن غفلہ رمضان المبارک میں ہمیں تراویح کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور وہ نماز پانچ ترویحوں کے ساتھ تمام کرتے تھے (اور ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھنے کو ترویحہ کہا جاتا ہے) اس صورت میں تراویح بیس رکعت میں ادا ہوتی ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

...انباء ابوالخصیب قال کان یئومنا سوید بن غفلہ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعہ۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۴۹۶، ج۲، باب ماروی فی عدد رکعات لقیام فی شہر رمضان)

(۲) اسی طرح علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد شتیر بن شکل ذکر کرتے ہیں کہ وہ رمضان شریف میں بیس رکعات کے ساتھ لوگوں کی امامت کرتے تھے اور تین رکعات کے ساتھ وتر پڑھایا کرتے تھے۔

......رویناعن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی رضی اللہ عنہ انہ کان یومھم فی شھر رمضان بعشرین رکعہ ویوتر بثلاث۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۴۹۶، ج۲، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان)

حاصل کلام

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں نماز تراویح کے متعلق جو اہتمام اور انتظام ہوتا تھا اور ان کے شاگرد حضرات جس طریق کار پر ہمیشہ کاربند رہتے تھے، اس کا ایک مختصر سا نمونہ مندرجات بالا میں ذکر کر دیا ہے۔

یہاں سے یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں اور ان کے شاگردوں کے دور میں نماز تراویح اجتماعی طور پر بیس رکعات کے ساتھ اور وتر تین رکعات کے ساتھ باجماعت ادا کی جاتے تھے اور ان کے اس "اجتماعی عمل" پر اہل اسلام کاربند تھے۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں نہ تو تراویح کو ترک کیا گیا اور نہ ہی اس کی بیس رکعات تعداد میں کمی کی گئی۔

گزشتہ سطور میں خلافت راشدہ کے تین ادوار عہد فاروقی، عہد عثمانی، عہد علوی میں تراویح ادا کرنے کی کیفیت مختصراً ذکر کی گئی ہے بصورت کم و بیش پچیس

[Website: DifaAhleSunnat.com]

برس پر مشتمل ہے۔ اس تمام مدت میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کبار تابعین کا "دوامی عمل" بیس رکعات ادا کرنے کا پایا جاتا ہے۔

پھر اس دور میں صحابہ یا تابعین میں سے کسی نامور شخصیت نے اس معمول پر بدعت ہونے شبہ نہیں پیدا کیا اور اس عمل کو خلاف سُنّت قرار دے کر متروک نہیں کیا۔ فلهذا تراویح کے مسئلہ پر تمام ادوار میں اہلِ اسلام کا تعامل گمراہی پر اجماع نہیں ہے اور نہ ہی یہ بدعت ہے بلکہ مسنون طریقہ کے موافق ہے۔

بفرمانِ رسالت

خلفاء راشدین کی اتباع کی تاکید

اب ہم بیس رکعات نماز تراویح کے اجتماعی عمل کے صحیح ہونے کو ایک دیگر طریقہ سے پیش کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں فرمان نبوت سے تائید حاصل کرتے ہیں۔

وہ اس طرح ہے کہ جناب سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو ارشاد فرمایا ہے کہ لوگو! میری سنت اور طریقہ کو لازم پکڑو اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سُنّت کو مضبوطی سے پکڑو، ان کی پیروی کرو اور ان کے طریقہ پر خوب جے رہو۔۔۔ الخ۔

اس فرمانِ رسالت کو متعدد محدثین نے اپنے اپنے اسناد کے ساتھ اپنی تالیفات میں درج کیا ہے اور اہلِ علم حضرات ان مقامات سے بخوبی واقف ہیں لیکن عام دوستوں کے اطمینان کی خاطر مذکورہ روایات کو ہم کتب احادیث سے نقل کرتے ہیں۔

(۱) چنانچہ مشہور محدث محمد بن نصر المروزی (المتوفی ۲۹۴ھ) نے "کتاب السنہ" میں بالفاظ ذیل یہ روایت ذکر کی ہے۔

"عن عرباض بن ساریہ الفزاری وکان من الباکین

[Website: DifaAhleSunnat.com]

قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاہ الغداہ- فاقبل علینا فوعظنا موعظہ بلیغہ... فانہ من یعیش منکم فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنہ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی... الخ-

(کتاب السنہ لمحمد بن نصر المروزی ص ۲۱ مطبوعہ ریاض، سعودی عرب)

(۲) درسی کتاب مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت بہ عبارت ذیل درج ہے:

...عن عرباض بن ساریہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم ثم اقبل علینا بوجھہ... فعلیکم بسنتی وسنہ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ... الخ رواہ احمد و ابوداود والترمذی وابن ماجہ-

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۹-۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ، الفصل الثانی، طبع نور محمد، دہلی)

مذکورہ بالا روایت مضمون ہذا کے ساتھ مقامات ذیل میں بھی مروی ہے، ملاحظہ فرمائیں-

(۳) السنن للدارمی ص ۲۶ باب اتباع السنہ، طبع نظامی کانپوری-

(۴) المستدرک للحاکم ص ۹۶، جلد اول کتاب العلم، طبع اول، دکن-

(۵) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۱۴ جلد عاشر، طبع اول، دکن-

(۶) موارد الظمان الی زوائد ابن حبان لنور الدین الہیثمی ص ۵۶ روایت نمبر ۱۰۲ تحت کتاب العلم باب اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم-

مندرجہ روایات کا خلاصہ اور مفہوم وہی ہے جو سطورِ بالا میں تحریر کر دیا گیا ہے، یعنی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں دیگر امور کے علاوہ یہ فرمان دیا کہ میرے بعد اختلافات دیکھے جائیں گے تو اس وقت تم پر لازم ہے کہ میری سُنّت پر عمل کرو اور میرے بعد خلفاء راشدین کے طریقے کے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ساتھ تمسک کرو اور دانتوں کے ساتھ اسے مضبوطی سے پکڑو اور ترک نہ کرو۔ (یعنی سختی کے ساتھ اس پر کاربند رہو)

پھر اس کے بعد مزید برآں حضرات شیخین (سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کی اتباع و اقتدا کے متعلق خصوصی ارشادات نبوت بھی پائے جاتے ہیں اور وہ روایات عند المحدثین صحیح ہیں۔

ان میں سے چند ایک مرویات ذیل میں بغور ملاحظہ فرمائیں:

عن حذیفہ قال کنا جلوسا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم اقتدوا بالذین من بعدی وارشار الی ابی بکر و عمر... الخ۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ص ۵۶۹، ج ۱۴ روایت نمبر ۱۸۸۹۵ کتاب المغازی، طبع کراچی)

(۲) اور ترمذی شریف میں یہ روایت بہ عبارت ذیل مذکور ہے:

... عن حذیفہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔

(ترمذی شریف ص ۲۰۷، جلد ثانی، باب مناقب ابی بکر الصدیق، طبع مجتبائی دہلی)

(۳) جامع مسانید الامام الاعظم ص ۲۲۶، جلد اول، للقاضی ابو المؤید الخوارزمی، طبع دکن۔

مذکورہ بالا روایت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی تھی، اب ذیل میں اسی مضمون کی روایت جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی جاتی ہے:

... عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعد ابوبکر و عمر۔

(المسند الامام ابی حنیفہ ص ۱۷۲، باب الفضائل والشمائل، طبع، عقود الجواہر المنیفہ ص ۳۱، جلد اول، بیان الخبر الدال علی تقدیم ابی بکر علی وغیرہ)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

روایات مذکورہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ جناب حذیفہ بن الیمان اور جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں حضرات ذکر کرتے ہیں کہ جناب سردار دوعالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر و عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتدا و اتباع کرنا... الخ۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان فرمودات رسالت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے خلفاء راشدین اور خصوصاً شیخین حضرات حضرت ابوبکر الصدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع و تابعداری کرنے کے متعلق تاکیدی حکم موجود ہے۔

اور ان میں سے تینوں خلفاء راشدین بیس رکعات نماز تراویح باجماعت ادا کرتے رہے ہیں اور ان کی ہدایات کے تحت ان کے عہد میں اس طریقہ پر دواماً عمل ہوتا رہا ہے۔

فلہٰذا مسئلہ ہذا میں ان خلفاء حضرات کی اقتدا کرنا بفرمانِ نبوت لازم ہے اور یہ طریقہ شریعت محمدی کے عین مطابق ہے اور خلاف سنت نہیں ہے بلکہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے فرمان کی صحیح اطاعت ہے۔

مشاہیر صحابہ کرامؓ کا تعامل

سابقہ سطور میں تراویح کے متعلق خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا طریق کار بالاختصار ذکر کیا گیا ہے۔ اب مسئلہ تراویح کے متعلق مزید چند ایک اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دوامی عمل ذکر کیا جاتا ہے، جس سے تراویح کی بیس رکعات کا مسئلہ واضح ہوتا ہے۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا عمل

محدثین نے لکھا ہے کہ جناب ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں لوگوں کو رمضان شریف میں بیس رکعات نماز تراویح پڑھایا کرتے تھے اور وتر تین

[Website: DifaAhleSunnat.com]

رکعت میں ادا کرتے تھے۔ روایت کے الفاظ سے یہ ان کا دوامی معمول واضح ہوتا ہے، چنانچہ ابن ابی شیبہ ذکر کرتے ہیں کہ

... کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینہ عشرین رکعہ ویوتر بثلاث۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۹۳، طبع حیدر آباد دکن، باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

روایت ہذا سے معلوم ہوا کہ مدینہ شریف میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ رمضان شریف میں بیس رکعات (نماز تراویح) اور تین رکعات میں وتر ادا کیا کرتے تھے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا معمول

اس کے بعد جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تراویح کے متعلق طریق کار ذکر کیا جاتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ صحابی ہیں جن کے متعلق محدثین نے لکھا ہے کہ

...وکان اقرب الناس دلا وسمتا وھدیا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۴، الفصل الاول، جامع المناقب، بحوالہ بخاری)

یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ باعتبار طریقہ، میانہ روی اور حسن سیرت کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ قریب تھے۔

نیز جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمانِ نبوت یہ بھی ہے کہ

...وتمسکوا بعھد ابن مسعود۔

یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے عہد اور وصیت کے ساتھ تمسک کرو۔

(ترمذی شریف ص ۵۴۲، تحت باب المناقب، مناقب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، طبع قدیم لکھنؤ)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ان فرمودات کی روشنی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اتباع سنت کے سلسلہ میں مقام و مرتبہ واضح ہوگیا اور سیرت نبوی کے ساتھ ان کا شغف ظاہر ہوا۔

مسئلہ تراویح کے سلسلہ میں محدثین نے جناب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق تحریر کیا ہے کہ

...کان عبداللہ بن مسعود یصلی عشرین رکعہ ویوتر بثلاث...الخ (قیام اللیل وقیام رمضان للمروزی ص ۱۵۷، ۱۵۸، طبع مکتبہ اثریہ، شیخوپورہ)

یعنی جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیس رکعات (تراویح) پڑھتے تھے اور وتر تین رکعات میں ادا کرتے تھے، یہ ان کا دائمی معمول تھا۔

روایات ہذا کے ذریعے یہ چیز عیاں ہوگئی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بیس رکعات تراویح ادا کرنے کا عمل جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محفوظ تھا اسی لیے آنموصوف اس کا التزام کیے ہوئے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ کا شرعی مسائل میں طریق کار

جناب عبداللہ بن عباس ہاشمی رضی اللہ تعالیٰ سے جب کوئی شخص مسئلہ دریافت کرتا تو اس کا حکم اگر کتاب اللہ میں موجود ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہیں ہے اور سنت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پایا جاتا تو سنت نبوی کے مطابق قول کرتے۔ اور اگر وہ مسئلہ نہ تو کتاب اللہ میں ہوتا اور نہ ہی سنت نبوت میں پایا جاتا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمودات میں پایا جاتا تو آنموصوف ان حضرات کے قول کے مطابق عمل کرتے۔ اور اگر مذکورہ بالا تینوں صورتیں موجود نہ ہوتیں تو پھر اپنی مجتہدانہ رائے پر عمل کرتے تھے۔

.....عن عبداللہ بن ابی یزید قال سمعت عبداللہ بن

[Website: DifaAhleSunnat.com]

عباس رضی اللہ عنہما انا سئل عن شیی ھو فی کتاب اللہ قال بہ وان لم یکن فی کتاب اللہ وقالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بہ وان لم یکن فی کتاب اللہ ولم یقلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقالہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما قال بہ والا اجتھد رایہ۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۱۱۵ ج۱۰ کتاب آداب القاضی، طبع قدیم، دکن)

روایت بالا کا روشنی میں معلوم ہوا کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیس رکعات نماز تراویح کے قائل تھے اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا یہ فیصلہ شدہ عمل ہے کہ بیس رکعات نماز تراویح باجماعت پڑھی جاتی تھی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق عمل کرتے اور اس کو حجت شرعی سمجھتے تھے۔

فلہذا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی بیس رکعات تراویح یا جماعت کا قول کرتے اور اسے صحیح عمل قرار دیتے تھے، اس لیے کہ یہ مسئلہ فاروقی عہد کا فیصلہ شدہ امر ہے جس کو وہ حجت سمجھتے تھے۔

تنبیہہ

سابقہ صفحات یعنی عہد نبوت کی مرویات میں جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات تراویح کی مرفوع روایت نقل کی گئی ہے، اس روایت کے بعض رواۃ پر اگرچہ کلام پائی گئی ہے لیکن دیگر قرائن کے ساتھ موید ہے اور وہ اپنے مقام پر درست ہے۔ اب اکابر صحابہ کرام کے تعامل اور ان کے طریقہ کار کے سلسلہ میں یہ علامہ البیہقی کی روایت ذکر کی ہے اور اس سے جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کے ذریعہ مسئلہ تراویح بیس رکعات ادا کرنے کی تائید حاصل کرنا مقصود ہے اور اسی ضرورت کے تحت یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

امہات المومنینؓ کا طرزِ عمل

اکابر محدثین اور فقہاء نے اپنی معروف تالیفات میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تراویح کے متعلق یہ صورت اختیار کرتی تھیں کہ آنموصوفہ رضی اللہ عنہا رمضان المبارک میں خواتین کو نوافل کی امامت کرایا کرتی تھیں اور ادائیگی نماز کی یہ صورت ہوتی تھی کہ آں محترمہ رضی اللہ عنہا صف کے وسط میں (تھوڑا آگے) کھڑے ہو کر تراویح کی نماز پڑھاتی تھیں۔ یہی مسئلہ اکابر فقہاء کی ذیل کتب میں مذکور ہے:

..... عن ابی حنیفه عن حماد بن ابراهیم عن عائشه رضی الله عنها انها کانت توم النساء فی رمضان تطوعا وتقوم فی وسط الصف۔

(کتاب الآثار لامام ابی یوسفؒ ص۴۱، روایت نمبر۲۱۲، طبع بیروت، لبنان، کتاب الآثار الامام محمدؒ ص۴۳، باب المراة توم النساء و کیف تجلس فی الصلوة قدیم طبع انوار محمدی، لکھنؤ)

(۲) محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک غلام ذکوان تھا اس کی کنیت ابو عمرو تھی اور وہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حاجب (دربان) بھی تھا۔ اسے آنموصوفہ رضی اللہ عنہا نے فرمان دے رکھا تھا کہ تو میری وفات کے بعد آزاد ہے اور ذکوان ایک خصوصی خدمت یہ بھی بجا لاتا تھا کہ رمضان المبارک میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تراویح پڑھاتا تھا۔

امام مالکؒ نے اپنے موطا میں یہی چیز بہ عبارت ذیل درج کی ہے:

..... مالك بن هشام بن عروه عن ابیه ان ذکوان ابا عمرو وکان عبدا لعائشه زوج النبی صلی الله علیه وسلم فاعتقته عن دبر منها یقوم یقرالها فی رمضان۔

(موطا امام مالکؒ، ص۹۹، طبع کراچی نور محمدی، باب ما جاء فی قیام رمضان)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۳) اور کبار فقہاء نے امہات المومنین کی تراویح کی ادائیگی کے متعلق یہ تصریح کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے غلام ذکوان کی اقتدا میں نماز تراویح ادا کیا کرتی تھیں۔ اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نماز تراویح عورتوں کی جماعت کے ساتھ ادا کرتی تھیں اور ان کی خادمہ ام الحسن البصری جماعت کرایا کرتی تھیں۔

یہی چیز فتاویٰ قاضی خان میں بالفاظ ذیل مذکور ہے:

... واقامها ازواج النبی صلی الله علیه وسلم نحو عائشه وام سلمه رضی الله عنهن خلف ذکوان وام سلمه رضی الله عنها بجماعه النساء امتها مولاتها ام الحسن البصری رضی الله عنها وکانت هی فی صفهن۔

(فتاویٰ قاضی خان علی الہندیہ، ص ۲۱۳، ج اول باب التراویح، طبع قدیم، مصر)

مختصر یہ ہے کہ ازواج مطہرات کا یہ طرز عمل رمضان المبارک میں جاری رہتا تھا اور یہ معمول جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور ہدایت کے تحت تھا، ان کے خلاف ہرگز نہیں تھا۔

گزشتہ اوراق میں ہم نے مسئلہ تراویح کے متعلق مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا دوامی عمل ذکر کیا ہے۔ اور ان حضرات کا کسی شرعی مسئلہ میں اتفاق کر لینا اور اس کو بالاتفاق معمول بنا لینا مستقل "شرعی دلیل" اور "حجت قاطعہ" کا درجہ رکھتا ہے۔

چنانچہ اسی چیز کو کبار علماء نے بطور قاعدہ کے مندرجہ ذیل عبارت میں پیش کیا ہے:

"قاعده" التوارث والتعامل هو معظم الدین۔ یعنی اذا ثبت تعامل الصحابه بامر فهو حجه قاطعه وسنه ثابته۔ لا یمکن دفعها۔

(فیض الباری علی صحیح البخاری للحدیث الکبیر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ص ۲۵۴، ج ۲ طبع مجلس علمی ڈابھیل)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شرعی مسئلے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا توارث اور تعامل پایا جانا یہ دین میں عظیم امر ہے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک معاملہ میں جب تعامل ہو جائے تو وہ حجت قاطعہ ہے اور ثابت شدہ سنت ہے، اس کو رد کرنا ممکن نہیں اور اسے ناقابل عمل نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اجماع سکوتی

پھر یہاں یہ چیز بھی پائی گئی ہے کہ اس دور کی کسی مشہور شخصیت نے بیس رکعات نماز تراویح کے "اجتماعی عمل" پر اعتراض نہیں کیا اور اسے خلاف سنت قرار نہیں دیا۔

پس اس بنا پر اس امر کو "اجماع سکوتی" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور مسئلہ ہذا کے اثبات کے لیے جہاں دیگر دلائل و شواہد پیش کیے جاتے ہیں، وہاں اس دور میں "اجماع سکوتی" بھی اس مسئلہ میں مستقل شاہد کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرات تابعین، تبع تابعین و دیگر کبار علماء کے فرمودات

اس سے پہلے صحابہ کرام کے تراویح کے متعلق معمولات ایک ترتیب سے ذکر کئے ہیں اس کے بعد ذیل میں مشاہیر تابعین اور تبع تابعین کے فرمودات کو اختصاراً پیش کیا جاتا ہے۔

جناب ابراہیم النخعیؒ

جناب ابراہیم النخعی رحمتہ اللہ تعالیٰ کبار تابعین میں سے ہیں اور ان کے مرسلات عند الفقہاء مقبول ہیں اور محدثین اور فقہاء نے ان کا مندرجہ ذیل قول

[Website: DifaAhleSunnat.com]

نقل کیا ہے۔

...عن ابراهيم بن يزيد (النخعي) ان الناس كانوا يصلون خمس ترويحات في رمضان۔

یعنی ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے دور میں اہلِ اسلام رمضان شریف میں پانچ ترویحوں کے ساتھ نماز تراویح ادا کرتے تھے۔

(کتاب الآثار الامام ابی یوسف" ص۴۱، روایت نمبر۲۱۱، طبع بیروت)

اور فقہ کی اصطلاح میں ہر چار رکعات نماز تراویح ادا کرنے کے بعد قلیل وقت کے لیے ٹھہر جانے کو ترویحہ کہا جاتا ہے اور پانچ ترویحہ کی صورت میں بیس رکعات نماز تراویح تمام ہو جاتی ہیں۔

جناب عطاء بن رباحؒ

جناب عطاء بن رباحؒ مشہور تابعی کا قول اکابر محدثین نے بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

..... عن عطاء قال ادركت الناس وهم يصلون ثلاثه وعشرين ركعه بالوتر۔

(المصنف لابنِ ابی شیبہ ص۳۹۳، ج۲، تحت باب کم یصلی فی رمضان من رکعہ، الشیخ النیموی نے آثار السنن ص۵۵، جلد ثانی پر مذکورہ بالا روایت درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اسنادہ حسن" طبع دکن)

یعنی جناب عطاء بن رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اہلِ اسلام کو اس طرح پایا ہے کہ وہ لوگ (رمضان شریف میں) تئیس (۲۳) رکعات نماز تراویح وتروں سمیت ادا کرتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ بیس رکعات نماز تراویح ہوتی تھی اور تین رکعات میں وتر ادا کرتے تھے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

جناب عطاء بن رباح رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے دور کے اہلِ اسلام کا معمول ذکر کیا ہے، ان پر وہ لوگ ہمیشہ سے کاربند چلے آ رہے تھے۔

جناب ابنِ ابی ملکیہؒ

تابعین حضرات میں ایک نامور تابعی جناب عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملکیہ ہیں جو "ابنِ ابی ملکیہ" کی کنیت سے مشہور ہیں۔

محدثین نے ان کا معمول ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

... حدثنا وکیع عن نافع مولی لابن عمر کان ابن ابی ملکیہ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعہ... الخ۔

(المصنف لابن ابی شیبہ ص ۳۹۳، جلد ثانی تحت باب کم یصلی فی رمضان من رکعہ، طبع حیدر آباد، دکن، الشیخ النیموی نے آثار السنن، ص ۵۶، ۵۵، جلد ثانی پر مذکورہ بالا روایت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اسنادہ صحیح")

مطلب یہ ہے کہ ابنِ ابی ملکیہؒ کے شاگرد کہتے ہیں کہ ہمیں آنموصوف رحمتہ اللہ علیہ رمضان شریف میں بیس رکعات (نماز تراویح) پڑھایا کرتے تھے... الخ۔

گویا کہ اس دور کے اکابرین امت کا یہ دوامی معمول اور اجتماعی عمل تھا کہ وہ رمضان المبارک میں بیس رکعات نماز تراویح ادا کیا کرتے تھے۔

علی بن ربیعہ رحمتہ اللہ علیہ

علی بن ربیعہ رحمتہ اللہ علیہ مشہور تابعین میں سے ہیں آنموصوف کے متعلق محدثین نے لکھا ہے کہ وہ رمضان المبارک میں اہل اسلام کو پانچ ترویحوں کے ساتھ نماز تراویح پڑھاتے تھے اور وتر تین کعات کے ساتھ ادا کرتے تھے۔

چنانچہ ابنِ ابی شیبہ نے اس سلسلہ میں درج ذیل روایت درج کی ہے:

... عن سعید بن عبدالرحمان علی بن ربیعہ کان یصلی بھم

[Website: DifaAhleSunnat.com]

فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث۔

(۱) المصنف لابن ابی شیبہ ص۳۹۳، جلد۲ تحت باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ، طبع حیدر آباد، دکن۔

(۲) الشیخ النیموی نے مذکورہ بالا روایت آثار السنن ص۵۶، ج۲ میں درج کی ہے اور روایت کے متعلق لکھا ہے کہ "اسنادہ صحیح۔"

اس مسئلہ میں بہت سے کبار تابعین کے اقوال اور معمولات پائے جاتے ہیں لیکن یہاں اختصار کی بنا پر چند ایک روایات پر اکتفا کیا ہے۔

تنبیہ

سطور بالا میں چند ایک اکابر تابعین کے اقوال اور معمولات ذکر کیے ہیں۔ یہ وہ دور ہے جس کے متعلق ارشادات نبوی ﷺ میں خیرالقرون ہونے کی بشارت پائی جاتی ہے۔ (خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم) پس تابعین کے اس خیر دور میں بیس رکعات تراویح کا ادا کیا جانا عند الشرع صحیح ہے، خلاف سنت اور بدعت ہرگز نہیں۔ اور یہ طریقہ خیر ہی ہے جو خیرالقرون میں پایا گیا ہے۔

اکابر علمائے امت کے بیانات

اب اس کے بعد تراویح کے متعلق کبار محدثین اور مشاہیر علماء کے چند ایک بیانات ہم مختصراً پیش کرتے ہیں--- ان میں بیس رکعات تراویح کا مسئلہ بڑی صراحت کے ساتھ سامنے آئے گا اور اکابرین امت کے نزدیک اس کی اہمیت واضح ہوگی۔

○ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ (نعمان بن ثابت ابوحنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ) سے ان کے شاگرد کبیر امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بار مسئلہ تراویح میں حضرت عمر

[Website: DifaAhleSunnat.com]

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ کار کے متعلق دریافت کیا تو امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ

تراویح کی نماز "سنت موکدہ" ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنی جانب سے تخریج و تجویز نہیں فرمایا اور آنموصوف رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں بدعتی نہیں تھے اور انہوں نے بغیر کسی اصل (یعنی ثبوت شرعی) اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس چیز کا امر نہیں فرمایا۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم نے اپنی تصنیف "البحرالرائق" میں یہ واقعہ کتاب "الاختیار" سے بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

... وذکر فی "الاختیار" ان ابا یوسف رحمه الله علیه سال ابا حنیفه رحمه الله علیه عنها وما فعله عمر فقال التراویح سنه موکده- ولم یتخرجه عمر من تلقاء نفسه- ولم یکن فیه مبتدعا- ولم یامر به الا عن لدیه وعهد من رسول الله صلی الله علیه وسلم-

(۱) البحرالرائق شرح کنز الدقائق لابن نجیم ص۶۶، جلد ثانی تحت بحث تراویح، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

(۲) ردالمحتار لابن عابدین الشامی (حاشیہ در مختار) ص۴۳۶، ج اول تحت بحث تراویح، طبع قدیم، مصر۔

(۳) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ لعبد الرحمٰن الجزیری ص۳۴۱، جلد اول تحت کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ التراویح حکمہا و وقتہا، طبع بیروت، لبنان)

اور امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تالیف جامع ترمذی میں اس مسئلہ پر مندرجہ ذیل عبارت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے:

... واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی و عمر

یعنی امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر اہلِ علم حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ (نماز

[Website: DifaAhleSunnat.com]

وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعه- وهو قول سفیان ثوری، وابن المبارک والشافعی هکذا ادرکت ببلدنا بمکه یصلون عشرین رکعه-

(ترمذی شریف ص۹۹، جلد اول، باب ما جاء فی قیام شهر رمضان، طبع قدیم لکھنؤ)

تراویح) کی بیس رکعات ہیں- یہ چیز حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عمر فاروق اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور جناب سفیان ثوری، ابن المبارک اور امام شافعی (رحمہم اللہ) نے یہی قول کیا ہے اور مزید برآں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں اہلِ اسلام کو بیس رکعات (تراویح) ادا کرتے ہوئے پایا ہے-

○ اور اسی طرح مسئلہ ہذا کو مشہور محدث امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ (الحسین بن مسعود المتوفی ۵۱۶ھ) نے اپنی تالیف "شرح السنہ" میں مذکورہ بالا عبارت کے ساتھ بلفظہ درج کیا ہے:

واما اکثر اهل العلم فعلی عشرین رکعه... یصلون عشرین رکعه-

(شرح السنہ للامام بغویؒ ص۱۲۳، ج۴، تحت بحث روایات تراویح، باب قیام شہر رمضان و فضلہ)

○ ائمہ احناف کے مشہور فقیہ شمس الائمہ السرخسی (ابوبکر محمد بن ابی سہل السرخسی المتوفی ۴۹۰ھ) نے اپنی تصنیف "المبسوط" میں مسئلہ ہذا کو مندرجہ ذیل الفاظ میں واضح کیا ہے:

... والمبتدعه انکروا ارادها بالجماعه فی المسجد فاداء ها بالجماعه جعل شعار للسنه کاداء الفرائض بالجماعه شرع شعار الاسلام-

(کتاب المبسوط لشمس الائمہ السرخسی ص۱۴۵، ج۲، تحت کتاب التراویح الفصل

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ثانی، طبع اول مصر)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ تراویح کو باجماعت مسجد میں ادا کرنے سے بدعتیوں نے انکار کیا تو تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا سنت طریقے کے لیے شعار بنایا گیا۔ جیسا کہ فرائض کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا اسلام کا شعار قرار دیا گیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تراویح کو باجماعت مساجد میں ادا کرنا اکابرین امت کے نزدیک اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ ان کو شعائر دین میں شمار کیا ہے۔

نیز السرخسی نے اس مقام میں یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح کے اجتماعی قیام کے مسئلہ میں منفرد نہیں تھے اور ان کا یہ انفرادی عمل نہیں تھا بلکہ اجلائے صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ تھے۔ خصوصاً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں راضی اور خوش تھے حتیٰ کہ آنموصوف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کے حق میں دعائے خیر کے کلمات فرمائے اور اپنے عہدِ خلافت میں بیس تراویح کی جماعت کا حکم فرما کر اسے قائم کیا۔

وان عمر رضی الله تعالى عنها صلاها بالجماعه مع اجلاء الصحابه فرضى به على رضى الله تعالى عنه حتى دعاله بالخير بعد موته كما ورد وامر به في عهده۔

(المبسوط لشمس الائمہ السرخسی ص ۱۴۵ ج ۲ الفصل الثالث، من کتاب التراویح)

مندرجہ حوالہ سے واضح ہوگیا کہ بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس مسئلہ میں متعاون تھے اور فیصلہ شدہ امر یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی غلط کام اور خلاف شرع بات پر جمع نہیں ہوتے۔ فلہذا بیس رکعات میں تراویح ادا کرنے کا مسئلہ شرع کے موافق ہے اور سنت طریقہ کے مخالف و متعارض نہیں۔

○ اکابر حنفیہ کے مشہور فقیہ علامہ کاشانی (علاء الدین ابوبکر بن مسعود الحنفی متوفی ۵۸۷ھ) نے اپنی تصنیف "البدائع الصنائع" میں یہی مسئلہ بیان کیا ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو جمع کیا اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ان کا امام بنایا۔

..... فصلی بهم کل لیله عشرین رکعه ولم ینکر علیه احد فیکون اجماعا منهم علی ذالک۔

(البدائع والصنائع للکاشانی، ص ۲۸۸، جلد اول، فصل فی مقدار التراویح)

یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان حضرات کو رمضان شریف میں ہر رات بیس رکعات نماز تراویح پڑھاتے تھے اور اس چیز پر کسی ایک صاحب نے بھی انکار نہیں کیا اور منکر نہیں جانا۔

پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے یہ امر اس مسئلہ پر اجماع ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اجماع پایا گیا ہے جسے اجماع سکوتی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور "اجماع" مستقل حجت شرعیہ ہے، فلہذا اس امر کو بدعت کہنا اور خلاف سنت قرار دینا صحیح نہیں۔

○ اور مشہور عالم علامہ محمد بن احمد بن رشد القرطبی متوفی ۵۹۵ھ المعروف لابن رشد المالکی نے اپنی تالیف بدایہ المجتہد میں اس مسئلہ کو اس طرح واضح کیا ہے:

... واختلفوا فی المختار من عدد الرکعات التی یقوم بها الناس فی رمضان فاختار مالک " فی احد قولیه و ابوحنیفه والشافعی واحمد وداود (رحمهم الله تعالی) القیام بعشرین رکعه سوی الوتر۔

یعنی رمضان شریف میں جو نماز (تراویح) ادا کی جاتی ہے اس کی عدد رکعات میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے ایک قول میں اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور محدث داؤد (رحمہم اللہ تعالیٰ) حضرات نے وتر کے بغیر بیس رکعات (تراویح) کو پسند کیا ہے اور اسے راجح قرار دیا ہے۔

(بدایہ المجتہد لابن رشد المالکی ص ۲۱۰، جلد اوّل، الباب الخامس فی قیامِ رمضان)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام ائمہ کرام کے نزدیک تراویح کو بیس رکعات میں ادا کرنا فیصلہ شدہ امر ہے۔

○ اور حنبلی علماء میں علامہ ابن قدامہؒ (ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المتوفی ۶۲۰ھ) ایک مشہور عالمِ دین ہیں۔ انہوں نے اپنی مشہور تصنیف "المغنی" میں مسئلہ تراویح کی وضاحت کرتے ہوئے اکابر ائمہ کا مسلک ذکر کیا ہے۔

..... والمختار عند ابی عبدالله رحمه الله (الامام احمد رحمه الله علیه) فیها عشرون رکعه وبهذا قال الثوری وابوحنیفه والشافعی...الخ

(المغنی لابن قدامہ ص۱۳۸-۱۳۹ الجزء الثانی بحث صلوٰۃ التراویح وعدد رکعاتہا)

یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیس رکعات (نماز تراویح پسندیدہ قول ہے اور امام ثوری رحمتہ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ ان تمام ائمہ کے نزدیک بھی یہی پسندیدہ اور مختار قول ہے۔

مختصر یہ ہے کہ مذکورہ اکابرین امت کے نزدیک نماز تراویح بیس رکعات ہیں اور یہی امران کے ہاں مختار اور پسندیدہ ہے۔

○ مشہور محدث اور فقیہہ علامہ بدر الدین العینی (المتوفی ۸۵۵ھ) شارح بخاری نے بخاری شریف کی شرح میں مسئلہ ہذا کی تشریح بالفاظ ذیل ذکر کی ہے:

... واما القائلون به (عشرین رکعه) من التابعین فشتیر بن شکل، وابن ابی ملیکه والحارث الهمدانی وعطاء بن ابی رباح وابو البختری وسعید بن ابی الحسن البصری اخوا

اس کا مفہوم یہ ہے کہ تابعین حضرات میں سے بیس رکعات نماز تراویح کا قول درج ذیل حضرات نے کیا ہے۔ شتیر بن شکل، ابن ابی ملیکہ، الحارث ہمدانی، عطاء بن رباح، ابوالبختری سعید بن ابی الحسن البصری، اخوالحسن، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عمران العبدی اور ابن عبدالبر نے کہا

[Website: DifaAhleSunnat.com]

الحسن وعبدالرحمن بن ابی بکر وعمران العبدی- وقال ابن عبدالبر وھو قول جمھور العلماء وبه قال الکوفیون والشافعی واکثر فقهاء- وھو الصحیح ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابه-

ہے کہ جمہور علماء کا یہی قول ہے اور فقہائے کوفہ امام شافعیؒ اور اکثر فقہاء نے بیس رکعات نماز تراویح کا قول کیا ہے- اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بغیر اختلاف کے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے یہی صحیح قول منقول ہے یعنی صحابہ میں کوئی معتدبہ اختلاف اس مسئلہ میں نہیں پایا گیا-

(عمدۃ القاری شرح بخاری شریف للعینی ص ۱۲۸۷، ج ۱۱، باب فضل من قیامِ رمضان)

کیا تراویح آٹھ رکعات ہیں؟ ایک سوال پھر اس کا جواب

بعض لوگوں کی طرف سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی درج ذیل روایت اس مسئلہ پر پیش کی جاتی ہے کہ تراویح آٹھ رکعات ہیں، اس سے زیادہ ادا کرنا سنت کے برخلاف ہے-

...عن ابی سلمه بن عبدالرحمن انه سال عائشه کیف کانت صلوه رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان- فقالت ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشره رکعه- یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعا فلا تسئل حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثا فقلت یارسول الله اتنام قبل ان توتر قال یا عائشه ان عینی تنامان ولا ینام قلبی-

(الموطا مالک بن انس رضی اللہ عنہ، ص ۱۰۲-۱۰۳، تحت صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الوتر، طبع نور محمدی، کراچی، مسلم شریف ص ۲۶۵ جلد اوّل، باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، طبع نور محمدی، دہلی، مسند اسحاق بن

[Website: DifaAhleSunnat.com]

راہویہ ص۵۵۵، روایت نمبر۵۸۷، جلد ثانی، طبع المدینہ المنورہ، صحیح حبان ص ۱۳۵ جلد خامس تحت حدیث نمبر۲۶۰۴)

یعنی ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رمضان میں نماز کیسی اور کس طرح ہوتی تھی؟ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھاتے تھے۔ آپ ﷺ چار رکعت ادا فرماتے، ان کے حُسن اور طول کے متعلق کچھ نہ پوچھئے، پھر آپ چار رکعات اور ادا فرماتے۔ ان کے بھی حُسن اور طول کے متعلق کچھ نہ پوچھئے، پھر اس کے بعد تین رکعات ادا فرماتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ وتر ادا کرنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا۔

یہ روایت متعدد محدثین نے ذکر کی ہے جیسا کہ ہم نے اس کے بعض حوالہ جات درج کر دیئے ہیں۔ روایت ہذا اپنے مقام میں صحیح اور درست ہے۔ اوپر ذکر کر دیا ہے کہ اس روایت کے پیش نظر بعض لوگ یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ نماز تراویح کی آٹھ رکعات ادا کرنا سنت ہے اور اس سے زائد (بیس رکعات) ادا کرنا سنت کے برخلاف ہے اور سنت کے برخلاف عمل کرنا ناجائز ہے۔

فلہذا ہمیں صرف آٹھ رکعات سنت تراویح ادا کرنی چاہیے، اس سے زیادہ ادا نہیں کرنی چاہیے۔

الجواب

مذکورہ اعتراض کے جواب میں یہاں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں، ان پر نظر انصاف کرنے سے مسئلہ واضح ہو جائے گا۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

استنباط مسئلہ کے لیے محدثین کے نزدیک طریق کار یہ ہے کہ پیش نظر مسئلہ کے متعلق تمام روایات پر نظر کرتے ہیں اس کے بعد پھر مسئلہ کا استنباط کیا جاتا ہے۔

اس طریق کار کے موافق ہم پہلے یہاں کے مسئلہ کی دیگر روایات کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔

وہ اس طرح ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب کی نماز کے متعلق روایت پائی جاتی ہے۔

... عن عائشه قالت كان رسول الله ﷺ يصلي بالليل ثلاث عشره ركعه- ثم يصلي اذا سمع النداء الصبح بركعتين خفيفتين- (انتھی)

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعات نماز ادا فرماتے تھے۔ جب صبح کی اذان ہوتی تو ہلکی سی دو رکعتیں پھر ادا فرماتے تھے۔

(موطا امام مالک"، ص ۱۰۳ تحت صلوٰۃ النبی ﷺ فی الوتر، طبع کراچی، مسلم شریف ص ۲۵۴-۲۵۵ جلد اول، باب الصلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، طبع دہلی)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دیگر روایات میں اس طرح بھی مذکور ہے کہ

... عن مسروق قال سالت عائشه عن صلوه رسول الله صلى الله عليه وسلم بالليل فقالت سبع وتسع واحدى عشره ركعه سوى ركعتي الفجر- (رواه البخاری)

یعنی مسروق کہتے ہیں کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شب کی نماز کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ فجر کی دو رکعت کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سات، نو اور گیارہ رکعات ادا فرماتے تھے۔

(مشکوۃ شریف ص ۱۰۶ الفصل الاول باب صلوٰۃ اللیل، طبع دہلی، صحیح ابن حبان،

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ص۱۳۶-۱۳۷ جلد خامس، روایت نمبر۲۶۲ فصل قیام اللیل)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب کی نماز سات، نو، گیارہ اور کبھی تیرہ رکعات پر مشتمل ہوتی تھی۔

اسی طرح دیگر صحابہ کرام مثلاً ابن عباس، زید بن خالد الجہنی وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب کی نماز تیرہ رکعات منقول ہے۔ اس سلسلہ میں مقامات ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مسلم شریف ص۲۶۰ جلد اوّل، باب صلوٰۃ النبی ﷺ و دعاء باللیل۔

(۲) مسلم شریف ص۲۶۲ جلد اوّل، باب صلوٰۃ النبی ﷺ و دعاء باللیل۔

(۳) مشکوٰۃ شریف ص۹۰۶ الفصل الاول باب صلوٰۃ اللیل، طبع نور محمدی، دہلی۔

فلہٰذا یہ روایات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گیارہ رکعات والی روایت کے بظاہر متعارض اور مخالف پائی جاتی ہیں۔

یعنی یہ روایات باعتبار عدد رکعات کے اور باعتبار ہیئت ادا کے دونوں باتوں میں حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خلاف ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب کی نماز صرف گیارہ رکعات نہیں ہوتی تھی بلکہ کبھی سات، کبھی نو، کبھی گیارہ اور کبھی تیرہ رکعات پر مشتمل ہوتی تھی جیسا کہ مندرجہ بالا روایات ظاہر کرتی ہیں۔

تو اس صورت حال کے پیش نظر رفع تعارض کے لیے پہلے ہم محدثین سے ان میں تطبیق پیش کریں گے، پھر اس کے بعد روایت ہذا کی دیگر اشیاء بیان کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

تطبیق بین الروایات

اس مقام کی روایات میں تطبیق کے لیے:

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۱) علماء کرام نے اس مسئلہ کی اس طرح توجیہہ درج کی ہے:

..... لعل الاختلاف بحسب اختلاف الاوقات والحالات او طول القراہ وقصرھا او صحۃ و مرض وقوہ وفترہ اولتنبیہ علی سعہ الامر فی ذالک۔

(جمع الوسائل ص۹۱، جلد ثانی، لعلی القاری ؒ، باب ما جاء فی عبادۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، طبع مصر)

یعنی روایات کا یہ اختلاف درج ذیل چیزوں پر محمول ہے:

(۱) اوقات میں اختلاف۔ (۲) حالات میں اختلاف۔ (۳) نماز میں قرأت کے چھوٹے اور لمبے ہونے کا اختلاف۔ (۴) صحت یا بیماری کی حالت کا فرق۔ (۵) طبیعت میں قوت اور سستی کا فرق۔ (۶) نیز اس مسئلہ میں امت پر آسانی اور سہولت کی رعایت کرنا۔

مختصر یہ ہے کہ ان روایات میں اختلاف کو محدثین مندرجہ بالا وجوہ پر محمول کرتے ہیں۔ فلہذا روایات میں رفع تعارض کی یہ صورت صحیح ہے اور ان روایات میں کوئی تخالف و تعارض نہیں رہتا۔

(۲) اور یہاں محدثین نے ایک یہ صورت بھی ذکر کی ہے جس سے رفع تعارض ہو جاتا ہے کہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گیارہ رکعات والی روایت بطور اکثر الاوقات کے ذکر کی گئی ہے یعنی بیشتر اوقات میں اس طرح نماز شب ہوتی تھی لیکن بالدوام بطور قاعدہ کلیہ کے یہ روایت مذکور نہیں ہے۔

چنانچہ اس طرح سے بھی روایات کا تخالف اور تدافع دُور ہو جاتا ہے۔

(۳) اور فن حدیث کے علماء کرام نے یہاں تطبیق و توفیق بین الروایات کے لیے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت مذکورہ کے ناقل ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن ہیں۔ ابو سلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد (قیام اللیل) کے متعلق دریافت کیا تھا کہ رمضان المبارک اور غیر رمضان میں یہ نماز یکساں تھی؟ یا کوئی فرق تھا؟؟ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نماز رمضان وغیرہ رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ عام طور پر نہیں ہوتی تھیں--- الخ۔

معلوم ہونا چاہیے کہ راوی کا یہ سوال صلوٰۃ التراویح کی بہ نسبت نہیں تھا اور نہ ہی موصوفہ رضی اللہ عنہا نے اس سے کچھ بحث کی ہے اور نہ ہی روایت ہذا کے سیاق و سباق میں تراویح کا تذکرہ تک ہے۔

مختصر یہ ہے کہ نہ سائل کے سوال میں نماز تراویح کے متعلق کچھ ذکر ہے اور نہ ہی جواب صدیقہ رضی اللہ عنہا میں--- بلکہ یہ گفتگو صلوٰۃ اللیل یعنی (تہجد) کے بابت ہوئی تھی۔

مذکورہ بالا تشریح کی تائید میں "فتاویٰ عزیزی" کی عبارت پیش کی جاتی ہے۔

جناب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے فتاویٰ عزیزی جلد اوّل ص۱۱۸-۱۱۹ بیان تراویح میں اس کی روایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

..... دلیل بر ایں حمل آنست کہ راوی ایں حدیث ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن است در تتمہ ایں روایت میگوید کہ قالت عائشہ فقلت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنام قبل ان توتر؟ قال یاعائشہ ان عینی تنامان ولا تنام قلبی۔ کذا رواہ البخاری والمسلم۔

وظاہر است کہ نوم قبل از وتر در نماز تہجد مقصود می شود نہ در غیر آں۔ و روایات زیادت محمول بر نماز تراویح است کہ در عرف آں وقت، بہ قیام رمضان معبر بود۔

(فتاویٰ عزیزی ص۱۱۹ جلد اوّل، در بیان تراویح، طبع مجتبائی دہلی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[Website: DifaAhleSunnat.com]

سے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ وتر ادا کرنے سے قبل سو جاتے ہیں؟ تو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! میری آنکھیں سوتی ہیں، لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ شارحین حدیث کہتے ہیں کہ ظاہر بات ہے کہ وتر ادا کرنے سے پہلے سو جانا تہجد کی نماز میں متصور ہو سکتا ہے لیکن اس کے ماسوا نمازوں میں متصور نہیں۔

اور اس عدد سے زیادہ نماز ادا کرنے کی روایات تراویح پر محمول ہیں جن کو اس وقت قیام رمضان سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا تعلق نماز تہجد کے ساتھ ہے، نماز تراویح کے ساتھ اس کا کچھ ربط نہیں ہے۔

پھر جب روایت ہذا کا محمل تراویح نہیں ہے تو اس سے آٹھ رکعات تراویح کی خاطر استدلال قائم کرنا بالکل بے جا ہے اور صحیح نہیں ہے۔

یہ تو توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ والا معاملہ ہو گا۔

فائدہ

اس بحث کے آخر میں اس چیز کا بیان کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ نماز تراویح اور نماز تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں اور ان کے احکام و کوائف جُدا جُدا ہیں۔

○ نماز تہجد ابتداء اسلام میں فرض ہوئی تھی ایک سال کے بعد اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور اس کے تطوع و تنفل ہونے کا درجہ باقی رہا۔

(۱) سورۂ مزمل۔

(۲) مسلم شریف جلد اوّل، ص ۲۵۶ باب صلوٰۃ اللیل و عدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل، طبع نور محمد، دہلی۔

اور تراویح کی صورت اس طرح ہے کہ ہجرت کے بعد ۲ ہجری میں جب

[Website: DifaAhleSunnat.com]

رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جعل الله صيامه فريضه وقيامه تطوعا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کر دیئے اور اس مہینہ میں رات کو نوافل مقرر کیے۔(جسے تراویح کہا جاتا ہے)

○ اور تہجد کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آخر شب میں ادا فرماتے تھے اور تراویح کو آپ نے اول شب میں دوسری بار نصف شب تک اور تیسری دفعہ آخر شب تک ادا فرمایا۔

○ نماز تہجد کو منفرداً پڑھتے تھے۔ کبھی کوئی صاحب ازراہ خود آکر ساتھ کھڑا ہو گیا تو مضائقہ نہیں تھا جیسا کہ ایک دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہ آکر ساتھ شامل ہو گئے۔

بخلاف تراویح کے کہ اس کو متعدد بار تداعی کے ساتھ باجماعت ادا فرمایا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ تہجد و تراویح دو الگ نمازیں ہیں اور ان کے احوال و کوائف مختلف ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ان کوائف پر نظر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ روایت مذکورہ بالا تراویح کے متعلق نہیں، بلکہ نوافل و تہجد کے متعلق ہے۔ فلہذا اس روایت کے ساتھ معترض کا تراویح کے لیے استدلال قائم کرنا ہرگز صحیح نہیں۔

الزامیات

مسائل کی بحث و تمحیث میں الزامیات بھی جاری ہوتے ہیں۔ جن حلقوں کی جانب سے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت مذکورہ کے پیش نظر آٹھ رکعات تراویح پڑھنے پر زور دیا جاتا ہے اور بیس رکعت تراویح کے خلاف سنت ہونے پر شور و غل کیا جاتا ہے، ان دوستوں کے لیے بطور الزام کے ذیل چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ توجہ فرماویں اور اپنے مزعومات پر نظر ثانی فرماویں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

○ یہ دوست تراویح بمع وتر کے ابتدائی حصہ شب میں ہمیشہ ادا کرتے ہیں، یعنی نصف اول شب مقرر کر لیا ہے۔

حالانکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کو کبھی اول شب میں کبھی اوسط شب میں گاہے آخر شب میں ادا فرماتے تھے اور عموماً آخر شب تک پڑھنا زیادہ پایا جاتا ہے۔

○ روایات معہودہ میں نماز چار چار رکعت ملا کر پڑھنا اور پھر وتر تین رکعت ادا کرنا آیا ہے۔

حالانکہ یہ احباب دو دو رکعت ملا کر پڑھتے ہیں، اور وتر ایک رکعت ادا کرتے ہیں اور وتر کی تین رکعت والی روایت کو ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ گویا نصف روایت کو قابل عمل اور نصف روایت کو متروک العمل قرار دیتے ہیں۔ یہ عجیب طریقہ ہے--- ترجیع۔

○ نیز یہ حضرات نماز ہذا کو تمام ماہ رمضان میں ہمیشہ جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں، حالانکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین یوم کے بعد یہ عمل ترک کر دیا۔

○ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سو جانے کے بعد اٹھ کر اس نماز کو ادا کرنا روایت ہذا سے ثابت ہوتا ہے۔

حالانکہ یہ احباب نیند کرنے سے قبل ہی پڑھ لیتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ اتنے قدر تغیرات اور تبدیلیوں کو خلاف سنت نہیں سمجھتے (جو خود ان کی طرف سے پائی جاتی ہیں) بلکہ صرف بیس عدد کو خلاف سنت قرار دینے میں تمام تر قوت صرف کرتے ہیں اور سنت کی مخالفت ثابت کرنے میں پوری سعی فرماتے ہیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

خلاصہ بحث

مختصر یہ ہے کہ گزشتہ صفحات میں خلفائے راشدین اور مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ کار مسئلہ تراویح کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔

اور اس کے بعد اکابر تابعین کے فرمودات اور کبار علمائے امت کے بیانات بقدر کفایت اس مسئلہ میں درج کیے ہیں اور گیارہ رکعت والی روایت کا جواب اور محمل بھی ذکر کر دیا ہے۔

اور ان تمام مندرجات کی روشنی میں تراویح کا مسئلہ اس طرح منقح ہوتا ہے کہ

- نماز تراویح کے لیے بیس رکعات ادا کرنا فیصلہ شدہ امر مسنون ہے، بدعت نہیں۔
- صلوٰۃ تراویح سنت موکدہ ہے، آثار قویہ اور قرائن مضبوطہ سے ثابت شدہ ہے۔
- جماعت تراویح شعار سنت اور شعار دین ہے۔
- جماعت تراویح سنت متوارثہ ہے۔
- تراویح پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا "اجماع سکوتی" پایا گیا اور اجماع مستقل "حجت شرعیہ" ہے۔
- اکابرین امت کی اکثریت کا بیس رکعات تراویح کے تعامل پر اتفاق اور اجماع پایا گیا۔
- اس پر مستزاد یہ امر ہے کہ عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے لے کر آج پندرہویں صدی ہجری تک حرمین شریفین (مسجد الحرام اور مسجد نبوی) میں صلوٰۃ التراویح بیس رکعات کے ساتھ اہلِ اسلام ادا کرتے چلے آ رہے ہیں اور سید دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

لا تجتمع امتی علی الضلالہ۔ یعنی میری امت گمراہی پر نہیں جمع ہوگی۔

معلوم ہوا کہ جمہور اہلِ اسلام اس مسئلہ میں گمراہی پر جمع نہیں ہوئے اور سنت طریقہ کی مخالفت پر اجتماع نہیں کیا بلکہ شرعی طریقہ پر ہی قائم ہیں۔

○ نیز بیس رکعات تراویح کے اس "اجتماعی عمل" کو بلاوجہ و بلاعذر شرعی کے ترک کر دینا جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے واضح ارشادات (علیکم بالجماعہ... الخ وغیرہ) کے ساتھ متصادم ہے اور شعائرِ اسلام کو ترک کر دینے کے مترادف ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

لہ الحمد وعلیہ الصلوہ والسلام

متعہ النساء کا مسئلہ

(اسلامی ہدایات کی روشنی میں)

متعہ کا مسئلہ اہل السنہ اور شیعہ کے نزدیک قدیم زمانہ سے "مختلف فیہ" چلا آیا ہے۔

شیعہ صاحبان اس کے جواز کے قائل ہیں اور اس فعل کو کارخیر اور موجب اجر و ثواب سمجھتے ہیں بلکہ اسے بہترین عبادت قرار دیتے ہیں جبکہ اہل سنت کے نزدیک متعہ النساء بعض اوقات اسلام میں جائز تھا مگر بعدہ عہد نبوی ﷺ میں ہی اس کا جواز ختم ہوگیا اور کتاب و سنت سے اس کا ممنوع ہونا قرار پایا۔

لہٰذا جمہور اہل اسلام کے نزدیک اب یہ فعل ممنوع اور ناجائز ہے اور ہرگز حلال نہیں۔

اس پر دونوں فریق کی جانب سے عنقریب دلائل پیش کئے جائیں گے۔ پہلے ہم متعہ کے مفہوم و معنی کی تشریح پیش کرتے ہیں پھر اس کے بعد ہر ایک فریق کے نزدیک نکاح اور متعہ کا فرق و مابہ الامتیاز ذکر کیا جائے گا اور ساتھ اس کے احکام مذکور ہوں گے تاکہ نکاح و متعہ کی وضاحت عندالفریقین خوب سامنے آجائے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

تنبیہ

اتنی بات ذکر کر دینا مفید ہے کہ کتاب سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں ص ۵۱۳ سے لے کر ۵۱۶ تک بحث متعہ کو ہم نے قبل ازیں بیان کیا ہے لیکن وہاں اجمال و اختصار ہے اور یہاں اس بحث کو قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا جا رہا ہے۔

متعہ النساء کا مفہوم

شیعہ کے نزدیک

لفظ "متعہ" اور تمتع کا لغوی معنی "نفع اٹھانا" اور فائدہ حاصل کرنا ہے۔

شیعہ علماء ذکر کرتے ہیں کہ "نکاح منقطع" اور "متعہ" ایک ہی چیز ہے اور اس کے لیے شرائط درج ذیل ہیں:

اور عند الشیعہ انہیں کو "ارکان متعہ" بھی کہا جاتا ہے۔

شرائط متعہ

(۱) متعہ کرتے وقت اس لفظ کے مادہ (م- ت- ع) کے ساتھ متعہ کا انعقاد ہوتا ہے مگر یہی الفاظ ادا کرنا لازم نہیں بلکہ الفاظ "انکحت" اور "زوجت" ادا کرنے سے بھی متعہ جائز ہے اور اسے صیغہ کے لفظ سے بھی ادا کرتے ہیں۔

(۲) متعہ میں "اجل مسمیٰ" لازم ہے۔ یعنی امتداد وقت ایک محدود عرصہ کا مقرر کرنا ضروری ہے۔

(۳) متعہ میں "اجر مسمی" لازم ہے۔ یعنی کچھ درہم یا کوئی چیز اگرچہ قلیل ہو، عورت کو بطور معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے۔

(۴) متعہ کرنے والے دونوں (مرد و زن) "عاقل، بالغ اور آزاد" ہوں اور جس عورت کے ساتھ متعہ کیا جا رہا ہے وہ فی الوقت کسی کے نکاح میں نہ ہو۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

مطلب یہ ہے کہ مندرجات بالا کے اعتبار سے شیعہ کے نزدیک متعہ کا انعقاد اس طرح ہوتا ہے کہ

مثلاً عورت کہے کہ میں نے اپنے نفس کو تیرے متعہ میں دیا (شرائط بالا کے ساتھ) اور مرد فوراً کہے کہ میں نے تمہیں اپنے نفس کے لیے قبول کیا۔

یہاں گواہوں کی شہادت بالکل نہیں ہوتی اور یہ عقد خفیہ طور پر خاص جنسی تعلق قائم کرنے کے لیے ایک وقت تک مرد اور عورت آپس میں کر لیتے ہیں۔

اسی طرح دیگر الفاظ اور صیغوں کے ساتھ بھی متعہ منعقد ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل ان کی کتب میں موجود ہے، مثلاً ملاحظہ ہو:

(۱) حجالہ حسنہ (ترجمہ رسالہ متعہ از ملا باقر مجلسی) (مترجم: سید محمد جعفر قدسی جائسی ص ۱۷ تا ۲۲) مطبع اثنا عشری، دہلی۔

(۲) تحفہ العوام ص ۳۶۵۔ ۳۶۶ باب نمبر ۱۳ (ثواب مباشرت و متعہ میں) مطبوعہ کتب خانہ اثنا عشری، مغل حویلی لاہور، تالیف حاجی حسن علی صاحب، طبع بار سیزدہم۔

اہل السنت کے نزدیک

اہل السنت والجماعت کے نزدیک متعہ کا مفہوم یہ تھا کہ قلیل مدت کے لیے ایک عورت سے عقد کر لیا جاتا جس کو نکاح موقت یعنی وقتی نکاح کہا جاتا اور اس میں حق مہر اور گواہوں کی شہادت ہوتی تھی لیکن عقد میں دوام نہیں ہوتا تھا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، اسلام میں بعض اوقات اس نوع کے نکاح کی اجازت تھی لیکن بعد میں کتاب و سنت کے مطابق عہد نبوی میں ہی یہ فعل ممنوع ہو گیا اور حرام قرار دیا گیا، جس طرح کہ بعض دیگر اشیاء بھی پہلے مباح تھیں لیکن انہیں بعد میں ممنوع اور ناجائز قرار دیا گیا مثلاً

(۱) شرب خمر (شراب پینا)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۲) مسلم و کافر کا باہمی نکاح کرنا۔

(۳) نماز ادا کرنے کی حالت میں کلام کرنا۔

(۴) ربا یعنی سود کا لین دین--- وغیرہ وغیرہ۔

یہ چیزیں پہلے مباح اور جائز تھیں لیکن بعد میں اپنے اپنے مواقع میں انہیں ناجائز اور ممنوع قرار دیا گیا۔

بالکل اسی طرح متعہ النساء بھی پہلے مباح تھا لیکن بعد میں اس کے عدم جواز کا حکم صادر فرمایا گیا۔

اب اسلام میں صرف نکاح دائمی ہے۔ وقتی نکاح یا (جسے متعہ کہا جاتا ہے) وہ ختم ہو گیا۔

اور شیعہ صاحبان کے سوا باقی تمام طبقات اہل سنت و مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی نیز اہل ظواہر متعہ (وقتی نکاح) کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور دوامی عقد نکاح کے قائل ہیں۔

اور اس معروف نکاح میں ایجاب و قبول کے علاوہ گواہوں کی شہادت، حق مہر کا تقرر اور خطبۃ النکاح یہ سب چیزیں پائی جاتی ہیں۔

اس مختصر سی تشریح کے بعد ہم نکاح اور متعہ کے احکامات و اوصاف عند الشیعہ اور عند اہل السنہ بصورت تقابل کے الگ الگ تحریر کرتے ہیں تاکہ متعہ اور نکاح کا باہم فرق و امتیاز واضح طور پر سامنے آجائے۔

متعہ کے احکام و اوصاف شیعہ کے نزدیک

متعہ میں:

(۱) شاہدوں (گواہوں) کی "شہادت" کی ضرورت نہیں۔

(۲) "اُجرت" لازم ہے (عورت ممتوعہ کو اُجرت دی جائے گی)

(۳) "اجل مسمی" (مدت اور وقت طے کرنا لازم ہے اگرچہ قلیل ہی ہو)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۴) "احصان" کی صفت مفقود ہوتی ہے بلکہ "سفاحت" مطلوب ہوتی ہے۔ (یعنی عورت کو قید میں لا کر اس کی عفت اور حقوق کا تحفظ کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس میں شہوت رانی اور خواہش نفس کو پورا کرنا مطلوب ہوتا ہے)

(۵) "طلاق" دینے کی ضرورت نہیں۔ (مدت معینہ کا اختتام ہی کافی ہے)

(۶) "عدت" (معروفہ) نہیں ہوتی۔ (بقول بعض)

(۷) "ایلاء" متعہ میں نہیں ہوتا۔

(۸) "لعان" نہیں ہوتا۔

(۹) "ظہار" بھی نہیں ہوتا۔

(۱۰) ترکہ میں "وراثت" نہیں ہوتی۔

(۱۱) "ولی" کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ متعہ کرنے والی عورت کو متعہ کرنے میں مانع ہو۔

(۱۲) متعہ کرنے والی عورت کا "نان نفقہ" واجب نہیں ہوتا۔

(۱۳) متعہ سے ہونے والی "اولاد" سے متعہ کرنے والا مرد انکار کر سکتا ہے۔

(۱۴) "ممتوعہ عورت" زوجہ کے حکم میں نہیں ہے بلکہ انما ھی مستاجرۃ یعنی وہ کرایہ کی عورت ہے۔

چودہ عدد مندرجہ بالا متعہ کے احکام و صفات کے حوالہ کے لیے مقامات ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) فروع کافی جلد ثانی ابواب متعلقہ متعہ مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ۔

(۲) جامع رضوی از سید عبدالغنی، تحت ابحاث متعہ، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ۔

(۳) عجالہ حسنہ مترجم از مولوی سید محمد جعفر قدسی جائسی (رسالہ متعہ از ملا باقر مجلسی) طبع دہلی۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

نکاح کے احکام واوصاف اہل السنت کے نزدیک

نکاح میں:

(۱) شہادتوں (گواہوں) کی شہادت لازم ہے۔

(۲) حق مہر کی ادائیگی واجب ہے۔

(۳) ہمیشگی، دوام اور استمرار ملحوظ خاطر ہے۔

(۴) "احصان" کی صفت مقصود ہے اور سفاحت مطلوب نہیں۔ (یعنی نکاح میں عورت کو قید میں لا کر اس کی عفت اور حقوق کا تحفظ کرنا مقصود ہوتا ہے، صرف شہوت رانی ہی مطلوب نہیں ہوتی)

(۵) "حق طلاق" مرد کو حاصل ہے۔

(۶) "عدت" (معروفہ) لازم ہے۔

(۷) "ایلاء" جائز ہے۔

(۸) "لعان" جائز ہے۔

(۹) "ظہار" جائز ہے۔

(۱۰) "حق وراثت" ثابت ہے۔ (یعنی ترکہ میں)

(۱۱) اجازت "ولی" اور وارث لازم ہے۔

(۱۲) عورت منکوحہ کو نان نفقہ اور مکان مہیا کرنا واجب ہے۔

(۱۳) اپنی منکوحہ سے ہونے والی "اولاد" ناکح کی ہوتی ہے اور اس سے انکار شرعاً ناجائز ہے۔

(۱۴) منکوحہ عورت دواماً اہلیہ ہے، بااجرت اور کرایہ دار نہیں۔

چودہ عدد مندرجہ بالا احکام و صفات نکاح کے حوالہ جات کے لیے فقہ کے مشہور فتاویٰ بحر الرائق عالمگیری الشامی وغیرہ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

مندرجات بالا کے ذریعے "نکاح اور متعہ" کا فرق اور امتیاز واضح طور پر سامنے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

آگیا اور ہر دو فریق (سنی و شیعہ) کا اس مسئلہ میں موقف عیاں ہوگیا۔ نیز نکاح اور متعہ کا تقابل اور تخالف پوری طرح واضح ہوگیا۔

اب اس کے بعد ہم سابقہ متعہ (جو اسلام میں بعض اوقات مباح تھا اور شیعوں کے نزدیک جو متعہ جاری ہے۔ ان دونوں کے درمیان مزید ایک موازنہ پیش کرتے ہیں، جس سے اس مسئلہ میں پیدا کردہ غلط فہمی دُور ہو سکتی ہے اور یہاں جو مغالطہ دیا جاتا ہے، وہ رفع ہو سکتا ہے۔

ایک موازنہ

اہل السنت کے نزدیک "سابقہ متعہ" (جو اسلام میں بعض اوقات مباح تھا)

(۱) وہ وقتی نکاح ہوتا تھا، مگر گواہ اور شاہد اس میں ہوتے تھے اور مرد و عورت میں کوئی خفیہ عقد نہیں تھا۔

(۲) یہ سفر جہاد میں بوقت ضرورت شدیدہ جائز تھا اور علی العموم جائز نہ تھا یعنی گھروں میں مقیم لوگ یہ عمل نہیں کرتے تھے۔

(۳) یہ ان لوگوں کے لیے جائز تھا جن کے لیے عورتیں نہ تھیں اور وہ طویل العزبہ اور قلہ الیسار وغیرہ کی حالت میں ہوتے تھے۔

(۴) یہ فعل اس دور میں بطور رخصت کے مباح ہوا تھا "عزیمت" کے درجہ میں نہیں تھا کہ ثواب کی امید پر کیا جاتا۔

(۵) یہ فعل بوقت ضرورت و بوجہ ضرورت تھا، کوئی امر تعبدی نہیں تھا کہ ہمیشہ کے لیے جاری رہتا۔

بنا بریں اس کو اسلام میں بعد میں ممنوع اور حرام قرار دیا گیا اور جو حضرات اس دور میں اس کے جواز کے قائل تھے، انہوں نے اس سے رجوع کر لیا۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

شیعوں کے نزدیک متعہ

(۱) یہ عارضی عقد ہوتا ہے اور اس میں گواہ اور شاہد نہیں ہوتے اور یہ خفیہ طور پر جنسی تعلق قائم کیا جاتا ہے اور اس کو صیغہ کے الفاظ سے بھی یاد کرتے اور ادا کرتے ہیں۔

(۲) یہ علی العموم جائز ہے اور ہر وقت سفر و حضر میں ہو سکتا ہے۔

(۳) اس میں طویل العزبہ اور قلہ الیسار وغیرہ کی کوئی قید نہیں، ہر مومن مرد ہر حالت میں اس فعل کو کر سکتا ہے۔

(۴) یہ فعل بطور "عزیمت" کے ہے اور اس فعل کے مرتکب کو بہت بڑا ثواب اور عالی درجات ملتے ہیں جیسا کہ ان کی کتابوں میں درج ہے۔

(۵) اس میں بوقت ضرورت اور بوجہ ضرورت کی کوئی قید نہیں۔ یہ امر "تعبدی" ہے اور یہ ہمیشہ کے لیے کار خیر اور موجب ثواب ہے۔

(تفسیر الصافی تحت آیت ہذا)

حاصل کلام یہ ہے کہ

موازنہ ہذا سے "سابقہ متعہ" اور شیعہ کے متعہ کے مابین بون بعید اور فرق عظیم پایا گیا۔

فلہذا مروجہ متعہ کو سابقہ متعہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

اور دونوں متعہ کو ایک جیسا قرار دینا عظیم مغالطہ اور فریب دہی ہے جو اس مسئلہ میں ان لوگوں نے پھیلا دی ہے۔

بلکہ یہ ایک عجیب قسم کی تلبیس و مخادعت ہے جسے عوام میں نشر کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس غلط فہمی اور مغالطہ سے بچا کر راہ صواب اور ہدایت نصیب فرمائے اور فکر آخرت کی توفیق بخشے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

شیعہ کا جواز متعہ کے لیے استدلال

شیعہ نے "جواز متعہ" کے لیے قرآن مجید میں سے آیت ذیل سے استدلال کیا ہے:

..... فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فريضه... الخ- (ابتدا پارہ پنجم)

جناب مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ نے مندرجہ بالا آیت کا ذیل ترجمہ کیا ہے:

... یعنی پھر ان میں سے جن سے تم متعہ کر لو تو مقرر کیا ہوا مہران کو دے دو- (ترجمہ مقبول احمد دہلوی ص۹۷ پارہ پنجم تحت آیت ہذا)

اور فرمان علی صاحب نے ترجمہ ذیل لکھا ہے:

ہاں جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا تو انہیں جو مہر معین کیا ہے وہ دے دو- (ترجمہ جناب فرمان علی صاحب ص۱۲۹ پارہ پنجم تحت آیت ہذا)

ان کے سابق مفسرین مثلاً علی بن ابراہیم قمی نے یہاں لکھا ہے کہ

... قال الصادق عليه السلام فهذه الايه دليل على المتعه- (تفسیر قمی تحت آیت ہذا پارہ پنجم)

اور ان کی تفسیر الصافی میں لکھا ہے کہ

... فی الكافی عن الصادق عليه السلام المتعه نزل بها القرآن وجری بها السنه من رسول الله صلى الله عليه وآله- (فروع کافی، باب المتعہ، تفسیر الصافی تحت آیت ہذا)

مطلب یہ ہے کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ

یہ آیت متعہ کے جواز پر دلیل ہے-

نیز امام نے فرمایا کہ

جواز متعہ میں قرآن نازل ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی سنت

[Website: DifaAhleSunnat.com]

کے ذریعے یہ جاری ہوا۔

اس کے بعد جواز متعہ میں شیعہ کے اپنے استدلالات مختصراً پیش کیے جاتے ہیں۔

ان کی کتابوں میں جواز متعہ کے متعلق بے شمار روایات پائی جاتی ہیں، ان میں سے صرف چند ایک روایات یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

... عن ابی عبدالله علیه السلام قال ان الله تبارک وتعالی حرم علی شیعتنا المسکر من کل شراب و عوضهم من ذالک المتعه۔

یعنی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارے شیعوں پر اللہ تعالیٰ نے ہر نشہ آور چیز حرام کر دی ہے اور اس کے عوض میں متعہ کرنے کی ان کو اجازت دے دی۔

(من لا یحضرہ الفقیہ ص ۴۳۲، کتاب النکاح، باب المتعہ، طبع تہران)

... قال الصادق علیه السلام لیس منا من لم یومن بکرتنا ولم یستحل۔

(من لا یحضرہ الفقیہ ص ۴۲۹، کتاب النکاح، باب المتعہ، طبع تہران)

اور منہج الصادقین تفسیر میں اسی روایت کا مفہوم بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے۔

یعنی از مانیست آنکس کہ اعتقاد نکند و باور ندارد ظہور مارا و حلال نداند متعہ مارا۔

یعنی جناب جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص ہمارے دنیا میں دوبارہ آنے پر ایمان نہ رکھتا ہو اور متعہ کو حلال نہ جانتا ہو، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۱) تفسیر منہج الصادقین ص ۴۸۸، ج ۲، تحت الایۃ فما استمتعتم بہ منھن ۵۔

(۲) ضمیمہ ترجمہ مقبول احمد شیعی ص ۱۷، پارہ پنجم تحت آیت متعہ۔

مندرجہ بالا روایات کے ذریعے متعہ کی اہمیت جو شیعہ کے ہاں ہے، وہ واضح ہو گئی اور دین میں ان کے نزدیک متعہ کا جو درجہ ہے، وہ سامنے آگیا۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

یعنی جو شخص متعہ کے جواز کا قائل نہ ہو، وہ دین سے باہر ہے۔

تنبیہہ

شیعہ نے متعہ کے فضائل و ثواب اور متعہ نہ کرنے والے کے لیے وعیدیں بے شمار کتابوں میں درج کی ہیں اور ان چیزوں کو آئمہ کرام کی طرف منسوب کیا ہے۔

ان مقامات سے چند ایک مواضع کی طرف راہنمائی کی جاتی ہے، ملاحظہ فرماویں:

- فروع کافی جلد ثانی، باب المتعہ ص۱۳۱،۹۹۰ طبع نو لکشور، لکھنؤ۔
- من لا یحضرہ الفقیہ للشیخ الصدوق باب المتعہ ص۴۲۹، ۴۳۱، طبع تہران۔
- تفسیر القمی (علی بن ابراہیم القمی) ص۲۰۷، ج۲، تحت آیت ما یفتح اللہ للناس من رحمتہ الخ۔
- تفسیر منہج الصادقین از ملا فتح اللہ الکاشانی تحت آیتہ فما استمتعتم، سورۃ النساء، طبع تہران۔
- تفسیر الصافی از ملا محسن الفیض الکاشانی ص۳۴۷، ج۱، تحت الایتہ فما استمتعتم بہ منھن۔
- الانوار النعمانیہ للشیخ نعمتہ اللہ الجزائری تحت نور فی وقت الطہارۃ والصلوۃ۔
- تحفہ العوام از شیخ حسن علی ص۳۶۵، طبع دہم تحت ثواب مباشرت و متعہ، طبع لاہور۔

اہل السنہ کا عدم جواز متعہ پر استدلال

مسئلہ ہذا میں اہل السنت والجماعۃ نے ذیل آیات کے ساتھ استدلال قائم کیا ہے کہ عقد متعہ جائز نہیں، اسلام میں منع کر دیا گیا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے کہ

والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او

یعنی (فلاح یافتہ ہیں...) وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کو نگاہ رکھتے ہیں، مگر اپنی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین - فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک ھم العادون - (ابتداء پ۱۸، قد افلح المومنون، پ۲۹، سورۃ المعارج)

عورتوں یا اپنی باندیوں پر--- تو ان پر کچھ الزام اور ملامت نہیں- پس جو کوئی طلب کرے، اس کے ماسوا، سو وہ لوگ حد سے بڑھنے والے اور حدود شریعت سے تجاوز کرنے والے ہیں-

آیت ہذا سے یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ مومنوں کے لیے اپنی عورتوں اور باندیوں کے حق میں اپنی شرم گاہوں کا استعمال حلال اور جائز ہے اور ان دونوں (زوجہ اور باندی) کے ماسوا اگر کوئی قضائے شہوت کا راستہ ڈھونڈے تو وہ حلال کی حد سے تجاوز کرنے والا ہوگا اور حد اعتدال اور حد جواز سے باہر قدم نکالنے والا ہوگا-

یہاں سے قضائے شہوت کے دیگر تمام طریقے ناجائز ثابت ہوئے- ان میں سے ایک متعہ بھی ہے- پس اس کا عدم جواز یہاں سے ثابت ہوتا ہے-

کیونکہ ممتوعہ عورت فریقین کے نزدیک نہ تو زوجہ کے حکم میں ہے اور نہ ہی باندی ہے- اس بنا پر متعہ والی عورت کے لیے نہ نان ہے نہ نفقہ اور نہ سکنی، نہ طلاق ہے، نہ عدت اور نہ ہی اس کے لیے میراث کے احکام جاری ہیں-

فلہذا متعہ کرنے والی عورت اور مرد دونوں فرمان خداوندی فاولئک ھم العادون کے اعتبار سے حدود شرع سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہوں گے- مضمون ہذا مندرجہ ذیل مقام میں ملاحظہ فرماویں- (کتاب منہاج السنہ لابن تیمیہ جلد ثانی ص۱۵۶، ج۲، تحت متعہ النساء)

علمائے کرام عدم جواز متعہ کے لیے دیگر آیات سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ

(۲) قرآن مجید میں نکاح طلب کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے کہ

ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین...

یعنی طلب کرو تم عورتوں کو اپنے مال کے بدلے میں، قید میں لانے کے لیے (اپنی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

الخ- (ابتدا پ۵) حفاظت میں رکھنے کے لیے) نہ کہ شہوت رانی کے لیے۔

اس مقام پر مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ

... فیہ اشارہ الی النھی عن کون القصد مجرد قضاء الشھوہ وصب الماء واستفراغ ادعیہ المنی- فبطلت المتعہ بھذا القید لان مقصود المتمتع لیس الا ذالک- دون التاھل والا ستیلاد وحمایہ الذمار والعرض- فالا حضان غیر حاصل فی امراہ المتعہ اصلا-

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس آیت میں محض قضائے شہوت اور پانی گرانے اور منی کے استفراغ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے- پس اس قید (محصنین غیر مسافحین) کے ذریعے متعہ باطل ہوگیا- کیونکہ متمتع (متعہ کرنے والے) کا مقصود صرف شہوت رانی ہوتا ہے اور عورت ممتوعہ کو اپنی اہلیہ بنانا، اولاد پیدا کرنا اور مال و ناموس کی حفاظت کرنا اس کا مقصود نہیں ہوتا۔

(تفسیر رُوح المعانی، سید محمود آلوسیؒ ص۹۶ ج۵، تحت الآیۃ)

اور شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی بھی اسی مضمون کو بہ عبارت ذیل تحریر کرتے ہیں کہ

... مسافح بودن متمتع ہم بدیہی است کہ غرض او ریختن آب مے باشد نہ خانہ داری و اخذ ولد و حمایت ناموس وغیر ذالک- (تحفہ اثنا عشریہ ص۳۰۳، تحت بحث متعہ، طبع سہیل اکیڈمی، لاہور)

یعنی متعہ کرنے والے کا مسافح (پانی گرانے والا) ہونا ظاہر بات ہے کیونکہ اس کی غرض صرف منی کا پانی گرانا ہوتا ہے، خانہ داری اور اولاد کا حاصل کرنا اور عزت و ناموس کی حمایت و حفاظت کرنا وغیرہ چیزیں مقصد نہیں ہوتیں۔

مندرجات بالا کے ذریعہ واضح ہوا کہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

متعہ والی عورت کو "احصان" کی صفت حاصل نہیں ہوتی، البتہ یہ صفت منکوحہ عورت کو ہی حاصل ہے۔

تنبیہہ

مزید اس مقام میں قابل غور بات یہ ہے کہ

قرآنی آیات میں جہاں خاوند بیوی کے مابین نکاح کا مسئلہ مذکور ہوا ہے (خواہ نکاح آزاد عورت کے ساتھ ہو یا باندی کے ساتھ ہو یا اہل کتاب کی خواتین سے کیا جائے) ان تمام مقامات میں صفت "احصان" بطور قید (اور صفت) کے ذکر کی گئی ہے اور اس امر کا خصوصی طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ مثلاً:

(۱) حرام رشتوں کو ذکر کرنے کے بعد حلال طریقہ سے نکاح طلب کرنے کا جہاں بیان ہوا، وہاں فرمان خداوندی ہے کہ

"اپنے اموال کے عوض میں تم نکاح طلب کرو۔"

تو محصنین غیر مسافحین کی قید و صفت کے ساتھ یہ معاملہ کرنا ہوگا۔ یعنی عفت طلب کرتے ہوئے اور قید میں لاتے ہوئے نہ شہوت رانی کرتے ہوئے۔۔۔ جس طرح کہ سطور بالا میں اس چیز کو بیان کیا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح لونڈیوں اور باندیوں کو نکاح میں لانے کا بیان جہاں مذکور ہوا، وہاں بھی ارشادِ خداوندی ہے کہ

ان کو ان کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ نکاح میں لاؤ اور ان کو ان کے اجر (حق مہر) دستور کے موافق دے دو۔

. محصنات غیر مسافحات ولا متخذات اخدان۔

یعنی اس حال میں کہ وہ قید میں آنے والیاں ہوں، نہ مستی نکالنے والیاں ہوں اور نہ چھپی یاری کرنے والیاں ہوں۔

یہاں بھی گولیوں اور باندیوں کے حق میں یہی "صفت احصان" ذکر فرمائی اور

[Website: DifaAhleSunnat.com]

شہوت رانی کرنے والیاں، خفیہ یاری کرنے والیاں نہ ہونے کی شرط لگائی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مذکورہ صفات والی گولیوں باندیوں کو نکاح میں لایا جائے نہ کہ ہر قسم کی گولیوں باندیوں کو جو ان صفات سے عاری ہوں۔

(۳) دیگر مقام سورۃ المائدۃ کے پہلے رکوع کے آخر میں جہاں اہل کتاب کے ساتھ نکاح کے حلال ہونے کا ذکر فرمایا گیا، وہاں بھی یہی مسئلہ مذکور ہے کہ

اذا اتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان۔	یعنی (تمہارے لیے حلال ہیں) قید والی عورتیں اہلِ کتاب کی جب دو ان کو مہران کے۔ قید میں لانے کو، نہ مستی نکالنے کو اور نہ چھپی آشنائی کرنے کو... الخ۔

حاصل یہ ہے کہ

متعدد آیات قرآنی سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ:

خاوند اور بیوی کے نکاح کے مابین "صفت احصان" اور "عدم سفاحت" مطلوب و مقصود ہونا لازم ہے۔

اور منکوحہ عورت خاوند کے نکاح میں ہوتی ہے تو گویا وہ اس کی قید میں ہے اور خاوند کے چھوڑے بغیر وہ آزاد نہیں ہوگی۔ نیز وہ وقتی طور پر اپنے زوج کے ساتھ منسلک نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے زوجین میں رابطہ قائم ہے۔

اور میاں بیوی کا یہ تعلق خفیہ طور پر قائم نہیں بلکہ شاہدوں اور گواہوں کی شہادت کے ذریعے قائم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ قیود اور یہ صفات جو نکاح کے مواقع میں آیات قرآنی میں مذکور ہیں، وہ متعہ والے عقد میں بالکل مفقود ہیں اور متعہ میں ان کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

فلہذا ارشادات خداوندی کی روشنی میں متعہ کا ناجائز ہونا برملا ثابت ہے اور اس کا جواز ہرگز درست نہیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

عدم جواز متعہ پر احادیث و آثار سے استدلال

عدم جواز متعہ پر احادیث صحیحہ موجود ہیں جو محدثین نے اپنی تصنیفات میں اپنے اپنے اسانید کے ساتھ ذکر کی ہیں، ان میں متعہ کا ناجائز ہونا واضح طور پر ثابت ہے۔

ان میں سے بعض روایات ذیل میں درج کی جاتی ہیں جو مضمون ہذا کے ثبوت میں واضح اور صریح ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر آثار بھی اس مسئلہ میں متعدد پائے جاتے ہیں۔ جن میں بعض کو روایات صحیحہ کے بعد ایک ترتیب سے پیش کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

... عن ابی هریره عن النبی صلی الله علیه وآله وسلم، قال حرم او هدم المتعه النکاح والطلاق والعده والمیراث۔

یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ نکاح، طلاق، عدت اور میراث نے متعہ کو حرام قرار دیا اور ختم کر دیا۔

(۱) السنن للدار قطنی ص ۲۵۹ ج ۳، طبع القاہرہ، تحت ابواب النکاح۔

(۲) شرح معانی الآثار الامام طحاوی ص ۹۵ جلد ثانی تحت باب النکاح المتعہ، طبع دہلی۔

مطلب یہ ہے کہ متعہ ایک وقت تک مباح اور جائز تھا۔ اس کے بعد جب نکاح کے احکامات، طلاق اور عدت و میراث وغیرہ آ گئے تو ان چیزوں نے متعہ کی اباحت اور جواز کو ختم کر دیا۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اور امام جمال الدین الزیلعی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "نصب الرایہ" میں بہ عبارت ذیل یہ روایت کی ہے:

... عن ابی هریره مرفوعا حرم او هدم المتعه النكاح والطلاق والميراث۔

... اخرجه الدارقطنی وقال ابن القطان فی كتابه اسناده حسن۔

(۱) نصب الرایہ للزیلعی ص۱۸۱ جلد ثالث (بحث متعہ) (طبع مجلس علمی۔

اور حافظ ابن حجر نے اس کے "حسن" ہونے کی تصدیق کی ہے۔

(۲) الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ اسنادہ حسن ص۵۸، ج۲، فصل فی بیان المحرمات، طبع قاہرہ مصر۔

(۳) مجمع الزوائد للہیثمی ص۲۶۴ جلد رابع، باب نکاح المتعہ بحوالہ ابی یعلی الخ، طبع مصری قدیم۔

(۴) موارد الظمان الی زوائد ابن حبان، لنور الدین للہیثمی ص۳۰۹، باب ما جاء فی نکاح للمتعہ۔

(۵) البنایہ شرح الہدایہ ص۸۳، ج۶ جلد سادس تحت کتاب النکاح، طبع ملتان۔

مختصر یہ ہے کہ روایت ہذا اکابر محدثین نے بااسناد ذکر کی ہے۔ پھر ان کی تائید جمال الدین الزیلعی اور حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے اعاظم علماء نے کر دی ہے اور اس روایت کو "حسن" کے درجہ میں شمار کیا ہے۔ اب اس کے قابل استدلال اور لائق استناد ہونے میں شبہ نہیں رہا۔

اس بنا پر کہ "حسن" روایات سے فقہی احکام ثابت ہوتے ہیں اور وہ اس باب میں معتمد ہیں۔

اور متعدد مشاہیر علماء کے حوالے بھی ہم نے بطور تائید و تصدیق درج کر دیئے ہیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ربیع بن سبرۃ بن معبد

(۲) خلیفہ راشد جناب عمرو بن عبدالعزیز کا ایک "مسند" محدثین میں مشہور ہے۔ اس میں سے ربیع بن سبرہ الجھنی کی مرفوع روایت نقل کی جاتی ہے۔

...عن عمرو بن عبدالعزیز حدثنی الربیع بن سبرہ الجھنی عن ابیہ- ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن المتعہ وقال الا انھا حرام من یومکم ھذا الی یوم القیامہ ومن کان اعطی شیا فلا یاخذہ۔

(مسند عمرو بن عبدالعزیز ص ۱۲-۱۳، طبع قدیم ملتان)

○ سبرۃ بن معبد الجھنی متعہ کے معاملہ میں اپنے ساتھ پیش آمدہ واقعہ کی تفصیلات ذکر کرتے ہیں کہ سابقاً جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہمیں متعہ کے معاملہ میں رخصت ملی تھی، پھر اس کے بعد میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم زمزم اور کعبہ کے درمیان قیام فرما تھے۔ آنجناب ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا:

... فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا کنا قد اذنا لکم فی ھذہ المتعہ فمن کان عندہ من ھذہ النسوان شیئی فیرسلہ- فان اللہ قد حرمھا الی یوم القیامہ- ولا تاخذوا مما آتیتموھن شیا-

سبرۃ بن معبد الجھنی کی روایت ہذا کو متعدد محدثین اور مصنفین نے اپنے اپنے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ان میں سے چند ایک حوالہ جات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ اہلِ علم حضرات ان مقامات کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔

(۱) کتاب مسند الحمیدی ص ۳۷۴، الجزء الثانی تحت مسانید سبرۃ بن معبد الجھنی روایت نمبر ۸۴۷، طبع مجلس علمی۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۲) السنن للدارمی ص ۲۸۲، تحت باب النھی عن متعہ النساء۔

(۳) مسلم شریف ص ۴۵۰-۴۵۱، جلد اوّل کتاب النکاح باب تحریم المتعہ۔

(۴) مسند ابی یعلیٰ الموصلی ص ۲۴۲-۲۴۳، جلد اوّل، تحت مسند سبرۃ بن معبد الجھنی، روایت نمبر ۹۳۵۔

(۵) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۹۲، جلد رابع، باب نکاح المتعہ، طبع حیدر آباد دکن۔

(۶) المصنف لعبد الرزاق ص ۵۰۴، ج ۷ باب المتعہ، روایت سبرۃ بن معبد۔

(۷) المسند الامام احمد رحمتہ اللہ علیہ ص ۴۰۵، ۴۰۶ ج ۳، تحت مسانید سبرۃ بن معبد الجھنی، طبع اوّل مصری۔

(۸) السنن لابن ماجہ ص ۱۴۲، باب النھی عن نکاح المتعہ، طبع دہلی۔

(۹) المحلی لابن حزم الاندلسی ص ۹۳۰ ج ۹ تحت بحث متعہ، طبع بیروت۔

(۱۰) الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان ص ۱۷۹، ج ۷، روایت نمبر ۴۱۳۸، طبع جدید، تحت باب نکاح المتعہ۔

(۱۱) شرح معانی الآثار الطحاوی ص ۱۵ ج ۲، باب نکاح المتعہ ص ۲۹۰، طبع دہلی۔

(۱۲) ابوداؤد شریف باب النکاح فی المتعہ ص ۲۹۰، طبع مجتبائی دہلی۔

(۱۳) المنتقی لابن جارود ص ۲۳۴، طبع مصر تحت کتاب النکاح روایت نمبر ۶۹۹۔

(۱۴) کتاب الآثار لامام ابی یوسفؒ ص ۱۵۲، روایت نمبر ۷۰۰۔

(۱۵) کتاب الآثار امام محمدؒ ص ۹۳، روایت نمبر ۴۳۲۔

(۱۶) جامع مسانید الامام اعظم رحمتہ اللہ علیہ ص ۸۶، ج ۲ طبع دکن۔

(۱۷) تاریخ بغداد للخطیب بغدادی ص ۹۰۶، ج ۲، تحت ابراہیم طہمان۔

(۱۸) السنن الکبریٰ للنسائی جلد ثالث ص ۳۲۷، ۳۲۸ تحت تحریم المتعہ، طبع جدید بیروت۔

ان تمام محدثین و مصنفین نے متعہ سے منع کی روایت ہذا کو نقل کیا ہے اور

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اس کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں متعہ کے معاملہ میں اجازت دی تھی، اب اعلان کیا جاتا ہے کہ جس کے پاس ان متعہ والی عورتوں میں سے کوئی عورت ہو تو وہ اس کو چھوڑ دے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے متعہ کے فعل کو تاقیامت حرام کر دیا ہے۔ اور جو کچھ تم نے ان عورتوں کو دیا ہے، اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔

گزشتہ صفحات میں متعہ کے متعلق اہل السنت اور شیعہ حضرات کے استدلالات ذکر کیے ہیں اور ہر ایک فریق کا موقف واضح کیا گیا ہے۔

شیعہ حضرات بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کے ذریعے اپنے مسلک کی تائید حاصل کرتے ہیں اور بطور الزام کے ہماری کتب سے ان کی روایات کو اپنی حمایت میں پیش کرتے ہیں۔

اس چیز کی وضاحت کے لیے ہم آئندہ صفحات میں مفصل کلام چلانا چاہتے ہیں۔

اس مقام میں شیعہ صاحبان حضرات صحابہ کرام پر جو مطاعن قائم کرتے ہیں، ان کا جواب بھی دیا جائے گا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات سے جواز متعہ کے لیے جو استدلال قائم کرتے ہیں، اس کے غیر صحیح ہونے پر کلام کیا جائے گا اور مدلل طور پر اس کی تردید کی جائے گی۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

مسئلہ ہذا میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ذیل میں چند ایک روایات ایک ترتیب سے ذکر کی جاتی ہیں۔ ان روایات مرفوعہ میں متعہ کے حرام ہونے کا بالوضاحت بیان مذکور ہے۔ اور ان سے حضرت موصوف رضی اللہ عنہ کا مسلک و موقف عمدہ طریق سے معلوم ہو جاتا ہے۔

(الف) ... عن علی بن ابی روایت ہذا کا مفہوم یہ ہے کہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

طالب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن متعہ النساء و عن لحوم الحمر الاھلیہ زمن خیبر۔

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تحقیق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ متعہ سے منع فرمایا اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے بھی ایامِ خیبر میں منع فرمایا۔

(۱) ترمذی شریف ص ۱۳۳، باب ما جاء فی نکاح المتعہ، طبع دہلی۔

(۲) مسلم شریف ص ۴۵۲، ج۱، تحت باب نکاح المتعہ، طبع دہلی۔

(۳) مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۲، فصل الاول باب اعلان النکاح، طبع دہلی۔

(۴) کنزالعمال ص ۲۹۴، ج۸، روایت ۵۰۳۷، باب المتعہ، طبع حیدر آباد دکن۔

(۵) جامع الاصول للجزری ص ۱۳۲-۱۳۳، ج۱۲، تحت ابحاث متعہ۔

(ب) ... عن عبداللہ والحسن ابن محمد بن الحنفیہ عن ابیھما ان علیا مربا بن عباس وھو یفتی فی متعہ النساء انہ لاباس بھا۔ قال لہ علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عنھا ومن لحوم الحمر الاھلیہ یوم خیبر۔(۱)

روایت ہذا کا مفہوم یہ ہے کہ عبداللہ اور حسن اپنے والد محمد بن الحنیفہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے درآنحالیکہ وہ متعہ النساء کے جواز کا قول کرتے ہوئے کہتے تھے کہ متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں تو اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ النساء سے منع فرمایا ہے اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے بھی خیبر کے دن منع فرمایا۔

(۱) کتاب السنن لسعید بن منصور ص ۲۱۰، ج۹، روایت نمبر ۸۴۹، باب ما جاء فی المتعہ۔

(۲) المصنف لعبد الرزاق ص ۵۰۱، ج۷، باب المتعہ، طبع مجلس علمی۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۳) طحاوی شریف ص ۹۴ ج ۲ باب نکاح المتعہ، طبع دہلی۔
(۴) مسلم شریف ص ۴۵۲، ج ۱ باب نکاح المتعہ، طبع دہلی۔
(۵) بخاری شریف ص ۷۶۷، ج ۲ باب نھی رسول اللہ ﷺ من نکاح المتعہ، طبع دہلی۔
(۶) المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۹۲، ج ۴، تحت نکاح المتعہ وحرمتھا طبع حیدر آباد، دکن۔
(۷) تاریخ بغداد للخطیب بغدادی ص ۹۰۲ ج ۶، تحت ابراہیم بن شریک، طبع مصر۔
(۹) کتاب التمہید لابن عبدالبر ص ۹۸، ج ۹ تحت روایات ابن شہاب عن عبداللہ والحسن۔
(۱۰) کنزالعمال ص ۲۹۵، ج ۸، روایت نمبر ۵۰۵۹، باب المتعہ، طبع دکن۔
(۱۱) تفسیر کبیر للرازی ص ۲۸۷، ج ۳، تحت آیہ متعہ انما استمتعتم، الخ۔

اسی روایت کو ابو جعفر محمد النحاس (المتوفی ۳۳۸ھ) نے اپنی تصنیف میں بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے اور اس پر بطور نتیجہ کے عمدہ کلام کیا ہے۔ ناظرین کرام کے فائدہ کے لیے ان کی عبارت بلفظہ نقل کی جاتی ہے۔

... حدثنا عبدالله بن محمد بن اسماء قال حدثنا جويريه عن مالك بن انس عن الزهرى ان عبدالله بن محمد بن على بن ابى طالب والحسن بن محمد حدثاه عن ابيهما انه سمع على بن ابى طالب يقول لابن عباس انك رجل تائه يعنى مائل ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المتعه... قال ابوجعفر) ولهذا الحديث طرق فاخترنا هذا لصحته والجلاله جويريه من طريق اسماء ولان ابن عباس رضی اللہ عنہ لما خاطبه على رضى الله عند بهذا لم يحاججه- فصار تحريم المتعه اجماعا- لان الذين يحلونها اعتمادهم على ابن عباس-(۲)

(کتاب الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم لابی جعفر النحاس ص ۱۰۴، باب ذکر الآیہ السادسہ، طبع قدیم مصر)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

مذکورہ بالا روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تم ایک طرف میلان رکھنے والے شخص ہو۔ (مسئلہ حق سے ایک طرف مائل ہونے والے ہو)

تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ (النساء) سے منع فرمایا...

ابو جعفر محمد النحاس کہتے ہیں کہ اس حدیث کے لیے متعدد طریقے ہیں اور ہم نے راوی جو یہ کی جلالت شان کی بنا پر اس روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے اختیار کیا ہے اور (دوسری بات) یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خطاب کر کے متعہ کے جواز کے قول سے منع فرمایا تو جواباً ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کوئی حجت اور دلیل پیش نہیں کی اور اس میں نزاع کھڑا نہیں کیا۔

پس اس بنا پر متعہ کی تحریم کا مسئلہ اجماعی ہوگیا۔ اس لیے کہ جو لوگ متعہ کی حلت کا قول کرتے ہیں، ان کا اعتماد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول پر ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کی اور کوئی مخالفت نہیں کی تو اس طرح تحریم متعہ پر اتفاق و اجماع ثابت ہوگیا۔

(ج) نیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اسی مسئلہ میں ایک دیگر مرفوع روایت مروی ہے کہ

... عن اياس بن عامر عن علی بن ابی طالب قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المتعه۔ قال وانما كانت لعانب لم يجد فلما نزل النكاح والطلاق والعده والميراث بين الزوج المراه نسخت۔(۳)

روایت ہذا کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ (النساء" سے منع فرمایا اور آنموصوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ متعہ اس شخص کے لیے تھا جس نے نکاح کو (تاحال) نہیں پایا۔ پس جب نکاح، طلاق اور عدت کے احکام نازل کیے گئے اور زوجین میں میراث کے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

احکام پائے گئے تو متعہ منسوخ کر دیا گیا۔

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی ص۲۰۷، ج۷، کتاب النکاح، طبع دکن۔

(۲) کنزالعمال ص۲۹۵، ج۸، کتاب النکاح باب المتعہ، روایت نمبر۵۰۹۸۔

(۳) مجمع الزوائد للہیثمی ص۲۶۵ تحت نکاح المتعہ، طبع مصر۔

(ذ) اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مسئلہ کے لیے کبار علماء نے ایک اور تصریح ذکر کی ہے جس میں مذکور ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرمایا ہے کہ متعہ (النساء) کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ بخاری شریف میں یہ بات بہ عبارت ذیل مذکور ہے:

... قال (ابو عبداللہ البخاری) وقد بینہ علی من النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ منسوخ۔

(بخاری شریف ص۷۶۷، جلد ثانی، باب نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نکاح المتعہ)

مختصر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرما دیا کہ متعہ کا جواز منسوخ ہو چکا ہے اور اسلام میں اس کی اباحت ختم کر دی گئی ہے۔

الزامیات

اس کے بعد شیعہ صاحبان کی اصول کی کتابوں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہم بطور الزام ذکر کرتے ہیں۔ اس میں متعہ کو بفرمانِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ائمہ کرام نے حرام قرار دیا ہے اور ممنوع بتلایا ہے۔

کتب اصول اربعہ میں سے کتاب تہذیب الاحکام ابو جعفر الطوسی شیعہ کی تصنیف ہے۔ اس میں آنموصوف نے اپنی سند کے ساتھ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا ہے کہ

... عن علی علیہ السلام قال حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم خیبر لحوم الحمر الاھلیہ ونکاح

[Website: DifaAhleSunnat.com]

المتعہ۔(۱)

(تہذیب الاحکام الشیخ جعفر الطوسی الشیعی ص۹۸۶ تحت کتاب النکاح، تحت تفصیل احکام النکاح، مطبوعہ ایران قدیم)

اسی طرح یہ فرمانِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ان احباب کی دوسری اصول کی کتاب "الاستبصار" لابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی میں بھی منقول ہے، ملاحظہ ہو:

... عن علی علیہ السلام قال حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحوم الحمر الاھلیہ ونکاح المتعہ۔(۲)

(الاستبصار لابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی الشیعی ص۱۴۲ ج۳، تحت ابواب متعہ، مطبوعہ ایران)

ان ہر دو روایات مندرجہ کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے روز پالتو گدھوں کا گوشت اور متعہ کا نکاح حرام قرار دیا ہے (اور دونوں چیزوں سے منع فرمادیا)

مطلب یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ "متعہ شرع میں حرام ہے۔" اس کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔ یہ مرفوع روایت ہے اور ان کے ائمہ کرام سے باسند مروی ہے اور شیعہ احباب کی متعدد و معتبر کتب اصول میں موجود ہے۔ فلہذا اس فرمان کے صحیح ہونے میں کچھ اشتباہ نہیں۔

نیز (متعہ کے عدم جواز کا) یہ مسئلہ ان کی اصول کی کتاب "فروع کافی" کتاب الروضہ میں بھی درج ہے۔ وہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں متعہ کو ناجائز رکھا اور اس کو جائز قرار دے کر رائج نہیں کیا۔

مقام مذکور میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک مفصل خطبہ مذکور ہے۔ اس میں کم و بیش اٹھائیس (۲۸) عدد اشیاء کو شمار فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک متعہ کا مسئلہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

بھی ہے۔

تطویل عبارت سے گریز کرتے ہوئے ہم صرف مقصد کے مطابق بقدر ضرورت الفاظ نقل کرتے ہیں۔

... لو ... امرت باحلال المتعتین... انا لتفرقوا عنی... الخ۔(۳)

یعنی جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ متعہ حج و متعہ زنان کے حلال ہونے کا فرمان میں صادر کروں... تو لوگ مجھ سے متفرق ہو جائیں گے۔ (اور علیحدہ ہو جائیں گے)

(۱) فروع کافی ص۲۹، ۳۰، ج۳، کتاب الروضہ تحت خطبۃ الامیرالمومنین علیہ السلام طبع نول کشور، لکھنؤ۔

(۲) کتاب الروضہ من الکافی ص۹۶، ۱۰۷، تحت خطبہ نمبر۲۱، طبع تہران۔

کتاب الروضہ میں خطبہ علوی سے یہ بات واضح ہوئی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جہاں دیگر متعدد احکامات سابقہ طریقہ پر جاری رہے اور ان کے خلاف حضرت موصوف نے نہیں کیا ان میں سے ایک متعہ النساء کا مسئلہ بھی ہے۔ اس کو سابقہ خلفاء راشدین کے معمول کے مطابق ناجائز ہی قرار دیا یعنی اس کے سابق حکم کو تبدیل نہیں کیا اور جواز کا حکم صادر نہیں فرمایا۔ درآں حالیکہ یہ ان کی اپنی خلافت راشدہ کا دور تھا۔ آنموصوف رضی اللہ عنہ پر کوئی پابندی یا دباؤ نہیں تھا۔ مطلقاً آزاد تھے اور امام عادل کے اوصاف سے متصف تھے۔ ان حالات میں تقیہ کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں تھا۔

افادہ برائے ناظرین کرام

دونوں فریق کی کتب معتبرہ سے بفرمان ابوالائمہ (جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) مسئلہ واضح ہوگیا کہ شرع اسلام میں عورتوں کے ساتھ متعہ کرنا ممنوع ہے، قطعاً حلال

[Website: DifaAhleSunnat.com]

نہیں۔

تو پھر یہ متعہ کے حامی دوست کیوں اس کا ارتکاب کرتے ہیں؟؟ اس کا جواب ان لوگوں کی طرف سے ان کے رہنماؤں نے یہ تیار کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے متعہ کو ناجائز اور حرام فرمایا اور اپنے عہد خلافت میں اسی حکم کو نافذ رکھا لیکن:

- جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شیر خدا نے اس مسئلہ میں تقیہ کیا تھا... الخ۔
- اور دوسرا یہ کہ روایت ہذا عامتہ الناس (اہل السنہ والجماعۃ) کے مذہب کے موافق ہے اور قاعدہ ان کے ہاں یہ جاری ہے کہ

قاعدہ

دعوا ما وافق القوم فان الرشد فی خلافهم... الخ (۴)

یعنی جو روایت قوم (اہل السنہ والجماعۃ) کے موافق آجائے، اس کو چھوڑ دو کیونکہ رشد وہدایت ان کے خلاف کرنے میں پائی جاتی ہے۔

(۱) اصول کافی ۶ (ابتدائی خطبہ کتاب) طبع قدیم، لکھنؤ۔

(۲) مراۃ العقول ص ۲۲، جلد اوّل، طبع ثانی، تہران۔

فلہذا شیعہ علماء کے اس ضابطہ تیار کرنے کا نتیجہ یہی ہے کہ اہل اسلام کے ساتھ مسائل میں ان کا اختلاف و افتراق قائم رہتا ہے اور اسی وجہ سے دونوں فریق ایک دوسرے کے قریب نہیں ہوسکتے۔

بہرکیف ان دوستوں کے ہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرامین کا بہتر جواب جو دیا جاتا ہے، وہ ہم نے پیش کر دیا ہے (یعنی وہ تقیہ ہے) ان کے ماسوا ان کے پاس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات کا کوئی معقول جواب نہیں۔

اب ناظرین کرام مندرجات بالا پر تدبر کی نظر فرما کر خود فیصلہ کریں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تمام عہد خلافت کو تقیہ پر محمول کرنا اور آنموصوف رضی اللہ عنہ میں تمام عادلانہ اوصاف اور شجاعت کے جمیع کمالات تسلیم کر لینے کے باوجود پھر بھی "مصلحت بینی" اور "دفع وقتی" پر عملدر آمد کرنے کا جواب بنانا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا اور کوئی منصف مزاج اور فہمیدہ آدمی اسے درست نہیں مان سکتا۔ یہ بات تو حضرت شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ولایت اور شان شجاعت اور شان دیانت و راست بازی اور راست کرداری سب کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حق بات قبول کرنے کی توفیق بخشے۔

الزام کا اختتام

اب ہم یہاں ایک چیز الزامیات کے آخر میں ذکر کرتے ہیں۔ ناظرین کرام اس پر بغور نظر فرمالیں۔ "نہج البلاغہ" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام میں امام زمان کے فرائض بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں فرمایا ہے کہ امام پر اپنے رب کی طرف سے مندرجہ ذیل چیزوں کے ادا کرنے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

(۱) (قوم کو) وعظ و موعظت کا ابلاغ کرنا اور پہنچانا۔

(۲) (قوم کے حق میں) نصیحت و خیر خواہی کرنے میں سعی کرنا۔

(۳) سنت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کو زندہ کرنا۔

(۴) جو حد لگانے کے مستحق ہیں، ان پر حدود اللہ کو جاری کرنا اور قائم کرنا۔

(۵) حق داروں کے حقوق کو ان کی طرف اعادہ کرنا اور لوٹانا۔

...انه ليس على الامام الى ما حمل من امر ربه الا بلاغ فى الموعظه والاجتهاد فى النصيحه والاحياء للسنه واقامته الحدود على مستحقيها واصدار السهمان على اهلها۔

(نہج البلاغہ ص ۲۰۲، جلد اوّل، طبع مصر، من خطبہ لہ علیہ السلام حتیٰ بعث اللہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ شہیدا و بشیر--- الخ)

مقصد یہ ہے کہ یہ امام عادل اور خلیفہ منصف کے اوصاف اور فرائض منصبی ہیں۔ ان میں اپنے پیغمبر کریم کی سنتوں کا احیاء کرنا اور ان کے طریقوں کا زندہ کرنا امام کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ ان تقاضوں کی روشنی میں متعہ کے مسئلے کا حل کرنا اور اس کا فیصلہ فرما کر عمل درآمد کرنا اور اس کے نفاذ کا حکم جاری کرنا بھی اس میں شامل ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کو اپنے دورِ خلافت میں کس طرح حل فرمایا؟ اور کیا حکم دیا؟؟ پس اس چیز کو معلوم کرلیں تو دیگر کسی بحث و تکرار کی حاجت نہیں رہے گی اور اس کو ہم نے قبل ازیں گزشتہ اوراق میں ذکر کر دیا ہے۔

یعنی--- حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور امامت و ایام خلافت میں فرائض منصبی کو ادا کرتے ہوئے فرمانِ نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی میں متعہ کے عمل سے منع فرمایا اور اس کے جواز پر عمل درآمد نہیں کیا۔

نیز قوم کے حق میں نصیحت و خیرخواہی فرماتے ہوئے انسداد متعہ کے طریقہ کو بہتر قرار دیا اور جواز متعہ کے طریقہ کو فروغ نہیں دیا۔ یہ تمام کام انہوں نے امام کے فرائض کے موافق کیا۔

ازالہ شبہات

مسئلہ متعہ کی بحث میں شیعہ کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے کے لیے درج ذیل قول پیش کیا جاتا ہے کہ

حضرت علی فرماتے تھے کہ عمر بن الخطاب نے سبقت کر کے متعہ کو بند نہ کر دیا ہوتا تو سوائے کسی بدبخت کے اور کوئی زنا میں مبتلا نہ ہوتا۔

(مقبول احمد صاحب الشیعی دہلوی لکھتے ہیں کہ یعنی عمر نے غصباً خلافت لے لی اور اپنے وقت میں متعہ سے ممانعت کر دی)[1]

---

[1] حاشیہ مقبول احمد صاحب الشیعہ دہلوی ص ۹۷... تحت آیہ متعہ پ ۵، طبع دہلی۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

درجہ جواب

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے منسوب اس قول کے جواب میں چند چیزیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں، ان پر نظر غائر کرنے سے اس روایت کے بے اصل ہونے میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہے گا۔

(۱) معترض لوگوں نے جس کتاب سے یہ قول ذکر کیا ہے، اس میں اس طرح مذکور ہے کہ

... قال الحکم قال علی لولا نھی عمر عن المتعہ ما زنیٰ الا شقی۔

(۱) مقصد یہ ہے کہ الحکم بن عتبۃ الکندی نے یہ قول اپنے سامعین کے سامنے بیان کیا--- الحکم الکندی مذکور کی ولادت علماء رجال نے ۵۰ ہجری میں ذکر کی ہے جبکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات ۴۰ ہجری میں ہو چکی تھی گویا کہ الحکم الکندی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات کے دس سال کے بعد پیدا ہوئے۔ پھر الحکم بارہ، چودہ سال کے بعد سن شعور کو پہنچے۔ اس دوران بائیس، چوبیس سال بعد الحکم کو خدا جانے کس شخص نے یہ قول ذکر کیا؟؟ اور کیسے افراد کے ذریعے یہ انہیں پہنچا؟؟

بہرکیف الحکم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور کو نہیں پایا۔ بس ان دونوں حضرات میں انقطاع زمانی بین طور پر موجود ہے۔ فلہذا یہ روایت سنداً منقطع ہے۔ (متصل نہیں ہے) اور روایت ہذا مرسل بھی ہے۔

○ نیز یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دیگر روایات اور آنموصوف رضی اللہ عنہ کے فرمودات جو حرمت متعہ کے بارے میں صحیح اسانید کے ساتھ پائے جاتے ہیں اور شیعہ سنی دونوں فریق کی کتب میں مذکور ہیں جیسا کہ قبل ازیں باحوالہ درج کر دیا ہے۔ یہ قول ان کے خلاف ہے۔ فلہذا یہ شاذ روایت کے درجہ میں ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ قول مرتضوی سنداً منقطع اور مرسل ہے اور متن کے لحاظ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

سے صحیح روایات کے مقابل ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔

بنابریں اس قول پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور فن کے ضوابط کے اعتبار سے اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) معترضین کی طرف سے سابق قول کی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک دیگر قول پیش کیا جاتا ہے اور اس میں بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنا مقصود ہے۔ وہ قول اس طرح نقل کرتے ہیں کہ

... ان علیا قال... لو لا ما سبق من رای عمر بن الخطاب لامرت بالمتعه ثم مازنی الاشقی۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے متعہ کے بارے میں اگر سبقت نہ کر جاتی تو میں متعہ کے جواز کے متعلق حکم دیتا تو پھر بدبخت کے سوا کوئی شخص زنا نہ کرتا۔

درجہ جواب---(ابن جریج کی روایت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ قول بعض کتابوں میں مندرجہ ذیل طریقہ سے منقول ہے کہ

... قال ابن جریج اخبرنی من اصدق ان علیا قال... الخ

یعنی ابن جریج کہتا ہے کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس کو میں صادق سمجھتا ہوں اور اس کی تصدیق کرتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں یہ بیان کیا لو لا ما سبق... الخ۔

اس قول مرتضوی رضی اللہ عنہ کے جواب میں ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں جن کے ملاحظہ کر لینے کے بعد اس قول کا بے وزن اور غیر مقبول ہونا واضح ہو جائے گا۔ مندرجہ ذیل معروضات پر توجہ فرمائیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۱) ایک بات تو یہ ہے کہ اس قول کا ناقل ابن جریج ہے اور ابن جریج کا انتقال ۱۵۰ ہجری میں ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا انتقال ۴۰ ہجری میں ہوا۔ اس طرح یہاں درمیانی عرصہ (قریباً ۱۱۰ سال) کے وسائط اور رواۃ غیر مذکور میں ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ خدا جانے وہ کیسے اور کس طرح کے لوگ تھے؟؟؟

پس یہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت اور ابن جریج کے دور حیات کے درمیان بین انقطاع پایا گیا۔

فلہذا یہ قول "منقطع" ہے (متصل الاسناد نہیں ہے) اور مرسل بھی ہے۔

(۲) دوسری چیز یہ ہے کہ علماء رجال نے ابن جریج کی توثیق اور مدح کی چیزیں ذکر کی ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے ابن جریج کے حق میں درج ذیل امور بھی لکھ کر تصویر کا دوسرا رُخ پیش کیا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی تصنیف تہذیب التہذیب میں دار قطنی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

... قال الدارقطنی تجنب تدلیس ابن جریج فانه قبیح التدلیس لا یدلس الا فی ما سمعه من مجروح۔ (۱)

یعنی دار قطنی کہتے ہیں: ابن جریج مدلس ہے۔ اس کی تدلیس سے بچنا چاہیے کیونکہ ابن جریج قبیح التدلیس ہے۔ یہ تدلیس اس موقعہ میں کرتا ہے جہاں اس نے مجروح شیخ سے سنا ہو۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ص۴۰۵-۴۰۶، ج۶، تحت ترجمہ ابن جریج)

نیز ابن حجر نے تہذیب التہذیب کی جلد رابع میں لکھا ہے کہ ابن جریج جن بعض روایات میں ارسال کرتا ہے اور مرسل روایات لاتا ہے تو وہ بعض روایات موضوع ہوتی ہیں اور ابن جریر اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کیسے شخص سے روایت لے کر بیان کر رہا ہے۔

... بعض تلک الاحادیث التی کان یرسلها ابن جریج

[Website: DifaAhleSunnat.com]

احادیث موضوعہ- کان ابن جریج لا یبالی عن من اخذھا-

(۱) تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ص ۲۴۴ ج ۴ تحت ترجمہ سنید بن داؤد المصیفی-

(۲) میزان الاعتدال للذہبی ص ۶۵۹، ج ۲، تحت عبدالملک، بیروت-

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوئی کہ ابن جریج مدلس ہے اور قبیح تدلیس کرتا ہے اور مجروح راویوں سے روایت لے کر تدلیس کر دیتا ہے- (یعنی اپنے شیخ کو بیان نہیں کرتا) اور اس کی روایات مرسل بھی ہوتی ہیں اور ان مرسل روایات میں بعض دفعہ کئی موضوع چیزیں بھی ذکر کر دیتا ہے- اس وجہ سے ابن جریج کی روایات پر علی الاطلاق اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور اس کی مرویات کو بغیر تحقیق و تنقیح کے قبول نہیں کیا جاتا اور مندرجہ بالا روایت جو اس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی ہے- وہ بھی اسی نوع کی روایت معلوم ہوتی ہے- اس بنا پر یہ روایت قابل تسلیم نہیں ہے-

(۳) اور حافظ ابن حجر نے اسی مقام میں امام شافعیؒ کے فرمان کے حوالہ سے ابن جریج کے متعلق ایک عجیب انکشاف کیا ہے- اہلِ علم کی تسلی کے لیے اصل عبارت نقل کی جاتی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

... قال الشافعی رحمہ اللہ علیہ استمتع ابن جریج بسبعین امراہ-

تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ص ۴۰۵-۴۰۶، ج ۶، تحت ابن جریج، طبع اوّل، دکن-

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ابن جریج جواز متعہ کا صرف قائل ہی نہیں بلکہ خود فاعل بھی تھا اور اس نے ستر عورتوں کے ساتھ متعہ کیا-

علماء نے لکھا ہے کہ ابن جریج متعہ کے جواز کا قائل تھا اور اس نے بصرہ میں

[Website: DifaAhleSunnat.com]

جواز متعہ کے لیے اٹھارہ (۱۸) احادیث بیان کیں۔

ابنِ جریج کا رجوع

لیکن اس کے بعد علماء فرماتے ہیں کہ اس نے جواز متعہ کے قول سے رجوع کر لیا اور اپنے جواز کے فتویٰ کو واپس لے لیا۔

... ویحکی عن ابن جریج جوازها۔ وقد نقل ابو عوانه فی صحیحه عن ابن جریج انه رجع عنها بعد ان روی بالبصره فی اباحتها ثمانیه عشر حدیثا۔

(فتح الباری شرح بخاری شریف ص ۱۴۲، ج۹، تحت باب نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن النکاح المتعہ)

ان حضرات نے مندرجہ بالا مضمون کو دوسرے مقام میں بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

... قال (ابن جریج) بالبصره اشهدوا انی قد رجعت عنها یعنی عن الفتوی بحل المتعه بعد ان حدثهم ثمانیه عشر حدیثا انه لا باس به۔

(تفسیر مظہری ص ۷۷، ج۲، تحت آیت فما استمتعتم بہ، پ۵)

تنبیہ

فتح الباری اور تفسیر مظہری کے حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ متعہ کے جواز کے حق میں ابن جریج نے کئی روایات نشر کر دیں۔ خدا جانے ابنِ جریج کی وہ روایات کہاں کہاں پہنچیں اور روایات کے ذخائر میں انہوں نے کہاں کہاں جگہ پائی؟؟

یہاں یہ بات ذکر کرنا مفید ہے کہ مسئلہ متعہ کے بارے میں جہاں ابنِ جریج

[Website: DifaAhleSunnat.com]

کے حوالہ سے مواد پایا جائے تو اس کو بغیر تحقیق و تنقیح کے بالکل قبول نہ کیا جائے اور اس پر اعتماد نہ کیا جائے۔

اس بزرگ نے اگرچہ بعد میں اپنے قول سے رجوع کر لیا لیکن متعہ کی متعلقہ روایات کو اس نے مشکوک بنا ڈالا اور ان میں کئی شبہات پیدا کر دیئے اور لوگ اس کی نشر کی ہوئی روایات کے ذریعے غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔

اور لطف یہ ہے کہ یہ خود ان روایات سے دستبردار ہو گیا۔ اب ان کی صحت پر کیسے اعتماد و اعتبار کیا جا سکتا ہے؟؟ غور فرماویں۔

دیگر تنبیہہ

اہلِ علم کی معلومات میں اضافہ کے لیے ایک مزید چیز ابن جریج کے متعلق ذکر کی جاتی ہے جو شیعہ احباب کی معتبر و معتمد کتب میں ائمہ کی زبانی مذکور ہے۔

فروع کافی میں ہے کہ شیعہ کے ایک راوی اسماعیل بن الفضل الہاشمی نے کہا کہ

...سالت اباعبدالله علیه السلام عن المتعه فقال الق عبدالملک بن جریج فاسئله عنها فان عنده منها علما فلقیته فاملی علی منها شیا کثیرا فی استحلالها۔

کافی کی اس روایت معتبر کے ذریعہ یہ بات واضح ہوئی کہ ابن جریج شیعہ کے ہاں معتمد شخصیت ہے اور اس کے پاس جواز متعہ کی روایات کا مواد کافی وافی موجود ہے اور وہی اس نے مختلف ذرائع سے لوگوں میں نشر کیا۔

اہل السنہ کی کتابوں میں وہ مواد پھیلایا اور شیعہ نے بھی اس سے مواد حاصل کیا اور عجیب بات یہ ہے کہ ابن جریج نے آخر آخر میں بصرہ میں متعہ کے جواز سے رجوع کر لیا، جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں درج کر دیا ہے۔ چیست یاران طریقت بعد

[Website: DifaAhleSunnat.com]

زیں تدبیر ما (ترجیع) اب ایسے شخص کے اقوال کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طعن کرنا اور اعتراض وارد کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟؟ ناظرین کرام انصاف کے ساتھ خود فیصلہ فرمائیں۔ مقصد یہ ہے کہ

(۱) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایات متعہ کے منع کے متعلق وارد ہیں اور پھر شیعہ کی کتب میں بھی منع کی روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں اور ان کی اصول کی معتبر کتابوں میں درج کی گئی ہیں۔ (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس کا بیان ہو چکا ہے)

(۲) اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی متعہ کو جائز قرار دینے سے منع فرمایا ہے۔

(۳) اور جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اپنی خلافت راشدہ کے دور میں متعہ کو رائج اور نافذ نہ کر کے عملاً اس بات کی تصدیق اور تائید کر دی کہ یہ فعل اسلام میں ناجائز ہے اور یہ طریقہ ترویج اور تنفیذ کے قابل نہیں بلکہ ترک کر دینے کے لائق ہے۔

(۴) باقی ہماری کتابوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو اقوال جواز متعہ کے لیے پیش کیے جاتے ہیں، وہ قطعاً صحیح نہیں اور بالکل بے بنیاد ہیں۔

ان اقوال کے غیر صحیح اور غیر مقبول ہونے کو ہم نے گزشتہ صفحات میں دلائل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

آخر بحث

اصولی ضابطہ

اب یہاں ایک اصولی قاعدہ بیان کر کے اختتام بحث کیا جاتا ہے۔ متعہ کے مسئلہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مرویات (جواز متعہ و عدم جواز متعہ) دونوں

[Website: DifaAhleSunnat.com]

طرح کی اگر بالفرض والتقدیر تسلیم کرلی جائیں تو بھی یہاں ایک اصولی قاعدہ جاری ہوگا جو بین الفریقین مسلم ہے اور دونوں فریق میں وہ معمول بہا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ--- ہرگاہ کہ دو دلیل مستاوی در قوت و یقین متعارض نمائید در حلت و حرمت، حرمت را مقدم باید داشت۔

(۱) تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۰۳، تحت طعن یازدہم از مطاعن فاروقی، طبع سہیل اکیڈمی، لاہور۔
(۲) تفسیر روح المعانی ص ۷، ج ۵، تحت آیۃ فما استمتعتم بہ۔

مطلب یہ ہے کہ جب حلت و حرمت میں دلیلیں متعارض پائی جائیں تو اصولی ضابطہ کا تقاضا یہ ہے کہ محرم کو مبیح پر ترجیح دی جائے گی اور حرمت کو حلت پر مقدم رکھا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ متعہ کو حرام قرار دینے والی روایات پر عمل درآمد ہوگا جواز والی مرویات متروک العمل ہوں گی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مسئلہ متعہ کے متعلق ایک خطبہ منقول ہے، جس میں انہوں نے متعہ النساء کے حرام ہونے کے متعلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا واضح طور پر اعلان فرمایا۔

چنانچہ محدثین نے اپنی اپنی سند کے ساتھ اس خطبہ کو نقل کیا ہے کہ

... عن ابن عمر قال لما ولی عمر بن الخطاب خطب الناس فقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اجاز لنا فی المتعه ثلاثا - ثم حرمها - والله لا اعلم احدا یتمتع وهو

مطلب یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میرے والد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ایک موقعہ پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین ایام کے لیے متعہ کے متعلق ہمیں

[Website: DifaAhleSunnat.com]

محصن الا رجمته بالحجاره الا ان یاتینی باربعه یشهدون ان رسول الله (صلی الله علیه وسلم) احلها بعد اذ حرمها۔ (السنن لابن ماجہ ص ۱۴۲، باب نہی عن النکاح المتعہ، طبع نظامی دہلی، فتاویٰ عزیزی ص ۱۹، ج ۲، تحت حرمت متعہ)

اجازت دی تھی۔ اس کے بعد آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ کو حرام کردیا۔ اب اگر کوئی شادی شدہ شخص متعہ کرے اور مجھے معلوم ہو جائے تو اسے میں پتھروں کے ساتھ رجم کروں گا مگر یہ صورت پائی جائے کہ وہ میرے پاس چار گواہ لائے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ کو حرام کر دینے کے بعد حلال کر دیا تھا۔ (تو رجم نہیں کیا جائے گا)

(الف) مسئلہ ہذا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی مختصر مجلس میں بیان نہیں فرمایا بلکہ عام مجلس میں خطبہ دے کر متعہ کے حرام ہونے کا اعلان فرمایا تاکہ سب لوگوں کو معلوم ہو جائے۔

(ب) نیز متعہ کے حرام ہونے کا بیان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی جانب سے ازخود نہیں کیا بلکہ اس کی نسبت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا "ابلاغ" اور "اظہار" فرمایا۔ فلہذا یہ نہی (متعہ النساء) کے لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم نہیں۔

اسی چیز کو علماء نے اپنی مشہور تصانیف میں ذکر کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں کہ

... وانما نهی عنها مستندا الی نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم وقد وقع التصریح عند بذالک فیما

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ کے متعلق جو نہی ذکر کی ہے۔ وہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کی ہے۔ اس بات کی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اخرجه ابن ماجه من طريق ابی بکر بن حفص عن ابن عمر قال لما ولی عمر خطب فقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذن لنا فی المتعه ثلاثا ثم حرمها واخرج ابن منذر والبیهقی من طریق سالم بن عبدالله بن عمر بن ابیه قال صعد عمر رضی الله عنه لمنبر فحمد الله واثنی علیه ثم قال ما بال رجال ینکحون هذه المتعه بعد نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عنها۔ (فتاویٰ عزیزی (از شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ دہلوی) ص۱۹، ج۲، تحت حرمت متعہ، فتح الباری شرح بخاری شریف ص۱۴۱، ج۹، طبع قدیم، مصر تحت باب نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن النکاح المتعه آخرا)

تصریح اس روایت میں موجود ہے جو ابن ماجہ نے ابوبکر بن حفص عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طریق سے ذکر کی ہے۔ اس روایت میں ابن عمر کہتے ہیں کہ جب (میرے والد) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ایک موقعہ پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین (ایام) کے لیے متعہ کے متعلق ہمیں اجازت دی۔ پھر اس کے بعد جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو حرام قرار دے دیا اور ابن منذر اور بیہقی نے سالم بن عبداللہ عن ابیہ کے طریقہ سے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے متعہ سے نہی کے بعد بھی متعہ کا نکاح کرتے ہیں؟؟

اور دیگر یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان اگر بالفرض صحیح نہیں تھا اور غلط تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی مخالفت ضرور کرتے اور خاموش ہرگز نہ رہتے۔

پھر اس اعلان پر اس دور کے اکابر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً

[Website: DifaAhleSunnat.com]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) وغیرہم کا مخالفت نہ کرنا اور اس کے خلاف آواز نہ اٹھانا اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ حضرات خود اس مسئلہ پر متفق تھے کہ زبانِ نبوت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے متعہ کو حرام کر دیا گیا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا حکم نہیں ہے۔

چنانچہ امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ نے اسی مسئلہ کو بطور وضاحت کے عبارت ذیل میں ذکر کیا ہے۔

---قال ابوجعفر فهذا عمر رضی اللہ عنہ قد نهى عن متعه النساء بحضره اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلم ينكر ذالك عليه منهم منكر- وفى هذا دليل على متابعتهم له على ما نهى عنه من ذالك وفى اجماعهم على النهى فى ذالك عنها دليل على نسخها وحجه-

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی مجلس میں اور ان حضرات کی موجودگی میں متعہ النساء سے ممانعت کا اظہار فرمایا تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف کسی نے انکار نہیں کیا اور آنموصوف کے خلاف کسی نے آواز نہیں اٹھائی۔

(۱) شرح معانی الآثار للطحاوی، ص۹۵، ج۲، باب نکاح المتعہ، دہلی۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری شریف ص۱۴۳، ج۹، طبع قدیم، مصر۔

پس یہ چیز اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی متعہ پر نہی کرنے کی موافقت اور متابعت کی--- لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ممانعت متعہ پر اتفاق کر لینا متعہ کے منسوخ ہو جانے پر دلیل اور حجت ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

حاصل کلام یہ ہے کہ درحقیقت حضرات صحابہ کرام کو اس حکم (متعہ) کا نسخ پہلے معلوم ہوچکا تھا۔ اس بناء پر انہوں نے اس موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کی تردید یا مخالفت نہیں کی؛ بلکہ اس پر اتفاق کیا۔

مسئلہ ہذا کی تائید

امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ کا کلام جو یہاں درج کیا گیا ہے، اب اس کی تائید میں دیگر علماء کی تحقیق پیش کی جاتی ہے۔ اس میں بھی اسی طرح مسئلہ کی وضاحت پائی جاتی ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ متعہ کے ممنوع ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع کرلینا یہ اس کے منسوخ ہونے پر حجت و دلیل ہے اور اس مسئلہ کی مزید وضاحت کبار علماء نے بطور ضابطہ کے اس طرح ذکر کی ہے کہ

مسئلہ میں اصل ناسخ "اجماع" نہیں بلکہ ناسخ دلیل شرعی ہے اور اجماع دال علی الناسخ اور مظہر للناسخ ہے کیونکہ علی مذہب الصحیح کتاب و سنت کے لیے اجماع ناسخ نہیں ہوسکتا۔

علامہ ابن الصلاح نے "علوم الحدیث" میں یہ قاعدہ ذکر کیا ہے:

والاجماع لا ینسخ ولا ینسخ ولکن یدل علی وجود النسخ غیرہ۔ (علوم الحدیث لابن اصلاح ص۲۵۱، النوح الرابع والثلاثون (۳۴) تحت معرفہ ناسخ الحدیث منسوخہ)

اور علامہ بدر الدین العینی نے شرح ہدایہ میں اس مضمون کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے۔

... ثم اجتمعت الصحابہ رضی اللہ عنہم علی ان المتعہ قد انتسخت فی حیاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانت الاحادیث ناسختہ والا جماع مظہر لان

[Website: DifaAhleSunnat.com]

نسخ الکتاب والسنتہ بالاجماع لیس بصحیح علی المذھب الصحیح۔

(البنایہ فی شرح الھدایہ بدر الدین العینی ص ۸۴، ج۶، تحت کتاب النکاح، طبع ملتان)

حاصل یہ ہے کہ مسئلہ متعہ میں نسخ تو روایات کے اعتبار سے ہے اور اس کو ظاہر کرنے والا اجماع ہے کیونکہ اجماع کو ناسخ نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ وہ مظہر نسخ ہوتا ہے۔

(د) نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں یہ بات بڑی وزنی اور معقول فرمائی ہے کہ اس حرمت کے فرمان کے بعد کسی صاحب کے پاس حلت متعہ کا ثبوت موجود ہو تو وہ چار شاہد لا کر اس مسئلہ کو علی رؤس الاشہاد مدلل طریقہ سے ثابت کرے۔ (تب اس کی بات تسلیم کی جائے گی)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ایک تائیدی بیان

گزشتہ سطور میں مسئلہ ہذا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک خطبہ کی تشریحات ذکر کی ہیں اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے ان کی متابعت اور عدم انکار کا بیان ہوا ہے، اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کوشش کا ذکر کیا ہے اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق کر لینے اور اختلاف کو فرو کر دینے کا اظہار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس مسئلہ پر اجتماع ہونے میں جو اختلاف تھا، وہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی سعی سے مضمحل ہو گیا۔

پھر کہتے ہیں کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے فضائل پر یہ مسائل شاہد عادل ہیں کہ ان کے ایام میں بڑے اہم مسائل پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں رفع اختلاف ہو کر ان کا اتفاق و اجماع ہوا۔ (ان میں سے ایک مسئلہ متعہ بھی ہے)

عبارت ذیل میں یہ مضمون مذکور ہے، ملاحظہ فرماویں۔

باید دانست کہ ایں مسئلہ از جملہ آں مسائل است کہ حدیث بر آں

[Website: DifaAhleSunnat.com]

دلالت می کند بتصریح و جمعی از صحابہ بسبب عدم بلوغ حدیث مصرح یا بہ سبب تاویل احادیث بر غیر محل او اختلاف داشتند و بہ سعی فاروق اجماع واقع شد و اختلاف مضمحل گشت وایں مسئلہ باں مسائل شاہد عادل است برفضائل فاروق۔

(قرۃ العینین ص۲۶۵، ۲۶۶، تحت بحث متعہ النساء طبع مجتبائی دہلی از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

ایک شبہ

شیعہ اس مقام میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے کے لیے درج ذیل روایت ہماری کتابوں سے پیش کرتے ہیں کہ

ایک مرتبہ عمر بن الخطاب نے کہا کہ

...متعتان کانتا علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وانا محرمهما و معاقب علیهما متعه الحج ومتعه النساء۔ (حاشیہ مقبول احمد الشیعی ص۹۷، تحت آیت متعہ پ۵، تصنیف مولوی خادم حسین شیعہ "جواز متعہ" ص۹ و ص۴۲-۴۱)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ دو قسم کے متعہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ ان دونوں سے ممانعت کرتا ہوں اور حرام قرار دیتا ہوں اور ان کے مرتکب کو سزا دوں گا۔ ایک متعہ الحج ہے اور دوسرا متعہ النساء ہے۔

روایت مذکورہ بالا کی رو سے شیعہ صاحبان حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر سخت اعتراض قائم کرتے ہیں کہ کسی امر کی حلت اور حرمت کا کتاب و سنّت کے سوا کسی کو حق حاصل نہیں۔

پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کس بنا پر از خود متعہ کو حرام قرار دیتے ہیں؟؟

[Website: DifaAhleSunnat.com]

حالانکہ ان کو کسی چیز کے حلال یا حرام قرار دینے کا کوئی شرعی اختیار نہیں۔

ازالہ

گزشتہ صفحات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کی تشریحات ذکر کرنے میں اصل طعن کا جواب آگیا ہے۔ تاہم اس شبہ کے ازالہ کے لیے ذیل میں مزید چند معروضات پیش کی جاتی ہیں، ان پر نظر غائر کرنے سے اعتراض زائل ہو جائے گا۔

اور متعدد کبار علماء نے اس شبہ کے جوابات اپنی اپنی عبارات میں درج کیے ہیں۔ ان میں سے بالاختصار چند ایک حوالہ جات ناظرین کے لیے تحریر کیے جاتے ہیں۔

اس مقام میں اعتراض مذکور کے جواب میں ایک لغوی اور نحوی چیز ذکر کی جاتی ہے۔ اس فن کے علماء اس موقع پر فرماتے ہیں کہ یہ لفظ (انا احرمھا--- یا انا محرمھما) باب تفعیل سے ہے اور اس کا معنی یہ بھی ہوتا ہے کہ میں حرمت کو ظاہر کرتا ہوں۔

اور یہاں لفظ تحریم کا معنی حلال چیز کو حرام کرنا مراد نہیں بلکہ اس کا معنی حرام چیز کو حرام کہنا ہے، یعنی حرمت کو ظاہر کرنا اور بیان کرنا ہے۔

اس پر قرینہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ۔

(پارہ دہم، پاؤ دوم، سورۃ توبہ)

اس آیت میں لا یحرمون کا معنی حلال چیز کو حرام کر دینے کے نہیں بلکہ حرام کی ہوئی چیز کو حرام کہنے کے معنی میں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مذکور قول کا معنی اور مفہوم یہ ہے کہ میں حرمت ظاہر کرتا ہوں اور اس کی حرمت کو بیان کرتا ہوں اور اس کی تشہیر کرتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تحلیل و تحریم کی نسبت صاحب شرع کے بغیر دوسرے کی طرف صحیح نہیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اور اسی تحریم و تحلیل کے مسئلہ کو ابن قدامہ حنبلی نے اپنی کتاب "المغنی" میں بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

... واما حدیث عمر رضی اللہ عنہ ان صح عنه فالظاہر انه انما قصد الاخبار عن تحریم النبی صلی الله علیه وسلم لها ونهیه عنها اذ لا یجوزان ینهی عما کان النبی صلی الله علیه وسلم اباحه وبقی علی اباحته۔ (المغنی قدامته ص ۱۰۴، جلد ہفتم تحت لایجوز نکاح المتعہ، طبع مصر)

یعنی اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ میں یہ قول صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آنموصوف رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعہ کو حرام کرنے کی خبر دینے یا اس سے منع کر دینے کا ارادہ کیا۔ اس بنا پر کہ جس چیز کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مباح کر دیا ہو اور اس کی اباحت کو باقی رکھا ہو، اس کے منع کر دینے کا کسی کو کوئی جواز اور اختیار نہیں۔

اور شمس الائمہ السرخسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا محمل یہ ذکر کیا ہے کہ ان کو متعہ کے منسوخ ہونے کا علم ہو چکا تھا۔

اس بنا پر انہوں نے متعہ کو ممنوع قرار دیا اور ساتھ ہی تہدید و تنبیہہ بھی کر دی تاکہ لوگ اس فعل سے اجتناب کریں۔ السرخسی فرماتے ہیں کہ

... فانما یحمل هذا علی علمه بالانتساخ۔

(۱) اصول السرخسی ص ۹۶ جلد ثانی فصل فی الخبر الخ، طبع معارف النعمانیہ، دکن۔

(۲) کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار، ص ۴۹، جلد ثانی تحت الطعن الذی یلحق الحدیث از ابوالبرکات النسفی)

شبہ ہذا کے جواب کے لیے شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنی تصنیف تحفہ اثنا عشریہ میں مندرجہ ذیل عبارت ذکر کی ہے، فرماتے ہیں کہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

چوں وقت عمر رضی اللہ عنہ در بعضے جاھا ایں (امر) شنیع شیوع یافت اظہار حرمت او و تشہیر و ترویج او و تخویف و تہدید مرتکب او را بیان نمود۔ تاحرمت آں نزد خاص و عام ثبوت پیوست۔

یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بعض مقامات میں متعہ کا شنیع فعل عام ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تحریم کی تشہیر کی اور اس کے مرتکب کو تخویف اور تنبیہہ کی تاکہ متعہ کا عدم جواز عام و خواص کے لیے ثابت ہو جائے۔

(تحفہ اثناء عشریہ ص ۳۰۳، جحت طعن یازدہم (۱۱) فاروقی، طبع لاہور)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ متعہ کی حرمت کو عام و خاص تک پہنچانا مقصود تھا۔ اس بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تنبیہہ اور تہدید کے الفاظ اپنے کلام میں بیان فرمائے۔

نیز شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ عزیزی میں اس اشکال کا حل ایک دیگر طریقے سے بھی ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ

نھی عمر رضی اللہ عنہ فی خلافتہ فانہ نھی تاکید لا نھی تشریع۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دور میں جو نہی کی وہ نہی بطور تاکید ذکر کی ہے، وہ نہی تشریعی نہیں ہے۔

(فتاویٰ عزیزی ص ۲۳، ج ۳، آخر بحث متعہ، طبع دہلی)

فلہذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پر جو اشکال واقع ہو رہا تھا، ان تشریحات کے بعد زائل ہوگیا۔

علمائے کرام اس مسئلہ میں طعن مذکور کے جواب میں یہ تعبیر بھی اختیار کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب جو تحریم متعہ کی نسبت کی جاتی ہے۔ وہ بہ معنی "اظہار حرمت" ہے نہ کہ "اثبات حرمت" پس اس تعبیر سے بھی یہ طعن زائل ہے۔

سطور بالا میں ہم نے اشکال مذکور کے زائل کرنے کے لیے چند حوالہ جات

[Website: DifaAhleSunnat.com]

پیش کیے ہیں۔

اس مسئلہ میں مزید حوالہ جات بھی پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن ہم نے اختصار کے پیش نظر اسی پر اکتفا کیا ہے۔

اہلِ علم کی تشفی کے لیے ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ نے یہی بحث بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی تالیف فتح الملہم بشرح صحیح المسلم، ص ۴۴۲، جلد ثالث، تحت ابواب متعہ (قولہ نہی عنہا) میں تحریر کی ہے۔ ضرورت مند حضرات اس مقام کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

نیز صاحب تفسیر روح المعانی سید محمود آلوسی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی صفحہ ۹۶ ج ۵، پارہ پنجم تحت الآیتہ الاستمتاع میں بھی اسی طرح وضاحت مسئلہ ہذا ذکر کی ہے جس سے اعتراض مذکور زائل ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

متعہ سے منع کے متعلق ماقبل میں چند ایک روایات درج ہیں۔ اسی ضمن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب سے بھی ایک مرفوع روایت مروی ہے جو ذیل میں بلفظہ نقل کی جاتی ہے۔

... عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما قال نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن لحوم الحمر الاهليه او الانسيه وعن المتعه متعه النساء وما كنا مسافحين۔

مطلب یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے بھی منع کیا۔ پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اب ہم سفاحت کا معاملہ (شہوت رانی) نہیں کریں گے۔

(کتاب الآثار الامام ابی یوسف" ص ۱۵۲، روایت نمبر ۶۹۹، جامع مسانید الامام الاعظم

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ص۸۵، ج۲، طبع دکن)

یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی منع متعہ کے لیے مرفوع روایت ہے اور اکابر حنفی علماء نے اسے اپنی سند کے ساتھ اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔

اس روایت میں متعہ کے ممنوع ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے واضح کر دی ہے کہ متعہ کے فعل میں صرف شہوت رانی ہوتی ہے اور اب وہ اس فعل (سفاحت) کا ارتکاب نہیں کریں گے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کی تائید میں ہم ان کی ایک دوسری روایت ذکر کرتے ہیں، جس میں مسئلہ متعہ کا ممنوع ہونے کے علاوہ ایک دیگر چیز کی طرف بھی راہنمائی ہوتی ہے۔

... عن سالم بن عبدالله قال اتى عبدالله بن عمر فقيل له ان ابن عباس يامر بنكاح المتعه- فقال ابن عمر سبحان الله ما اظن ابن عباس يفعل هذا قالوا بلى انه يامر به قال وهل كان ابن عباس الا غلاما صغيرا- اذ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال ابن عمر نهانا عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم وما كنا مسافحين- رواه الطبرانى فى الاوسط ورجاله رجال

روایت بالا کا مفہوم یہ ہے کہ ابن عمر کے فرزند سالم بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک بار ابن عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو لوگوں نے ان کی خدمت میں کہا کہ عبداللہ ابن عباس متعہ کے جواز کا حکم دیتے ہیں تو ابن عمر نے یہ بات سن کر تعجب کے طور پر سبحان اللہ کہا اور کہنے لگے کہ میں عبداللہ بن عباس کے متعلق یہ گمان نہیں رکھتا کہ وہ ایسا کہتے ہوں تو لوگوں نے کہا کہ نہیں وہ تو متعہ کے جواز کا حکم دیتے ہیں تو یہ سن کر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابن عباس تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں غلام صغیر السن تھے۔ (یعنی مسئلہ ہذا کی صحیح معلومات بڑوں سے معلوم کریں، ابن عباس تو کم عمر

[Website: DifaAhleSunnat.com]

الصحیح خلا المعافی بن سلیمان وھو ثقہ۔ تھے) (مجمع الزوائد للہیثمی، ص۲۶۵، ج۴، تحت باب نکاح المتعہ)

اس کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متعہ کے متعلق جو منع کا حکم تھا، وہ لوگوں کو بیان فرمایا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں متعہ سے منع فرمایا اور اب ہم مسافح یعنی شہوت رانی کرنے والے نہیں ہیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ان روایات سے متعہ کے ممنوع ہونے کا صراحتاً حکم معلوم ہوا اور ساتھ ہی یہ چیز بھی واضح ہوگئی کہ متعہ کے فعل میں صرف سفاحت (یعنی شہوت رانی) ہوتی ہے۔

اور صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ یہ فعل ہم نہیں کریں گے۔ نیز ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ ہذا میں درایت سے کام لینے کی طرف اشارہ کیا کہ صغار لوگوں کی بجائے کبار حضرات کے بیانات کو اہمیت دی جاتی ہے کہ وہ اس معاملہ میں زیادہ واقفیت رکھتے ہیں اور یہاں کبار صحابہ رضی اللہ عنہم متعہ سے منع کو نقل کرتے ہیں۔ فلہذا اس مسئلہ میں کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت زیادہ قابل اعتماد ہے اور راجح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

متعہ کے جواز کے متعلق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول شیعہ صاحبان پیش کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ متعہ کو جائز قرار دیتے تھے۔

تو اس کے متعلق ہماری جانب سے مندرجہ ذیل امور تحریر کیے جاتے ہیں اور یہاں جناب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراۃ کا جواب بھی ضمناً درج کر دیا گیا ہے۔

○ علماء امت نے لکھا ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ تک مسئلہ ہذا کے متعلق جواز کا قول کرتے تھے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

لیکن جب مسئلہ ہذا ان پر منقح ہو کر سامنے آیا تو انہوں نے اپنے موقف سے رجوع فرمالیا۔

اسی سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کتب حدیث میں منقول ہے، جسے ہم قبل ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیانات کے تحت اسی مسئلہ میں درج کر چکے ہیں کہ

○ ایک بار ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں جواز متعہ کے متعلق بیان فرما رہے تھے۔ وہاں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ النساء سے منع فرمایا ہے۔

...قال له علی رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عنها (متعه النساء) الخ۔

(مسلم شریف ص ۴۵۲، ج۱، تحت باب نکاح المتعہ)

نوٹ: روایت ہذا کے دیگر حوالہ جات قبل ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیانات کے تحت درج ہو چکے ہیں۔

○ اسی طرح ایک دیگر روایت جناب محمد بن الحنیفہؒ سے مروی ہے جس کو الطبرانی نے معجم الاوسط میں ذکر کیا ہے اور صاحب کنز العمال نے اسے بحوالہ الطبرانی اس بحث میں بہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

... عن محمد بن الحنیفه قال تکلم علی رضی اللہ عنہ وابن عباس رضی اللہ عنہ فی متعه النساء فقال له علی رضی اللہ عنہ انک امر تائه۔ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن المتعه النساء فی حجه

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند محمد بن حنیفہ کہتے ہیں کہ ایک بار متعہ النساء کے مسئلہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی باہم گفتگو ہوئی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے (ناراض ہو کر) جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ایک متحیر اور ایک طرف میلان رکھنے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

الوداع۔ (کنز العمال لعلی متقی الہندی ص۲۹۵، ج۸، بحوالہ طبس، طبع اوّل، دکن)

والے شخص ہو۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجتہ الوداع کے موقعہ پر متعہ النساء سے منع فرمادیا اور روک دیا۔

گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعدد بار منع فرما دینے کے بعد جناب عبداللہ بن عباس کی رائے میں تبدیلی واقع ہوئی اور انہوں نے اس میں رجوع فرمالیا۔

○ نیز عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کی آیت:

...الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم...الخ (پ ۱۸ المومنون) سے بھی تنبہ ہوا تو اس کے بعد آنموصوف رضی اللہ عنہ نے جواز متعہ اور اس کی ضرورت کا پس منظر خود بیان کیا اور فرمایا کہ

... عن ابن عباس قال انما کانت المتعہ فی اول الاسلام کان الرجل یقدم البلدہ لیس لہ بھا معرفہ فیتزوج المراہ بقدر مایری انہ یقیم فتحفظ لہ متاعہ وتصلح لہ شیہ حتی انا نزلت الایہ الا علی ازرواجھم او ما ملکت ایمانھم قال ابن عباس فکل فرج سواھما فھو حرام۔

روایت ہذا کا مطلب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام کے اوائل میں متعہ مباح تھا۔ ایک شخص کسی شہر میں آتا وہاں اس کی جان پہچان نہیں ہوتی تھی تو وہ اس موقع پر جتنا قدر اس نے وہاں قیام کرنا ہوتا وہ ان ایام کے موافق کسی عورت سے تزوج کرلیتا۔ تو وہ عورت (منکوحہ) اس کے سامان اور مال و متاع کی حفاظت کرتی۔ حتیٰ کہ قرآن مجید کی آیت الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم (یعنی ان پر ان کے ازواج اور باندیاں حلال ہیں نازل ہوئی) تو ابن عباس نے فرمایا: ان دو قسم کی عورتوں کے ماسوا باقی تمام قسم کی عورتیں حرام ہیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۱) الجامع الترمذی ص۱۸۱، ج۱، کتاب النکاح باب ما جاء فی نکاح المتعہ، طبع قدیم لکھنؤ۔
(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی، ص۲۰۵-۲۰۶، ج۷، بحث متعہ۔
(۳) مشکوٰۃ شریف ص۲۷۳، تحت اعلان النکاح الفصل الثالث، طبع دہلی۔
(۴) نصب الرایہ للزیلعی ص۱۸۲، ج۳، بحث متعہ، طبع مجلس علمی، ڈابھیل۔
(۵) شرح ہدایہ فتح القدیر ص۳۸۶، ج۲، تحت کتاب النکاح المتعہ، طبع مصر، معہ العنایہ۔
(۶) روح المعانی ص۶، ج۵، تحت الآیۃ۔

پس روایت ہذا کے ذریعہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مسلک متعہ کے حرام ہونے کے متعلق واضح ہوگیا۔ نیز یہ روایت جواز متعہ کے قول سے ان کے رجوع کر لینے پر عمدہ قرینہ ہے۔

آیت و روایت کی مزید تشریح

شارحین حدیث کے کبار علماء نے اس مقام میں مندرجہ ذیل وضاحت ذکر کی ہے۔ اس کو ہم بطور تائید نقل کرتے ہیں:

...قال الطیبی یرید ان اللہ تعالی وصفھم یحفظون فروجھم عن جمیع الفروج الا عن الازواج والسراری... والمتمتعہ لیست منھما لان حکم الازواج من التوریث والا یراث غیر جار علیھا ولا ھی مملوکہ بل ھی مستاجرہ نفسھا ایاما معدوتہ فلا یدخل تحت الحکم۔ (الطیبی

یعنی شارح الطیبی کہتے ہیں کہ آیت ہذا کی وضاحت میں جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کی توصیف میں فرمایا ہے کہ وہ لوگ اپنے ازواج و گولیوں کے بغیر تمام فروج سے اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اور متعہ والی عورت نہ ازواج سے ہے نہ گولیوں میں سے ہے کیونکہ ازواج کے احکام وراثت وغیرہ اس پر جاری نہیں ہوتے اور نہ ہی مملوکہ اور باندی ہے۔ بلکہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

یہ چند اوقات یا چند ایام تک اپنی ذات کو اُجرت و کرایہ پر دیئے ہوئے ہے۔ فلہذا یہ زوجہ کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتی۔

شرح مشکوٰۃ ص ۲۶۴، ج ۶، تحت الحدیث (ابن عباس رضی اللہ عنہ، شرح مشکوٰۃ مرقات ص ۲۲۰، ج ۶، تحت حدیث ابن عباس)

خلاصہ یہ ہے کہ آیت ہذا پیش کر کے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا موقف واضح کر دیا کہ زوجہ اور گولی کے ماسوا تمام عورتیں حرام ہیں، حلال نہیں اور متعہ والی عورت بھی انہی میں سے ہے۔

آیت فما استمتعتم بہ منھن... الخ کی تشریح

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فرمودات کی روشنی میں

(۱) علماء میں "تنویر المقباس عن تفسیر ابن عباس" کے نام سے ایک تفسیری کتاب مشہور ہے۔ اس میں جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مذکورہ بالا آیت کے تحت درج ذیل تشریح منقول ہے۔

... فما (استمتعتم) ای استنفعتم (بہ منھن) بعد النکاح (فاتوھن) فاعطو من اجورھن مھورھن کاملہ (فریضہ) من اللہ علیکم ان تعطوا المھر تاما... الخ۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ نکاح کے بعد جن عورتوں سے تم نے نفع اٹھایا، پس ان کو ان کے کامل مہر دے دو۔ یہ اللہ کی طرف سے تم پر لازم ہے کہ مہر تمام ان کو دو۔

(تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس ص ۵۵، تحت الآیہ فما استمتعتم... الخ، طبع قدیم مصر)

آیت ہذا کی اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس آیت میں نکاح کے بعد عورتوں سے نفع اٹھانا مراد ہے اور پھر ان کو کامل مہر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (اور متعہ معروفہ مراد نہیں)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۲) اور ایک مشہور قدیم مفسر ابو جعفر النحاس المتوفی ۳۳۸ھ اپنی تصنیف "الناسخ والمنسوخ" میں جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا آیت ہذا کے تحت قول نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

... عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال و قوله (فما استمتعتم) به منهن فاتوهن اجورهن فريضه يقول انا تزوج الرجل المراه فنكحها مره واحده وجب لها الصداق كله، والا ستمتاع النكاح- قال وهو قوله عزوجل (وآتو النساء صدقاتهن نحله) فبين ابن عباس ان الاستمتاع هو النكاح باحسن بيان-

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ آیت فما استمتعتم بہ... الخ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص عورت کو تزوج کرے اور اس سے ایک بار نکاح کرے تو اس پر عورت کے لیے تمام مہر واجب ہو جاتا ہے اور اس آیت میں استمتاع سے مراد نکاح ہے- ابو جعفر النحاس کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عمدہ بیان کے ساتھ بتلایا کہ استمتاع سے مراد نکاح ہے- (یعنی متعہ مراد نہیں ہے)

(کتاب الناسخ والمنسوخ لابی جعفر النحاس ص۱۰۵، تحت ذکر آیت السادسہ، طبع قدیم مصر)

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے آیت ہذا کی اس تشریح سے واضح ہوگیا کہ آنموصوف رضی اللہ عنہ کے نزدیک آیت میں استمتاع سے مراد نکاح ہے، معروفہ متعہ مراد نہیں-

قراۃ "الی اجل مسمی" کا حکم

گزشتہ سطور میں آیت فما استمتعتم به منهن... الخ کی تشریح کے سلسلہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال پیش کیے گئے ہیں- "استمتاع" سے مراد "نکاح کی صورت میں فائدہ اٹھانا" ہے، متعہ مراد نہیں-

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اس مقام میں بطور معارضہ کے ہماری کتب سے یہ پیش کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں "الی اجل مسمی" کی قرأت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس سے اس عقد میں مدت مقررہ معلوم ہوتی ہے تو یہ چیز مذکورہ بالا حوالہ جات کے خلاف پائی گئی۔

تو اس شبہ کے رفع کرنے کے لیے کبار علماء نے مندرجہ ذیل امور ذکر کیے ہیں:

(۱) چنانچہ علامہ ابن عربی اپنے احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ

... روی عن ابن عباس انه سئل عن المتعه فقرا فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی- قال ابن عباس والله لا نزلها الله کذالک وروی عن حبیب بن ثابت قال اعطانی ابن عباس مصحفا قال هذا قراه ابی وفیه مثل ما تقدم ولم یصح ذالک عنهما فلا تلتفتوا الیه-

مطلب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو الی اجل مسمی کی قرأت مروی ہے یا ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ یہ دونوں چیزوں کا انتساب صحیح نہیں اور ان کی طرف التفات نہ کیا جائے، یہ قابل قبول نہیں۔ (احکام القرآن لابن العربی ص ۱۶۲، ج۱، تحت المسئلہ السابعہ عشر، طبع مصر)

(۲) نیز اس مقام میں مفسرین علماء ایک ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ

ایک ضابطہ

... والقراه الشانه لا یبنی علیها حکم لانه لم یثبت لها اصل- (احکام القرآن لابن العربی

اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ قراۃ شاذہ ہے اور جو شاذ قرأت ہو، اس پر کوئی حکم مبنی نہیں ہوتا، اس بنا پر کہ اس کے لیے کوئی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ص ۳۴، ج۱، تحت وعلی الذین یطیقونہ اصل ثابت نہیں۔
ندیہ، طبع مصر)

(۳) اور یہ چیز تسلیم شدہ ہے کہ قراۃ شاذہ قراۃ متواترہ کے مقابلہ میں متروک اور ناقابل عمل ہوتی ہے۔ امام النواوی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ

... وقراہ... شاذہ لا یحتج بھا قرانا ولا خبرا ولا یلزم العمل بھا۔

(شرح مسلم شریف للنواوی ص ۴۵۰، ج۱، تحت باب نکاح المتعہ، طبع دہلی)

حاصل یہ ہے کہ مندرجات بالا کی روشنی میں "الیٰ اجل مسمی" والی قراۃ ناقابل اعتماد ہے اور غیر مقبول ہے۔ اس کو قبول نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دونوں حضرات کی قرات الیٰ اجل مسمی کے متعلق درج ذیل قاعدہ ذکر کیا ہے:

... روایت شاذہ منسوخہ را در مقابلہ قرآن متواتر و محکم آوردن و قران متواتر محکم بالیقین را گذاشتہ بایں روایت شاذہ کہ بہ ہیچ سند صحیح تاحال ثابت نہ شدہ تمسک کردن برچہ چیز حمل تواں کرد؟

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۰۳، تحت طعن یازدہم (فاروقی) طبع لاہور)

تنبیہ

گزشتہ سطور میں ہم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراۃ (الیٰ اجل مسمی) کا ضمناً حکم درج کیا ہے لیکن یہاں مستقل طور پر بھی اس کا جواب پیش کرنا مناسب خیال کیا ہے۔

تفسیر الطبری کے جس مقام سے معترض دوستوں نے مواد لے کر اعتراض قائم کیا ہے، وہیں اس کا جواب بھی مذکور ہے۔ السائل کالاعمیٰ کے موافق انہوں نے معاملہ کیا۔ قابل اعتراض مواد لے لیا اور قابل جواب مواد ترک کر دیا، جیسا کہ ان

[Website: DifaAhleSunnat.com]

لوگوں کا شیوہ ہے۔

چنانچہ الطبری لکھتے ہیں:

...اما ما روٰی ابی بن کعب وابن عباس من قراتهما فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی- فقراه بخلاف ما جاء ت به مصاحف المسلمین- وغیر جائز لاحد ان یلحق فی کتاب الله شیا لم یات به الخبر القاطع-

اس کا حاصل یہ ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو قرأت "الٰی اجل مسمی" کی مروی ہے- وہ تمام مصاحف اہلِ اسلام کے برخلاف پائی گئی ہے اور کسی شخصیت کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ کتاب اللہ میں وہ ایسی چیز کا الحاق کرے جو قطعی الثبوت نہ ہو اور یقینی خبر کے ذریعے ثابت شدہ نہ ہو-

(تفسیر الطبری ص ۹۰ ج ۵، تحت الآیۃ بہامشہ النیشاپوری، طبع قدیم مصری)

نیز ابن العربی نے بھی (جیسا کہ ہم نے قبل ازیں درج کر دیا ہے) ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ دونوں کی قراۃ (الٰی اجل مسمی) کے حق میں ذکر کیا ہے۔

ولم یصح ذالک عنهما فلا تلتفتوا الیه-

(احکام قرآن لابن العربی ص ۹۶۲ ج ۹ تحت الآیۃ، طبع قدیم مصر)

یعنی مطلب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو الٰی اجل مسمی کی قرأت مروی ہے یا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، ان دونوں چیزوں کا انتساب صحیح نہیں اور ان کی طرف التفات نہ کیا جائے، یہ قابل قبول نہیں۔

ان تشریحات کے بعد دونوں بزرگوں کی قرأت شاذہ کے ساتھ استدلال کرنے کا جواز نہ رہا۔

مسئلہ متعہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف

ماقبل میں جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مسئلہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

متعہ کی روایات و آیت اور قرأۃ مخصوصہ کی متعلقہ تشریحات بقدر ضرورت بیان کی ہیں۔

اس کے بعد مسئلہ ہذا میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا آخری موقف جو علمائے کبار نے ذکر کیا ہے، وہ تحریر کیا جاتا ہے۔ یعنی انہوں نے جواز متعہ کے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ ناظرین کرام کے اطمینان کی خاطر چند عبارات پیش کی جاتی ہیں، جو اثبات مسئلہ کے لیے صریح ہیں۔ اس چیز کو بے شمار علماء نے اپنی تصانیف میں اپنی اپنی عبارات میں تحریر کیا ہے۔ ان تمام کو یکجا ذکر کر دینا موجب تطویل اور باعث ملال ہے۔

اختصاراً بعض عبارات لکھی جاتی ہیں:

شمس الائمہ ابوبکر السرخسی اپنے "اصول" میں لکھتے ہیں کہ

...وابن عباس کان یقول باباحه المتعه ثم رجع الی قول الصحابه ویثبت الاجماع برجوعه لا محاله ولم یکن ذالک موجبا تضلیله فیها کان یفتی به قبل هذا۔

(اصول السرخسی ص ۳۲۱، جلد اوّل، فصل فی الحکم، طبع معارف النعمانیہ، دکن)

(۲) نیز ابوبکر شمس الائمہ السرخسی نے المبسوط میں تحریر کیا ہے:

... وقال جابر بن یزید رضی الله عنه ما خرج ابن عباس رضی الله عنهما من الدنیا حتی رجع عن قوله فی الصرف والمتعه فثبت النسخ باتفاق الصحابه رضی الله عنهم۔

(المبسوط لابی بکر محمد بن سہل السرخسی ص ۱۵۲، جلد خامس (۵) باب نکاح المتعہ)

(۳) اور محی السنہ امام البغوی نے اپنی مشہور تصنیف "شرح السنہ" میں اس مسئلہ کو بہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

...وروی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ شی عن الرخصه للمضطره الیه بطول لغربه ثم رجع عنه حیث بلغه النهی۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(شرح السنہ الامام البغوی (الحسین بن مسعود) ص۱۰۰ جلد تاسع (۹) باب نکاح المتعہ، طبع جدید، بیروت)

(۴) اور مشہور محدث ابوبکر محمد بن موسیٰ الہمدانی الحازمی (۵۸۴ ہجری) نے اپنی تصنیف "الاعتبار للناسخ والمنسوخ" میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا رجوع مندرجہ ذیل عبارت میں ذکر کیا ہے:

...واما یحکی عن ابن عباس فانه کان یتاول فی اباحته للمضطرین الیه بطول الغربه وقله الیسار والجده ثم توقف عنه وامسک عن الفتوی به۔

(الاعتبار للناسخ والمنسوخ من الآثار للحازمی ص۱۴۱، تحت ماورد فی المتعہ)

(۵) اسی طرح فاضل القرطبی نے اپنی تفسیر میں ابن العربی کے حوالہ سے اس مسئلہ کو اس طرح ذکر کیا ہے:

... قال ابن العربی وقد کان ابن عباس رضی الله عنه یقول بحوازها ثم ثبت رجوعه عنها فانعقد الاجماع علی تحریمها۔

(تفسیر القرطبی ص۱۳۲-۱۳۳ ج۵، تحت الآیۃ فما استمتعتم به منھن)

(۶) اور صاحب ہدایہ" اور اس کے شارح علامہ بدر الدین العینی رحمتہ اللہ علیہ نے متعہ کے مسئلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے موقف کو بالفاظ ذیل لکھا ہے:

م- وابن عباس صح رجوعه الی قولهم۔

ش- هذا جواب عما یقال این الاجماع؟ وقد کان ابن عباس رضی اللہ عنہ مخالفا۔ فاجاب بقوله وابن عباس رضی اللہ عنہ صح رجوعه عن اباحته المتعه الی قول الصحابته فی تحریمها وروی جابر بن یزید ان ابن عباس ما خرج من الدنیا حتی رجع عن قوله فی الصرف والمتعه فتقرر

[Website: DifaAhleSunnat.com]

الاجماع- ش- ای جماع الصحابته فی تحریمها-

(العینی شرح ہدایہ ص ۸۴، ج ۲، کتاب النکاح، تحت نکاح المتعہ، طبع جدید، ملتان)

اسی طرح متعدد کبار علماء نے ابن عباس کے مسئلہ ہذا میں رجوع کر لینے کو ذکر کیا ہے، ہم نے صرف چند حوالے پیش کر دیئے ہیں۔

حاصل مطلب

مندرجہ بالا حوالہ جات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ کچھ عرصہ تک جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ متعہ النساء کے جواز کا قول کرتے تھے اور اس کی رخصت کے قائل تھے۔

لیکن وہ بھی ان لوگوں کے لیے جو مجرد و بے زوجہ ہونے کی وجہ سے اور قلت مال کی بنا پر اس عقد کی طرف مجبور ہوں۔ (یعنی ہر شخص کے حق میں جواز کا حکم نہیں دیتے تھے)

پھر اس کے بعد (متعدد وجوہ کی بنا پر جس طرح کہ قبل ازیں بیان کیا گیا) اس موقف سے رجوع کر لیا اور سابق فتویٰ سے رک گئے۔

پس جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کے رجوع کر لینے سے متعہ کے عدم جواز پر صحابہ کا اتفاق پایا گیا اور اس کی تحریم و حرام ہونے پر اجماع ہو گیا۔

ازالہ شبہات

شیعہ صاحبان جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بعض اقوال ہماری کتابوں سے پیش کرتے ہیں جن سے جواز متعہ کی تائید حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طعن کرنا مقصود ہوتا ہے، مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ

... انه کان یراها الان حلالا قال وقال ما کانت المتعه الا رحمته من الله- یرحم الله علی عباده- ولو لا نهی عمر ما

[Website: DifaAhleSunnat.com]

احتج الی الزنا ابدا۔

(رسالہ "جواز متعہ" از سید خادم حسین بخاری شیعی ص۳۱،۳۲ صدر مبلغ ادارہ تبلیغ شیعہ، جعفریہ کالونی، وزیر آباد)

اسی طرح اس نوع کی دیگر روایات بھی پیش کی جاتی ہیں، جن کا ماحصل یہ ہے کہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ، متعہ کو حلال اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت جانتے تھے جو اس نے اپنے بندوں پر کی ہے۔ اگر عمر رضی اللہ عنہ، اس کی ممانعت نہ کرتے تو کوئی شخص سوائے شقی کے زنا کی طرف محتاج نہ ہوتا۔ (اور زنا نہ کرتا)

جواب

ان پیش کردہ روایات میں ہماری جستجو کی حد تک روایات کی سند میں ایک راوی "ابن جریج" پایا جاتا ہے۔ (جو ان روایات کا ناقل ہے)

ابن جریج کے متعلق ہم نے قبل ازیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کی مرویات کے تحت شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے کلام کیا ہے اور یہ بات ذکر کی ہے کہ

ابن جریج کی توثیق اور مدح رجال کی کتابوں میں مذکور ہے۔ تاہم علمائے رجال نے اس پر نقد بھی کیا ہے اور اس کی عملی تصویر کا دوسرا رُخ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

(۱) ... قال الدارقطنی تجنب تدلیس ابن جریج فانه قبیح التدلیس۔ لا یدلس الا فی ما سمعه من مجروح۔ (تہذیب التہذیب لابن حجر ص۴۰۵، ۴۰۶، ج۶، تحت ابن جریج)

یعنی دار قطنی کہتے ہیں کہ ابن جریج مدلس ہے (یعنی اپنے شیخ کو بیان نہیں کرتا) اس کی تدلیس سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ ابن جریج قبیح تدلیس کرتا ہے اور اس موقعہ پر کرتا ہے جہاں اس نے مجروح شیخ سے سماعت کی ہو۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ایک دوسرے مقام میں ابن جریج کا طریق کار ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

... بعض تلك الاحاديث التى كان يرسلها ابن جريج احاديث موضوعه- كان ابن جريج لايبالى عن من اخذها-

یعنی ابن جریج جن بعض روایات میں ارسال کرتا ہے تو وہ بعض روایات "موضوع" ہوتی ہیں اور ابن جریج اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کیسے شخص سے روایت لے کر بیان کر رہا ہے۔

(۱) تہذیب التہذیب لابن حجر ص ۴۰۶،۴۴۴، ج ۴، تحت سنید بن داؤد المصیفی۔

(۲) میزان الاعتدال للذہبی ص ۶۵۹، جلد ثانی، طبع بیروت، تحت عبدالملک (ابن جریج)

مطلب یہ ہے کہ ابن جریج کی روایات پر علی الاطلاق اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور اس کی مرویات بغیر تحقیق و تنقیح کے قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طعن کی روایات جو ابن جریج سے منقول ہیں، اسی نوع کی معلوم ہوتی ہے اور ان پر مذکورہ وجوہ کی بنا پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

ابن جریج کا ایک دیگر کردار

نیز کبار علماء نے امام شافعی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ابن جریج کے متعلق ایک عجیب انکشاف کیا ہے کہ

امام شافعی فرماتے ہیں... استمتع ابن جريج بسبعين امراه-

(۱) تہذیب التہذیب لابن حجر ص ۴۰۵،۴۰۶، تحت ابن جریج، طبع اول، دکن۔

(۲) میزان الاعتدال للذہبی ص ۶۵۹، جلد ثانی بیروت، تحت عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج۔

مطلب یہ ہے کہ ابن جریج جواز متعہ کا نہ صرف قائل تھا بلکہ خود فاعل بھی تھا اور اس نے ستر عورتوں کے ساتھ متعہ کیا۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ابن جریج کا رجوع

علماء نے لکھا ہے کہ ابن جریج متعہ کے جواز کا قائل تھا اور اس نے اباحت متعہ کے متعلق اٹھارہ حدیثیں بصرہ میں بیان کیں لیکن اس کے بعد اس نے جواز متعہ کے قول سے رجوع کر لیا اور اپنے جواز متعہ کے فتویٰ کو واپس لے لیا اور ابن جریج نے بصرہ میں یہ رجوع علی الاعلان کیا تھا۔

اس چیز پر حوالہ جات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ...ویحکی عن ابن جریج جوازها وقد نقل ابوعوانه فی صحیحه عن ابن جریج انه رجع عنها بعد ان روی بالبصره فی اباحتها ثمانیه عشر حدیثا۔

(۲) ... قال (ابن جریج) بالبصره اشهدوا انی قد رجعت عنها یعنی عن الفتوی بحل المتعه بعد ان حدثهم ثمانیه عشر حدیثا انه لا باس به۔

(۱) فتح الباری شرح بخاری ص۱۴۲ ج۹ تحت باب نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن النکاح المتعہ۔

(۲) تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی ص۷۷، ج۲ تحت الآیۃ فما استمتعتم بہ۔ (پ۵)

مندرجہ بالا روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ

ابن جریج جواز متعہ کا قائل تھا، اباحت متعہ پر اس نے اٹھارہ احادیث نشر کیں، خود کثیر عورتوں سے متعہ کیا اور پھر علی الاعلان جواز متعہ کے قول سے اس نے رجوع کر لیا۔

فلہذا ایسے شخص سے منقول بے اصل روایات کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور خلیفہ راشدین پر طعن قائم کرنا ہرگز درست نہیں اور وہ روایات ناقابل قبول ہیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

شیخین رضی اللہ عنہما اور حضرت علی کے قول پر ابن عباس کا اعتماد

متعہ کے مسئلہ میں ہم نے قبل ازیں منع اور عدم جواز کی مرفوع روایات ذکر کی ہیں اور اس میں اکابر صحابہ کرام مثلاً حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عمر فاروق و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ ان تمام میں متعہ کا عدم جواز صریحاً ثابت ہو چکا ہے۔

اور اس مسئلہ میں معارضہ کے طور پر جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔ ان پر حسب قواعد نقد و جرح کر دی ہے اور ان کے عدم قبول کی نوعیت واضح کر دی ہے۔

اب بحث ہذا کے آخر میں جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مسائل شرعی میں طریق کار ہم نقل کرتے ہیں جو علماء نے ان سے بطور ضابطہ کے ذکر کیا ہے۔ امام بیہقی سنن الکبریٰ میں لکھتے ہیں کہ

... عن عبدالله بن ابی یزید قال سمعت عبدالله بن عباس رضی الله تعالی عنهما انا سئل عن شیئی هو فی کتاب۔ قال به وانا لم یکن فی کتاب الله وقاله رسول الله صلی الله علیه وسلم قال به وان لم یکن فی کتاب الله ولم یقله رسول الله صلی الله علیه وسلم وقاله ابوبکر و عمر رضی الله عنهما قال به

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جب کسی مسئلہ کو دریافت کیا جاتا وہ اگر کتاب اللہ میں ہوتا تو کتاب اللہ سے بیان کرتے تھے، اگر کتاب اللہ میں نہ ہوتا اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا تو حدیث سے بیان کرتے اور اگر کتاب و سنت میں نہ موجود ہوتا تو اسے حضرات شیخین (ابوبکر و عمر) رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا ہوتا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کے قول کے مطابق بتلاتے۔ اور اگر یہ صورت بھی نہ ہوتی تو اس کے بعد اپنی مجتہدانہ رائے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

والا اجتھد رایہ۔ سے مسئلہ ذکر کرتے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۱۱۵، ج۱۰، جلد عاشر، کتاب ادب القاضی، طبع دکن، جامع بیان لا علم وفضلہ لابن عبدالبر، ص ۵۸-۵۷، جلد ثانی، طبع مصر)

یہاں سے ابن عباس کا شرعی مسائل میں طریق کار واضح ہوا کہ وہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہ کے اقوال کے ساتھ استدلال کرتے تھے اور مسائل میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں متعہ کے مسئلہ میں اس کے عدم جواز اور منع کے ساتھ فیصلہ ہوچکا تھا پس ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اسی فیصلہ کے مطابق عمل پیرا تھے، ان کے خلاف نہیں تھے۔

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں مسائل میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو فیصلہ شدہ چیز ثابت ہو جاتی تو اس پر اعتماد کر کے اس کو اخذ کرتے تھے۔ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل کو ابن عبدالبر نے اپنی تصنیف جامع بیان العلم وفضلہ میں ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ

... عن میسرہ عن المنھال عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال کنا اذا اتانا الثبت عن علی لم نعدل بہ۔

(جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبدالبر ص ۵۸ تحت باب اجتھاد الرای علی الاصول عند عدم النصوص)

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک فیصلہ شدہ اور ثابت شدہ چیز ہمارے پاس پہنچ جائے تو ہم اس کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔

اور واضح بات ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے متعہ کے بارہ میں متعہ کے عدم جواز کا فیصلہ دے دیا ہوا ہے۔ (جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے) تو معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اسی فیصلہ کے موافق قول کرتے تھے، اس کے خلاف نہیں تھے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اور لوگوں نے جو روایات ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف نقل کی ہیں، وہ ان کے قول و عمل کی روشنی میں مرجوح و متروک قرار دی جائیں گی اور قابل التفات نہ ہوں گی۔

جواز متعہ کی روایات کے عدم قبول پر قرائن

ناظرین کرام کے افادہ کے لیے اس بحث کے آخر میں یہ چیز مختصراً پیش کی جاتی ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو اقوال جواز متعہ کے متعلق بطور اعتراض کے پیش کیے جاتے ہیں، ان کے متعلق چند گزارشات قابل ذکر ہیں، ان کو ملحوظ رکھنا درکار ہے۔

○ ان میں سے بعض چیزیں روایات کے متعلق ہیں۔ ان پر گزشتہ صفحات میں ہم نے حسب قواعد نقد و جرح درج کر دی ہے اور ان کے عدم قبول کی نوعیت واضح کر دی ہے۔

دیگر قابل توجہ یہ بات ہے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کی منقولہ روایات اور مسئلہ ہذا میں ان کے اقوال (ماقبل میں جو بیان کیے گئے ہیں) وہ تمام عدم جواز متعہ کی تائید کرتے ہیں اور جواز اقوال کے بالکل برعکس پائے جاتے ہیں۔ گویا کہ مسئلہ ہذا میں جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اقوال باہم متعارض و متقابل پائے گئے۔

تو یہاں مرفوع روایات اور جمہور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فرمودات کے موافق جو ان کے اقوال ہوں گے، انہی کو اخذ کیا جائے گا اور ان پر ہی اعتماد ہوگا اور اس کے خلاف اقوال غیر معتمد اور متروک ہوں گے۔

○ نیز اس مقام میں کبار علماء نے بعض ہدایات ذکر کی ہیں، ان کو پیش نظر رکھنے سے، روایت کے رد و قبول کے بارے میں مزید رہنمائی ہوتی ہے لیکن اس سے قبل ہم ایک یہ چیز ذکر کرتے ہیں کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے وہ تلامذہ اور شاگرد جو حجاز اور مکہ شریف کے علاقہ میں مقیم تھے، انہوں نے آنموصوف رضی اللہ عنہ کی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

طرف سے جواز متعہ کی روایات کی بہت تشہیر کی ہے اور پھیلایا ہے۔

○ اور کبار علماء نے اہلِ حجاز کے بارے میں بطور ضابطہ کے یہ بات ذکر کی ہے کہ اہل الحجاز کی پانچ چیزوں سے اجتناب کیا جائے اور انہیں اخذ نہ کیا جائے۔

...قال سمعت الاوزاعی یقول یجتنب اویترک... ومن قول اهل الحجاز خمس... ومن قول اهل الحجاز استماع الملاهی والجمع بین الصلاتین من غیر عذر والمتعه النساء والدراهم بالدر همین والدینار بالدینارین...الخ۔

مطلب یہ ہے کہ امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ اہل حجاز کی مندرجہ ذیل چیزوں سے اجتناب کیا جائے اور ان کو متروک قرار دیا جائے۔ گانے بجانے کا سننا بلاعذر دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا عورتوں کے ساتھ متعہ کے جواز کا قول کرنا ایک درہم کو دو درہموں کے ساتھ یا ایک دینار کو دو دیناروں کے ساتھ تبدیل کرنے کا قول کرنا...الخ۔

(معرفہ علوم الحدث للحاکم نیشاپوری، ص۶۵ تحت ذکر نوع العشرین--- الخ)

○ اسی طرح علامہ ابن عبدالبر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف کتاب التمہید میں بطور ہدایت کے مندرجہ ذیل چیز ذکر کی ہے کہ

...وقد کان العلماء قدیما وحدیثا یحذرون الناس من مذهب المکیین اصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہ ومن سلک سبیلهم فی المتعه والصرف۔

یعنی قدیم اور جدید علماء لوگوں کو خوف دلاتے ہوئے اجتناب کی تاکید کرتے تھے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اصحاب جو مکہ والے ہیں، ان کے اقوال جو متعہ النساء اور صرف کے متعلق ہیں، ان کو اخذ نہ کیا جائے۔

(کتاب التمہید لابن عبدالبر ص۱۱۵ ج۱۰ طبع اول، مکۃ المکرمہ)

مختصر یہ ہے کہ جواز متعہ کے متعلق اہل حجاز اور اہل مکہ کی جو روایات ابن

[Website: DifaAhleSunnat.com]

عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں، ان کے رد و قبول کے متعلق علماء کرام کی مذکورہ بالا ہدایات کی روشنی میں عمل درآمد کیا جائے گا اور مندرجہ قرائن کو ملحوظ رکھا جائے گا اور جواز متعہ النساء کی ان روایات کو متروک اور مرجوح قرار دیا جائے گا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شیعہ کی طرف سے یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعہ کے جواز کے قائل تھے اور اس پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں:

...قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ کنا نغزوا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس لنا شيى- فقلنا الا نستخصى فنهانا عن ذالك ثم رخص لنا ان تنكح المراه بالثوب ثم قرا علينا يايها الذين آمنوا لا تحرموا طيبات ما احل الله لكم ولا تعتدوا ان الله لا يحب المعتدين- (بخاری شریف، ص۷۵۹، ج۲، تحت باب ما یکرہ من التبتل والخصاء، طحاوی شریف ص۱۴، ج۲، باب نکاح المتعہ)

مفہوم یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں غزوات میں شامل ہوتے اور ہمارے ہمراہ خواتین نہیں تھیں- نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہم نے عرض کیا کہ کیا ہم خصی ہونا اختیار نہ کرلیں؟ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا- اس کے بعد آپ نے ہمارے لیے رخصت دی کہ عورت کے ساتھ کپڑے اور پارچہ کے بدلے میں نکاح کرسکتے ہیں- یہ روایت جواز متعہ پر دال ہے-

[Website: DifaAhleSunnat.com]

الجواب

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ متعہ کے متعلق ہماری کتابوں سے جو روایات پیش کی جاتی ہیں، ان کے جوابات علماء کرام نے متعدد طریقہ سے ذکر کیے ہیں۔

○ پیش کردہ روایت اس دور سے تعلق رکھتی ہے، جس دور میں متعہ کی رخصت تھی اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے متعہ سے منع نہیں فرمایا تھا۔

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا آیت سے استشہاد اور استدلال کرنا اس بات کی اطلاع دیتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جواز متعہ کے قائل تھے درآنحالیکہ انہیں ناسخ نہیں پہنچا تھا۔

پھر جب ان کو متعہ کے متعلق نسخ پہنچا تو انہوں نے جواز متعہ سے رجوع کر لیا۔۔۔ اور جواز متعہ کے قول کو ترک کر دیا۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے یہی چیز بالفاظ ذیل ذکر کی ہے۔

... وظاهر استشهاد ابن مسعود رضی اللہ عنہ بهذه الايه هذا يشعر بانه كان يرى بجواز المتعه- فقال القرطبى لعله لم يكن حينئذ الناسخ- ثم بلغه فرجع بعد... ففعله ثم ترك ذالك... ثم جاء تحريمها بعد... ثم نسخ... الخ-

(فتح الباری شرح بخاری لابن حجر ص۹۷، ج۹، تحت باب ما یکرہ من التبتل والخصاء)

مسئلہ ہذا میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف جو سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے، اس پر قرائن موجود ہیں۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

○ ابن مسعود رضی اللہ عنہ متعہ النساء کے مسئلہ میں فرماتے ہیں کہ

... عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ فی متعه النساء قال انها | یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے متعہ النساء کے مسئلہ میں فرمایا کہ غزوات کے موقعہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

رخصت لاصحاب محمد ﷺ فی غزاہ لھم شکوا الیہ فیھا العزوبہ ثم نسختھا آیہ النکاح والمیراث والصداق۔ (کتاب الآثار لابی عبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی ص ۹۳، باب من تزوج المتعہ روایت نمبر ۴۳۲، طبع کراچی، کتاب الآثار الامام ابی یوسف" ص ۱۵۲، روایت ۶۹۸، طبع بیروت)

میں صحابہ نے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں العزوبتہ (بغیر زوجہ) ہونے کی شکایت کی تو ان کے لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (متعہ) کی رخصت دے دی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نکاح اور میراث اور مہر کی آیت نے متعہ کی رخصت کو ختم کردیا۔

○ نیز کبار محدثین اور فقہاء نے متعہ النساء کے مسئلہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے موقف کو بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

الف... وکان ابن مسعود رضی اللہ عنہ یقول نسختھا ایہ الطلاق والعدہ والمیراث۔

(المبسوط لشمس لائمہ السرخسی" ص ۱۵۲، ج ۵، باب نکاح المتعہ، طبع اوّل، مصر)

ب... عن اصحاب عبداللہ بن مسعود قال المتعہ منسوخہ نسخھا الطلاق والصداق والعدہ والمیراث۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۲۰۷، ج ۷، تحت ابحاث متعہ النساء، طبع دکن)

ج... وعن ابن مسعود قال المتعہ منسوخہ نسخھا الطلاق والعدہ والمیراث۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص ۱۲۰، تحت الآیتہ فما استمتعتم بہ منھن، پ ۵)

مندرجہ بالا حوالہ جات کا حاصل یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ طلاق، عدت اور میراث اور صداق (مہر) کے احکام نے متعہ النساء کو منسوخ کردیا۔ مختصر یہ ہے کہ متعہ کے مسئلہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

موقف کو کبار محدثین اور فقہاء نے اپنی اپنی عبارات میں واضح طور پر درج کر دیا ہے کہ ان کے نزدیک:

متعہ النساء کے جواز کا حکم منسوخ اور متروک ہو چکا ہے۔ اور ان کی وہ روایت سابقاً پیش کی گئی ہے، وہ اس دور کے متعلق ہے جس وقت متعہ مباح تھا، ممنوع نہیں ہوا تھا۔

الحازمی کی تحقیق

بحث ہذا کے آخر میں مشہور محدث حافظ ابوبکر محمد بن موسیٰ الحازمی (المتوفی ۵۸۴ھ) کی متعہ النساء کے مسئلہ میں تحقیق پیش کی جاتی ہے جسے اعاظم علماء نے قبول کیا ہے۔ الحازمی "الاعتبار" میں ذکر کرتے ہیں کہ

...وهذا الحكم كان مباحا مشروعا في صدر الاسلام وانما اباحه النبي صلى الله عليه وسلم لهم للسبب الذي نكره ابن مسعود رضی اللہ عنہ وانما كان ذالك يكون في اسفارهم ولم يبلغنا ان النبي صلى الله عليه وسلم اباحه لهم وهم في بيوتهم ولهذا نهاهم منه غير مره ثم اباحه لهم في اوقات مختلفه حتى حرمه عليهم في آخر ايامه صلى الله عليه وسلم في

متعہ کی اباحت کا حکم ابتداء اسلام میں مشروع اور مباح تھا اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو صحابہ کرام کے لیے اس سبب کی بنا پر مباح فرمایا تھا جس کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے اور متعہ کی اباحت صحابہ کرام کے لیے ان کے اسفار میں مباح تھی اور یہ بات ہمیں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی کہ ان کے لیے حضر میں اور گھروں میں قیام کے دوران متعہ النساء کو مباح فرمایا ہو۔ لہٰذا جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد بار متعہ النساء سے منع

[Website: DifaAhleSunnat.com]

حجه الوداع- وكان تحريم تابيد لا تاقيت فلم يبق اليوم فى ذالك خلاف بين فقهاء الامصار وائمه الامه الا شياء ذهب اليه بعض الشيعه- (الاعتبار فى الناسخ والمنسوخ من الآثار للحازمى ص۱۳۸، ۱۳۹، تحت باب نكاح المتعه، طبع مصر)

فرمایا اور پھر مختلف اوقات میں مباح فرمایا حتیٰ کہ آخری ایام میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر آنجناب ﷺ نے متعہ النساء کو حرام قرار دے دیا اور یہ حرمت متعہ وقتی نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تھی- پس اب ملت کے فقہاء اور ائمہ اسلام کے نزدیک اس کی حرمت میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہا مگر بعض شیعہ اس کے جواز کے قائل ہیں-

تائید وتوثیق

الحازمی کی مندرجہ بالا تحقیق کی تائید اور توثیق علماء کرام نے مندرجہ ذیل الفاظ میں تحریر کی ہے:

... قال الحازمى انه صلى الله عليه وسلم لم يكن اباحهالهم وهم فى بيوتهم واوطانهم وانما اباحها لهم فى اوقات بحسب الضرورات حتى حرمها عليهم فى آخر سنيه فى حجته الوداع- وكان تحريم تابيد لا خلاف فيه بين الائمه و علماء الامصار الا طائفه من الشيعه-

صاحب فتح القدیر (ابن ہمامؒ) اور الزیلعی وغیرہما الحازمی کے کلام کا اختصار ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اوطان اور گھروں میں قیام کے دوران میں انہیں متعہ کی اجازت نہیں دی اور اباحت نہیں فرمائی بلکہ ضرورتوں کے مطابق بعض اوقات سفروں میں اجازت دی تھی حتیٰ کہ آخری سالوں میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر متعہ النساء کو حرام قرار دیا اور یہ تحریم ابدی تھی-(وقتی نہیں تھی)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(نصب الرایہ للزیلعی ص۹۸۱ ج۳ بحث متعہ، مجلس علمی ڈابھیل، فتح القدیر شرح ہدایہ ص۳۸۶، ج۲ تحت نکاح المتعہ، طبع مصر، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ لعلی القاری ص۲۱۴، ج۶ طبع ملتان)

اس مسئلہ میں بعض شیعہ کے ماسوا باقی تمام بلادو امصار کے علماء اور ائمہ متعہ کے حرام ہونے پر متفق ہیں اور اس میں اختلاف نہیں رکھتے۔

قرأت "الیٰ اجل مسمی" کا جواب

دیگر یہ چیز شیعہ کی طرف سے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق پیش کی جاتی ہے کہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، آیت "فما استمتعتم به منهن..." الخ (پ۵) میں کلمہ "الی اجل مسمی" کے ساتھ قرأت کرتے تھے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، کی طرح متعہ کی حلت کے قائل تھے۔

(جواز متعہ از سید خادم حسین وزیر آبادی الشیعی ص۳۴، ۳۵)

اس چیز کے متعلق اہل السنت والجماعۃ کے کبار علماء نے اپنی کتابوں میں تشریح اور وضاحت ذکر کردی ہے۔

ذیل میں ان کی عبارات پیش کرتے ہوئے اعتراض مذکور کا جواب مکمل کیا جاتا ہے۔

(۱) امام النواویؒ نے شرح مسلم شریف میں لکھا ہے کہ

... وقراه ابن مسعود شاذه۔ لا يحتج به قرانا ولا خبرا ولا يلزم العمل بها۔ (شرح مسلم النواوی ص۴۵۰، ج۱، باب نکاح المتعہ، طبع نور محمد، دہلی)

یعنی "الیٰ اجل مسمی" کا کلمہ قرأت شاذہ ہے (مشہور قرأت نہیں) اس کے ساتھ باعتبار قرآن ہونے کے اور روایت ہونے کے احتجاج اور دلیل پکڑنا درست نہیں اور اس پر عمل درآمد کرنا لازم نہیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۲) اور اسی طرح ابن العربی نے احکام القرآن میں آیت "کتب علیکم الصیام" (پ۲) مسئلہ نمبر۱۳ کے تحت قرأۃ شاذہ کا حکم بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

...والقراہ الشاذہ لا یبنی علیہا حکم لانہ لم یثبت لہا اصل۔ (احکام القرآن لابن العربی المالکی ص۳۴، ج اوّل تحت الآیہ کتب علیکم الصیام، طبع مصر)

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو قرأۃ شاذہ ہو (یعنی مشہور قرأت کے خلاف ہو) اس پر کوئی حکم مبنی نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی اصل ثابت نہیں۔

(۳) اور سید محمود آلوسیؒ نے روح المعانی میں "قرأۃ شاذہ" کا مسئلہ منقح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

... والقراہ التی یتقلونہا عمن تقدم من الصحابہ شاذہ (وما دل علی التحریم کایہ الا علی الزواجہم اور ما ملکت ایمانہم۔ قطعی فلا تعارضہ) (تفسیر روح المعانی السید محمود آلوسی رحمتہ اللہ علیہ، ص۷، ج۵، تحت الآیہ (الاستمتاع)

مطلب یہ ہے کہ جو قراۃ "الیٰ اجل مسمی" کی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کی جاتی ہے (یعنی عام قراۃ میں نہیں پائی جاتی) وہ "شاذ" ہے اور جو حکم آیت "الا علی ازواجہم... الخ" سے حرمت پر دلالت کرتا ہے، وہ قطعی ہے اور قراۃ منقولہ (شاذہ" قطعی حکم کا معارضہ نہیں کر سکتی۔ (فلہذا وہ متروک العمل ہے)

نیز شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نے بھی مسئلہ ہذا کی تشریح و توضیح اسی طرح ذکر کی ہے۔

ملاحظہ ہو تحفہ اثنا عشریہ ص۳۰۳، تحت طعن یازدہم (۱۱) (فاروقی)

تنبیہ

قراۃ شاذہ کے متعلقہ یہی حوالہ جات قبل ازیں ہم نے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

کی قراۃ "الیٰ اجل مسمی" کے تحت ذکر کر دیئے ہیں، یہاں ان کا اعادہ مسئلہ کی وضاحت کے لیے کیا ہے۔

آخر کلام

گزشتہ صفحات میں جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کے جوابات روایت کے اعتبار سے ذکر کیے گئے ہیں۔ اب ہم یہاں درایت کے اعتبار سے ایک چیز پیش کرتے ہیں جو اعتراض کے ازالہ کے لیے مفید ہے۔

اکابر علماء احناف نے اپنی سند کے ساتھ یہ چیز ذکر کی ہے کہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں باہم فقہی اور علمی مذاکرات ہوتے تھے اور اس مقصد کے لیے دو طرح کے حلقے پائے جاتے تھے۔

ایک حلقہ جناب علی بن ابی طالب ابی بن کعب اور ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا شمار ہوتا تھا۔

اور دوسرا حلقہ جناب عمر بن الخطاب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مشتمل تھا۔

مذکورہ بالا چھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اپنے اپنے مقام پر علمی اور فقہی مسائل پر باہمی گفتگو ہوتی تھی، چنانچہ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں حضرات نے مذکورہ بالا علمی و فقہی مذاکرات کے حلقوں کا ذکر ذیل عبارت میں کیا ہے:

قال محمد اخبرنا ابوحنیفه عن الهیثم عن الشعبی (عامر) قال سته من اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم یتذکرون الفقه منهم علی بن ابی طالب وابی وابوموسی علی حده وعمر وزید (بن ثابت) وابن مسعود رضی الله عنهم۔

(کتاب الآثار الامام محمد بن الحسن الشیبانیؒ ص۹۹۰ روایت ۸۶۶، طبع کراچی،

[Website: DifaAhleSunnat.com]

کتاب الآثار لامام ابی یوسف"، ص ۲۱۲، روایت ۹۴۲، طبع بیروت)

یہاں سے واضح ہے کہ جناب عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر فاروق اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مسائل پر علمی گفتگو فرمایا کرتے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں متعہ کے حرام ہونے کا اعلان فرما دیا تھا۔

ان واقعات کی روشنی میں ظاہر ہے کہ متعہ کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا ہوگا۔ پس عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر مسئلہ ہذا کیسے مخفی رہا؟؟

حاصل مقصد یہ ہے کہ روایت کے اعتبار سے بھی اور درایت کے لحاظ سے بھی متعہ کی حرمت کا مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر مخفی نہیں تھا اور وہ اس مسئلہ میں جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ متفق تھے اور ان کے ساتھ مسئلہ ہذا میں اختلاف نہیں رکھتے تھے۔

جناب جابر بن عبداللہ اور سلمہ بن الاکوع (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

اس مقام میں شیعہ نے دونوں مذکورہ اصحاب سے جواز متعہ کے متعلق درج ذیل روایت نقل کی ہے:

... عن جابر بن عبدالله وسلمه بن الاكوع قالا كنا فى جيش فاتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قد آذن لكم ان تستمتعوا، فاستمتعوا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب جابر و سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں اصحاب کا بیان ہے کہ ہم ایک جیش (لشکر) میں تھے۔ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرستادہ آیا۔ اس نے آکر کہا کہ متعہ کرنے کی تم کو اجازت دے دی گئی ہے، تم متعہ کر سکتے ہو۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

الجواب

یہ بات متعدد بار ذکر کی گئی ہے کہ اسلام میں کچھ مدت تک متعہ کی اجازت تھی، پھر بعد میں اس سے منع کر دیا گیا۔ اسے متعہ کے لیے اباحت کا دور کہا جاتا ہے۔ اس اباحت کے دور کے متعلق کئی روایات حدیث میں موجود ہیں۔ ان کا تعلق اس سابق دور کے ساتھ ہے۔

حضرت جابر اور سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی اباحت کے دور کے متعلق ہے۔ متعہ سے امتناع کا حکم بعد میں فرمایا گیا۔ پس اس روایت کو جواز متعہ کے دلائل میں ذکر کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ جن صاحبان نے اسے اباحت کے لیے پیش کیا ہے، انہوں نے چشم پوشی کرتے ہوئے حقیقت واقعہ سے رُوگردانی کی ہے۔

اسی طرح مسلم شریف میں بحث ہذا میں سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی روایت مذکور ہے۔ اس میں عام اوطاس میں تین روز کے لیے جواز متعہ کا مسئلہ درج ہے لیکن ساتھ فرمان ہے... ثم نهى عنها یعنی مذکورہ اجازت سہ روز کے بعد متعہ سے منع فرما دیا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے متعہ کی اباحت ہے تو ساتھ ہی انہوں نے منع بھی نقل کر دی ہے تو اس نوع کی روایات معترضین کو مفید نہیں اور ہمارے لیے مضر نہیں۔

نیز جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک دیگر روایت نقل کی گئی ہے جس میں مذکور ہے کہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ مکہ میں عمرہ کے لیے تشریف لائے تو روایت کرنے والا راوی (عطاء) کہتا ہے کہ آنموصوف رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے مسائل دریافت کیے اور ان میں متعہ النساء کے بارے میں بھی سوال کیا تو جواب میں حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا:

... فقال [illegible] یعنی (حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے) فرمایا کہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وعمر رضی اللہ عنہ۔

ہاں! جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم نے متعہ کیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی متعہ کیا۔

(رسالہ جواز متعہ از سید خادم حسین بخاری الشیعی، وزیر آبادی، ص ۳۶)

اس روایت کے پیشِ نظر معترض اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بمع دیگر صحابہ کے عہدِ نبوی اور شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں متعہ کیا کرتے تھے، فلہذا متعہ کرنا درست ہے۔

الجواب

مندرجہ بالا اعتراض کے جواب میں ہم یہاں چند گزارشات پیش کرتے ہیں۔ ناظرین کرام توجہ فرمائیں:

○ علماء کرام نے مذکورہ روایت کے جواب میں تحریر کیا ہے کہ

(الف)... هذا محمول على ان الذى استمتع فى عهد ابى بكر وعمر لم يبلغه النسخ۔

(۱) شرح مسلم للنواوی ص ۴۵۱، حاشیہ مسلم شریف، جلد اوّل، طبع دہلی۔

(۲) تفسیر رُوح المعانی ص ۶، ج ۵، تحت الآیہ، پ ۵، طبع مصر۔

(ب)... ان يقال لعل جابرا ومن نقل عنه استمرارهم على ذالك بعده صلى الله عليه وسلم الى ان نهى عنها عمر لم يبلغهم النهى۔

(۱) فتح الباری شرح بخاری ص ۹۴۱ ج ۹، تحت بات نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن النکاح المتعہ اخرا۔

(۲) فتح الملہم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ص ۴۴۲، ج ۳، تحت باب نکاح المتعہ، طبع اوّل۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۳) شرح معانی الآثار للطحاوی ص۹۵ جلد ثانی، باب نکاح المتعہ، طبع دہلی۔

مندرجات بالا کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ان سے نقل کرنے والے حضرات نے جو متعہ کا استمرار بعد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نقل کیا ہے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ سے منع کا اعلان فرما دیا۔ تو ان حضرات کو متعہ کا نسخ اور اس کی حرمت نہیں پہنچی تھی، اس بنا پر ان سے یہ قول صادر ہوا۔

نیز اعتراض مذکورہ بالا کے ازالہ کے لیے اکابر علماء نے اس طریقہ سے بھی جواب پیش کیا ہے۔ ابن القیم لکھتے ہیں کہ

... فوجب حمل حديث جابر رضی اللہ عنہ على ان الذى اخبر عنها بفعلها لم يبلغه الحريم ولم يكن قد اشتهر حتى كان زمن عمر رضى الله عنه فلما وقع فيها النزاع ظهر تحريمها واشتهر۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی روایت (جس میں انہوں نے متعہ کرنے کی خبر دی ہے) کا محمل یہ ہے کہ ان کو تحریم متعہ کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ (زاد المعاد لابن القیم الجوزیہ" ص ۵۶۳-۴۶۴، ج ۳، طبع بیروت)

اور یہ منع کا فرمان نبوی پوری طرح مشہور نہیں ہوا تھا، حتیٰ کہ فاروقی عہد خلافت آگیا اور پھر جب اس دور میں مسئلہ ہذا نزاع پیش آیا اور بحث و تمحیث ہوئی تو متعہ کی حرمت پوری طرح ظاہر ہوئی اور مشتہر ہو گئی۔

اور اسی مسئلہ کی وضاحت میں حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ عسقلانی نے ایک دوسرے مقام میں حضرت جابر کے قول کے تحت دو چیزوں پر بحث کی ہے۔ ان میں ایک متعہ ہے، دوسری طلاق ثلاثہ کا مسئلہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ

... فالراجح فى... تحريم المتعه... للاجماع الذى انعقد فى عهد عمر على

اس کا مفہوم یہ ہے کہ... راجح اس مقام میں یہ بات ہے کہ متعہ کی تحریم اس اجماع کی بنا پر ہے جو عہد فاروقی میں منعقد

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ذالک ولا یحفظ ان احدا فی عهد عمر خالفه، فی واحده منهما- قد دل اجماعهم علی وجود ناسخ وان کان خفی عن بعضهم قبل ذالک حتی ظهرلجمعهم فی عهد عمر فالمخالف بعد هذا لاجماع منا بذله والجمهور علی عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق- والله اعلم-

ہوگیا تھا اور اس عہد میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صاحب کا مسئلہ ہذا کے متعلق خلاف کرنا منقول نہیں پایا گیا- اس اجماع کے ذریعے معلوم ہوا کہ ان حضرات کے پاس تحریم متعہ کے لیے دلیل نسخ موجود تھی- اگرچہ بعض حضرات پر قبل ازیں یہ ناسخ مخفی تھا حتیٰ کہ اب عہد فاروقی میں سب کے سامنے نسخ واضح ہوگیا- پس اب اس اجماع کے بعد جو شخص اس کا خلاف کرے وہ اس کو گرانے والا ہوگا اور اس نوع کے مسائل میں اتفاق کے بعد اختلاف پیدا کرنا جمہور علماء کے نزدیک قابل اعتبار نہیں-

(فتح الباری لابن حجر ص۲۹۹، ج۹، تحت من جوز الطلاق الثلاث، بذل المجهود فی حل ابی داؤد السجستانی ص۶۴، ج۳ باب فی نسخ المراجعہ، الخ)

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ جناب جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جس قول کو معترض پیش کرتے ہیں، اس کا پس منظر سابق حوالہ جات میں بیان کر دیا ہے- یعنی بعض حضرات پر متعہ کی منسوخی کا حکم تاحال مخفی تھا اور مسئلہ منقح ہو کر سامنے نہیں آیا تھا-

لیکن جب عہد فاروقی میں اس پر بحث ہوئی اور اس کے نسخ پر صحابہ کا اجماع منعقد ہوگیا تو اس کی تحریم واضح ہوگئی-

اب اس اجماع و اتفاق کے بعد کسی شخص کا اختلاف اور خلاف کرنا معتبر

[Website: DifaAhleSunnat.com]

نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا مذکور قول اس صورت میں واقع ہوا ہے کہ تاحال مسئلہ ہذا کی تفصیلات ان کے سامنے نہیں آئی تھیں۔ جب اس کی تحریم پر اجماع واقع ہوگیا تو جناب جابر رضی اللہ عنہ نے بھی اس میں خلاف نہیں کیا اور اتفاق کر لیا۔ اندریں حالات حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے فرمان کے ساتھ جواز متعہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔

عمران بن الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

معترض لوگوں نے مشہور صحابی عمران بن حصین سے جواز متعہ کے متعلق درج ذیل روایت پیش کی ہے کہ

... نزلت آیه المتعه فی کتاب الله ولم ینزل بعدها آیه تنسخها وامرنا بها رسول الله صلی الله علیه وسلم وتمتعنا بها ومات ولم ینهنا عنه ثم قال رجل برایه ماشاء۔

(رسالہ جواز متعہ از سید خادم حسین بخاری الشیعی ص ۳۳)

یعنی عمران بن حصین کہتے ہیں کہ آیت متعہ اللہ کی کتاب میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد اس کو منسوخ کر دینے والی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور ہمیں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کا امر فرمایا۔ ہم نے تمتع کیا، پھر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوگیا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو منع نہیں فرمایا، الخ۔

الجواب

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہذا معترضین نے ہماری تفسیر کی کتابوں سے پیش کی ہے۔

اس کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ اس روایت میں متعہ سے مراد متعہ الحج

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں حج کو فسخ کر کے عمرہ ادا کرنے اور احرام حج سے نکل کر عمرہ کے افعال میں بغیر عذر داخل ہونے میں اختلاف ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، لوگوں کو سختی کے ساتھ اس طریقہ کو اختیار کرنے سے منع فرماتے تھے۔ صرف تمتع یعنی عمرہ کو اشہر الحج میں ادا کرنے سے منع نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ نے قاضی عیاضؒ کے حوالہ سے تحفہ اثنا عشریہ میں یہی توجیہ نقل کی ہے:

قال القاضی عیاض ظاهر حدیث جابر و عمران بن حصین و ابی موسی رضی الله تعالی عنهم ان المتعه التی اختلفوا فیها انما هی فسخ الحج الی العمره۔ قال ولهذا کان عمر رضی الله عنه یضرب الناس علیها ولا یضربهم علی مجرد التمتع ای العمره فی اشهر الحج۔

قولہ فسخ الحج الخ یعنی فسخ حج بسوئے عمرہ و خروج از احرام حج بافعال عمرہ بے عذر و بر ہمیں است اجماع امت کہ متعہ الحج بلاعذر حرام است و جائز نیست۔

(تحفہ اثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیزؒ ص ۳۰۴، تحت طعن یازدہم، فاروقی)

اب اس چیز پر قرینہ پیش کیا جاتا ہے کہ روایت مذکورہ میں متعہ سے مراد متعہ الحج ہے۔ (متعہ النساء نہیں)

چنانچہ مسند امام احمدؒ میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، کی اپنی مرویات مرفوعہ موجود ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قد جمع بین حج وعمره ثم لم ینه عنه حتی مات ولم ینزل القرآن فیه یحرمه... الخ

اسی مقام میں دوسری جگہ عمران بن حصین ذکر کرتے ہیں:

[Website: DifaAhleSunnat.com]

... ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد جمع بين حجه وعمره ثم لم ينزل فيها كتاب ولم ينه عنها النبى صلى الله عليه وسلم... الخ

(مسند امام احمدؒ ص ۴۲۷، ج ۴، تحت مسندات عمران بن حصین)

... مندرجہ بالا ہر دو روایات کا مفہوم یہ ہے:

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج اور عمرہ کو جمع کر کے ادا فرمایا۔ پھر اس سے منع نہیں فرمایا۔ حتیٰ کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور قرآن مجید میں بھی کچھ نازل نہیں ہوا جو اس (متعہ الحج) کو حرام قرار دے۔

مذکورہ بالا روایات کے ذریعہ صاف طور پر ثابت ہوا کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے جو روایت متعہ کے متعلق پیش کی گئی ہے۔ وہاں متعہ الحج مراد ہے۔ (متعہ النساء مراد نہیں)

معترض دوستوں نے مندرجہ بالا قابل اعتراض روایت تفسیر کبیر للرازی اور تفسیر غرائب القرآن نیشاپوری سے نقل کی ہے۔

اصولی طور پر اس کا جواب ہم سطور بالا میں پیش کر چکے ہیں۔ تاہم اس کے متعلق چند ایک امور ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں۔ ناظرین کرام توجہ فرمائیں۔

تفسیر کبیر للرازی میں روایت مذکورہ بالا کو ذکر کیا گیا ہے، لیکن مأخذ کا حوالہ دیئے بغیر اور بغیر کسی محدث کے حوالہ کے اور بغیر کسی سند کے ایک قول کے درجہ میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت کو درج کر دیا گیا ہے اور صاحب غرائب القرآن نیشاپوری نے بھی اس روایت کو تفسیر کبیر ہی سے نقل کیا ہے اور روایت ہذا کا کوئی جدید مأخذ نہیں بتایا۔ تفسیر نیشاپوری تفسیر کبیر رازی کا اختصار اور خلاصہ ہے اور یہ چیز اہلِ علم کو معلوم ہے۔

فلہذا اس کا علیحدہ جواب دینے کی ضرورت اور حاجت نہیں، بالفرض اگر روایت مندرجہ بالا درست ہے تو اس کا محمل وہی ہے جو ہم نے اکابر علماء کے حوالہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

جات کی روشنی میں بیان کر دیا ہے۔

علیٰ سبیل التنزل

اگر بالفرض پیش کردہ روایت کو متعہ النساء کے متعلق تسلیم کر لیا جائے تو یہ روایت مفہوماً صحیح نہیں ہوگی، اور اس کا مضمون (کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو متعہ النساء سے منع نہیں فرمایا) بالکل واقعات کے برخلاف ہے۔

وجہ یہ ہے کہ سابقہ صفحات میں ہم متعدد بار درج کر چکے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند ایام کی اباحت کے بعد فتح مکہ کے موقع پر اور پھر حجتہ الوداع میں صریحاً عورتوں کے ساتھ متعہ سے منع فرما دیا اور حرام قرار دیا تھا۔ حرمت متعہ کے اس فرمان کو متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بے شمار احادیث میں ذکر فرمایا ہے اور ان روایات میں سے ہم نے چند ایک ماقبل میں ذکر کر دی ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت سبرۃ بن معبد الجھنی حضرت ابو ہریرہ وغیرہم سے مروی ہیں اور ان کے حوالہ جات سابقاً درج کر دیئے ہیں۔ بنا بریں روایت کو متعہ النساء کے متعلق محمول کرنا قطعاً درست نہیں۔

"الانتباہ"

اہلِ علم کے افادہ کے لیے عرض کر دینا مناسب ہے کہ تفسیر نیشاپوری کے اس مقام (بحث متعہ) کے آخر میں لکھا ہے کہ... واکثر الروایات انه صلی الله علیه وسلم اباح المتعه فی حجته الوداع وفی یوم الفتح --- الخ۔

(تفسیر غرائب القرآن علی تفسیر الطبری ص۹۸ جلد خامس، تحت الآیۃ تالیف نظام الدین حسن بن محمد بن حسین القمی النیشاپوری المتوفی ۷۱۰ھ)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

یعنی حاصل یہ ہے کہ اس مقام کی اکثر روایات اس طرف ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجتہ الوداع اور فتح مکہ کے موقعہ پر متعہ النساء کو مباح قرار دیا۔

مصنف نے اس قول کو کسی صحابی یا مشہور تابعی یا دیگر کسی نامور عالم کی طرف نسبت کیے بغیر یہاں درج کر دیا ہے۔

اہلِ علم پر واضح ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر صرف چند روز (غالباً ۳ یوم) متعہ کی اباحت فرمائی گئی لیکن اس کے بعد انہی ایام میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبتہ اللہ کے پاس متعہ کی حرمت کا اعلان فرمایا اور اسے ممنوع قرار دیا۔

پھر حجتہ الوداع ۱۰ھ میں تو اس کی اجازت فرمائی ہی نہیں بلکہ واضح الفاظ میں اس کو حرام کہا اور منع فرما دیا۔

حیرت کی بات ہے کہ صاحب تفسیر ہذا نے یہ اکثر الروایات کہاں سے اخذ کی ہیں؟؟ مصنف تفسیر کے مذکورہ کلمات احادیث صحیحہ مشہورہ کے بالکل برخلاف اور واقعات کے برعکس ہیں۔

فلہذا یہ عبارت اس مقام کی الحاقی ہے اور کسی صاحب نے یہاں از خود اضافہ کر دی ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر

معترض دوستوں کی طرف سے ایک روایت یہ پیش کی جاتی ہے کہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی جواز متعہ کی قائل تھیں اور ان سے مندرجہ ذیل روایت منقول ہے:

فقالت (اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ) فعلناها علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم یعنی اسماء کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم نے متعہ کیا اور بعض دیگر روایات میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا قول یہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ہے کہ قد کان ذالک تو اس میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ یہ فعل اس دور میں ہوا تھا۔ (رسالہ جواز متعہ از سید خادم حسین شیعی بخاری، ص۳۶)

الجواب

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے جو کلمات روایات مذکورہ میں منقول ہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ جس دور میں متعہ کے لیے اباحت تھی، اس دور میں ہم مسلمان عورتوں سے یہ فعل صادر ہوا۔ ان کلمات کا ذکر کرنے سے آئندہ کے لیے متعہ کا جواز لازم نہیں آتا اور اس فعل کے نہ منسوخ ہونے پر یہاں کوئی الفاظ دلالت نہیں کرتے اور ظاہر بات ہے کہ متعہ کے لیے پہلے اباحت تھی لیکن بعد میں یہ فعل منسوخ ہوگیا پھر منسوخ شدہ فعل سے جواز کے لیے استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟؟

پس اس صورت حال میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے کلمات سے جواز متعہ کے لیے تائید حاصل کرنا بے جا ہے اور درست نہیں۔

ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ

معترضین احباب کہتے ہیں کہ ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بھی جواز متعہ کے قائل تھے اور ان سے مروی روایت اس طرح ہے کہ

... قال (ابوسعید) کنا نتمتع علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم بالثوب۔

یعنی ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ہم ایک کپڑے کے عوض میں متعہ کر لیا کرتے تھے۔

(کنز العمال ص۲۹۵ جلد اوّل)

ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

... عن ابی سعید لقد کان احدنا یتمتع علی القدح سولیقا۔

اور اس طرح بھی ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ ہمارا ایک آدمی ستو کے ایک پیالہ کے عوض میں بھی متعہ کر لیا کرتا تھا۔

(کنز العمال ص ۲۹۵ ج ۸، بحوالہ (عب) بحوالہ ابن جریر)

الجواب

ناظرین کرام توجہ فرمائیں کہ جناب ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے ان اقوال میں صرف یہ چیز بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں یعنی جن ایام میں متعہ کے لیے اباحت تھی، اس دور میں ہم لوگوں نے قلیل شے (مثلاً کپڑا، ستو کا پیالہ وغیرہ) کے بدلہ میں متعہ کا فعل کیا تھا۔ یہ دور اباحت متعہ کا تھا، اس میں یہ فعل پایا گیا۔ اب یہ روایات دواماً جواز متعہ کے لیے کیسے پیش کی جا سکتی ہیں؟؟ یہ تو سابق دور کے متعلق روایات ہیں، ان کو بطور اعتراض پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

معترضین کے لیے یہ روایات مفید نہیں اور ہمارے لیے مضر نہیں، پس اس نوع کی روایات کو پیش کرنا بالکل بے فائدہ کارروائی ہے اور ضابطہ کے اعتبار سے درست نہیں۔

خلاصہ

معترض لوگوں نے جواز متعہ (النساء) کے استدلال میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جن روایات کو پیش کیا ہے۔ ہم نے ان مرویات کا سابقہ صفحات میں بقدر کفایت جواب درج کر دیا ہے۔

عموماً ان مرویات کی صورت حال اس طرح پائی جاتی ہے کہ ان کا تعلق اس دور کے ساتھ ہے جس دور میں متعہ مباح تھا اور تاحال اس سے منع وارد نہیں ہوئی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

تھی۔ یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ صاحب روایت یا صاحب واقعہ کو قبل ازیں امتناع متعہ کا صحیح علم نہیں تھا اور اس کے ممنوع ہونے کی یقینی خبر حاصل نہیں تھی۔ اس بنا پر وہ اس کی اباحت کے قائل تھے۔

پھر امتناع متعہ کا مسئلہ جب واضح طور پر ان حضرات کے سامنے آگیا اور منقح ہوگیا تو انہوں نے اس کو متروک العمل قرار دے کر اس سے اجتناب اختیار کر لیا اور اپنے موقف سے رجوع فرمالیا۔

اگر بالفرض والتقدیر ان صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت یا واقعہ پایا گیا تو وہ شاذ کے درجہ میں ہوگا۔ اس کو جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول و عمل کے برخلاف ہونے کی بنا پر ترک کر دیا جائے گا۔

اور فرمانِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے: "فعلیکم بالجماعہ" یعنی جماعت کے ساتھ رہنا لازم ہے، الخ۔

...وایاکم الفرقہ۔ جماعت سے افتراق مت اختیار کرو... الخ۔

پس ان ہدایات کی روشنی میں دینی مسائل کے معاملہ میں کثیر جماعت کے ساتھ متفق رہنا اسلام کا حکم ہے۔ ان مسائل میں متعہ بھی ہے اور متعہ کے مسئلہ میں کثیر جماعت کا جو طریقہ ہے، وہی ٹھیک ہے۔ افتراق سے اجتناب کرتے ہوئے اسی کو اختیار کرنے کا حکم ہے۔

امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ

ائمہ اربعہ حضرات کے اقوال نقل کرنے سے قبل ہم اس مقام میں جناب امام جعفر صادقؒ بن امام محمد باقرؒ کا فرمان نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

محدثین نے اس فرمان کو اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ چنانچہ امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

... عن بسام الصیر فی قال سالت جعفر بن محمد عن المتعہ فوصفتھا- فقال لی ذالک الزنا- (السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۲۰۷، ج ۷، تحت باب نکاح المتعہ)

اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ بسام الصیرفی نے جناب امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ سے متعہ کے متعلق سوال کیا۔ پھر وہ کہتا ہے کہ میں نے جناب امام صاحب کے سامنے متعہ کی تشریح بیان کی تو آنموصوفؒ نے فرمایا کہ یہ تو زنا ہے۔

معلوم ہوا کہ جو مشہور و معروف متعہ ہے، اسے ائمہ حضرات زنا کے درجہ میں شمار کرتے ہیں۔

فقہائے امت کا موقف متعہ کے مسئلہ میں

متعہ کے ممنوع ہونے کے متعلق چند ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرفوع روایات گزشتہ صفحات میں درج کی ہیں جن کے ذریعے متعہ کا امتناع واضح طور پر ثابت کر ہوگیا اور ساتھ ہی بطور طعن پیش کردہ روایات کا جواب بھی احسن طریق سے بیان کر دیا ہے۔

علاوہ ازیں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور اکابر تابعین کے آثار بھی موجود ہیں جن میں متعہ کی حرمت واضح طور پر پائی جاتی ہے لیکن یہ سلسلہ بہت طویل ہے جس کا مفصل ذکر کرنا موجب طوالت ہے۔

فلہذا اختصار کے پیش نظر یہاں صرف فقہ کے ائمہ اربعہ کے چند اقوال ذکر کرنا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ "ائمہ اربعہ" امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کے اکابر فقہاء میں شمار ہوتے ہیں۔

ان کا موقف متعہ کے متعلق اختصاراً پیش کیا جاتا ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

امام ابو حنیفہؒ کا موقف

امام ابو حنیفہؒ (نعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ) کے شاگرد امام ابو یوسف اپنی تصنیف "کتاب الآثار" میں ذکر کرتے ہیں کہ

... حدثنا یوسف عن ابیه عن ابی حنیفه عمن حدثه عن الزهری انه قال: نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن المتعه یوم فتح مکه۔

مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کو اس شخص نے بتایا جس کو علامہ الزہری نے بیان کیا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکّہ کے دن متعہ کرنے کو منع فرمادیا۔

(کتاب الآثار لامام ابی یوسف ص ۱۵۲، روایت نمبر ۷۰۱، طبع بیروت، جامع مسانید لامام الاعظم ص ۸۶، ج ۲، طبع اوّل، حیدر آباد دکن)

روایت ہذا کے ذریعے متعہ کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مسلک واضح ہوگیا کہ آنموصوف رحمتہ اللہ علیہ تحریم متعہ کے قائل ہیں۔

تنبیہ

احناف کے نزدیک اس مسئلہ کے متعلق بہت کچھ تفصیلات ہیں۔ ان حضرات کے موقف کو واضح کرنے کے لیے ہم نے یہاں صرف ایک روایت مذکورہ پر اکتفا کیا ہے اور یہ اثبات مدعیٰ کے لیے کافی ہے۔

امام مالکؒ کا موقف

امام مالک بن انس رحمتہ اللہ علیہ المتوفی ۱۷۹ھ نے اپنے مسلک و مذہب کی مشہور تصنیف الموطاء میں ایک مستقل عنوان "باب نکاح المتعہ" قائم کیا ہے۔ اس میں حرمت متعہ کے لیے درج ذیل روایت نقل کی ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(الف)... عن علی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن المتعه النساء یوم خیبر وعن لحوم الحمر الانسیه۔

یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ النساء اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

(موطاء امام مالک ص ۵۰۷، تحت باب نکاح المتعہ، طبع کراچی)

(ب) امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے مسلک کی مشہور کتاب "المدونہ الکبریٰ" میں بھی آنموصوف نے متعہ کی حرمت کے متعلق ایک سوال کا جواب ارشاد فرمایا کہ

(قلت) ارایت ان قال اتزوجک شهرا ایبطل النکاح ام یجعل النکاح صحیحا ویبطل الشرط؟ (قال) قال مالک النکاح باطل ویفسخ وهذه المتعه۔ قد ثبت من رسول الله صلی الله علیه وسلم تحریمها۔ (المدونہ الکبریٰ ص ۱۹۷، جز ثالث (جلد ثانی) فی نکاح الی اجل، طبع مصر)

روایت مذکورہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ ایک آدمی ایک عورت کو کہتا ہے کہ میں ایک مہینہ کے لیے تیرے ساتھ نکاح کرتا ہوں۔ کیا یہ نکاح باطل ہو جائے گا یا نکاح صحیح ہوگا؟ اور شرط (شہرا) باطل ہوگی؟؟ یا نہیں؟؟--- اس استفسار کے جواب میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ نکاح باطل ہے اور یہ متعہ ہے اور تحقیق جناب اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعہ کا حرام ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

تنبیہ

مندرجات بالا سے امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک متعہ کا عقد ناجائز اور حرام ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ایک غلط انتساب کا ازالہ

فقہ کی بعض کتب میں یہ قول پایا جاتا ہے کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ متعہ کا نکاح جائز ہے۔

نکاح المتعہ جائز عند مالک۔

اس کے متعلق ذیل میں چند ایک چیزیں بطور جواب ذکر کی جاتی ہیں۔

(الف) پہلی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ قول امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سہواً منسوب کیا گیا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ متعہ کے عدم جواز اور ممنوع ہونے کے متعلق امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا قول آنموصوف کے مسلک وہ مذہب کی مشہور کتب میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں موطا امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اور المدونہ الکبریٰ سے حوالہ نقل کیا ہے۔

(ب) دوسری گزارش یہ ہے کہ اس فن کے کبار علماء (مثلاً بدر الدین العینی شارح الہدایہ) وغیرہ نے صاف طور پر لکھا ہے کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی طرف جواز متعہ کی نسبت کرنا سہو ہے۔ کیونکہ مالکیوں کی کتابوں میں نکاح متعہ کی حرمت اور عدم جواز مذکور ہے۔

شرح ہدایہ للعینی کی عبارت میں یہ مسئلہ بالفاظ ذیل درج ہے کہ

...قال مالک رحمة الله علیه هو جائز (ش) ای نکاح المتعه جائز- قال الکاکی هذا سهو فان المذکور فی کتب مالک رحمة الله علیه حرمه نکاح المتعه وقال فی المدونه ولا یجوز النکاح الی اجل قریب او بعید وان سمی صداقا وهذه المتعه-

(العینی شرح الہدایہ ص۷۸، ج۲، کتاب النکاح، تحت مسئلہ متعہ)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اور ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ

... قال ابن همام نسبته الى مالك رحمه الله عليه غلط۔

یعنی ابن ہمامؒ کہتے ہیں کہ (متعہ کے) جواز کے قول کی امام مالکؒ کی طرف نسبت کرنا بالکل غلط ہے۔

(۱) مرقاۃ المصابیح لملا علی القاری ص ۲۱۳، ج ۷، باب اعلان النکاح، طبع ملتان، فتح القدیر (شرح ہدایہ) ص ۳۸۵، ج ۲، تحت النکاح الموقت۔

(۲) فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۲ ص ۳۸۵، تحت النکاح الموقت۔

نیز تفسیر روح المعانی میں پارہ پنجم کی آیت فما استمتعتم--- الخ کے تحت علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ...

... ونقل الحل عن مالك رحمه الله عليه غلط لا اصل له۔

یعنی (متعہ کے) حلال ہونے کے قول کی امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی طرف نسبت کرنا بالکل غلط ہے اور اس کی کوئی بنیاد نہیں اور بے اصل ہے۔

علی سبیل التنزل

جواز متعہ کا انتساب جو امام مالک کی طرف کیا گیا ہے، اسے اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ بات امام مالک کے اپنے فرمودات کے خلاف اور ان کے اپنے بیان کردہ قواعد کے برعکس ٹھہرے گی۔ وہ اس طرح ہے کہ ابن عبدالبر المالکی نے امام مالک کا قول اپنی سند کے ساتھ درج کیا ہے کہ

... حدثنا معن بن عيسى قال سمعت مالك بن انس يقول انما انا بشر اخطى واصيب فانظروا فى رايى

یعنی امام مالک فرماتے ہیں کہ میں ایک بشر ہوں، خطاء و صواب کر سکتا ہوں، پس میری رائے کی طرف نظر کرو جو کتاب اللہ و سنت نبوی ﷺ کے موافق پائی جائے،

[Website: DifaAhleSunnat.com]

فکلما وافق الکتاب والسنہ فخذوا بہ وکلما لم یوافق الکتاب والسنہ فاترکوہ۔

اس کو قبول کرلو، اور جو میری رائے کتاب وسُنّت کے خلاف ہو اور موافق نہ ہو تو اس کو ترک کردو۔

(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ص ۳۲، ج ۲، تحت القول بالرای فی دین اللہ)

حاصل یہ ہے کہ اس ضابطہ کی روشنی میں یہ چیز ثابت ہوئی کہ امام مالک کا جو قول کتاب و سنت کے خلاف پایا جائے وہ قابلِ قبول نہیں۔

اسی سلسلہ میں متعہ کا مسئلہ بھی ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق ممنوع ہے اور خود امام مالک کے فرمودات کی بناء پر (جیسا کہ ما قبل میں بیان کر دیئے گئے ہیں) ناجائز اور باطل ہے، فلہذا امام مالک کی طرف جواز متعہ کا انتساب غلط ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا موقف

متعہ کے متعلق امام محمد بن ادریس شافعی المتوفی ۲۰۴ھ نے اپنی کتابوں میں بالوضاحت تحریر کیا ہے کہ متعہ کی حلت اور تحلیل قرآن و سنت اور قیاس کے دلائل کے ساتھ ساقط ہو چکی ہے اور ہم نے اس مسئلہ کو اس وقت ذکر کر دیا ہے جب اس کے متعلق ہم سے سوال کیا گیا۔

چنانچہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف اختلاف الحدیث میں مذکور ہے کہ

... سقط تحلیلھا بدلائل القرآن والسنہ والقیاس۔

وقد ذکرنا ذالک حیث سئلنا عنہ۔

(کتاب اختلاف الحدیث للشافعی رحمتہ اللہ علیہ بھامش علی کتاب الام ص ۲۵۵، ج ۷، باب نکاح المتعہ)

تنبیہ

مسئلہ ہذا کے متعلق شوافع کی کتابوں میں بہت کچھ مواد موجود ہے لیکن ہم

[Website: DifaAhleSunnat.com]

نے یہاں امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی صرف ایک کتاب سے حوالہ پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے جس میں متعہ کے جواز کا ساقط ہونا آنموصوف رحمتہ اللہ علیہ نے صاف طور پر لکھا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۲۴۰ھ) کا موقف

ائمہ اربعہ میں امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا آخری دور ہے۔ ان کے مسلک کی مشہور تصنیف میں عقد متعہ کے متعلق لکھا ہے کہ

...القسم الثالث-- ما یبطل النکاح من اصلہ مثل ان یشترطا تاقیت النکاح ونکاح المتعہ او ان یطلقہا فی وقت بعینہ او یعلقہ علی شرط مثل ان یقول زوجتک ان رضیت امہا... فہذہ شروط باطلہ فی نفسہا ویبطل بہا النکاح۔

جو چیزیں نکاح کو دراصل باطل کر دیتی ہیں مثلاً نکاح میں وقت کی شرط لگانا۔ متعہ کی صورت میں نکاح کرنا... پس فی نفسہ یہ شرائط باطل ہیں اور ان شرطوں کی وجہ سے نکاح فاسد اور باطل ہو جاتا ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ص۹۶ ج۷، تحت ابحاث النکاح)

(۲) ابن قدامہ حنبلی اپنی اسی تصنیف "المغنی" میں آگے چل کر مستقل عنوان کے تحت متعہ کی تعریف اور توضیح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

... فہذا نکاح باطل- نص علیہ احمد رحمتہ اللہ علیہ فقال نکاح المتعہ حرام-

یعنی یہ نکاح باطل ہے اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ متعہ کا نکاح حرام ہے۔

(المغنی لابن قدامہ ص ۹۰۳ ج۷، تحت عنوان ولا یجوز نکاح المتعہ، طبع مصر)

سطور بالا میں ائمہ اربعہ کے فرمودات حرمت متعہ کے متعلق ذکر کیے گئے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ہیں۔

اب اس بحث کے آخر میں علامہ ابن عبدالبر رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ذکر کیا جاتا ہے۔ جس میں انہوں نے متعہ کے متعلق اکابر فقہاء کے موقف کو یکجا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن عبدالبر کا قول ابن قدامہ حنبلی ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

... قال ابن عبدالبر وعلی تحریم المتعہ مالکؒ واھل مدینہ وابوحنیفہ فی اھل کوفہ والاوزاعی فی اھل الشام واللیث فی اھل مصر والشافعی وسائر اصحاب الاثار۔

یعنی ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ مندرجہ ذیل تمام مشاہیر حضرات متعہ کے حرام ہونے پر متفق ہیں: امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اور اہلِ مدینہ، امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اہلِ کوفہ میں، امام اوزاعی رحمتہ اللہ علیہ اہلِ شام میں، لیث بن سعدؒ اہلِ مصر میں، امام شافعیؒ اور باقی اصحاب آثار۔

(۱) المغنی لابن قدامہ ص ۱۰۳، ج ۷، تحت عنوان ولا یجوز نکاح المتعہ، طبع مصر۔

(۲) کتاب التمہید لما فی الموطاء من المعانی والاسانید ص ۱۲۱، ج ۱۰، تحت روایت ابن شہاب عن عبداللہ والحسن ابنی محمد بن الحنیفہ، طبع مراکش۔

مطلب یہ ہے کہ یہ تمام حضرات متعہ کے حرام ہونے کے قائل ہیں اور اسی پر اتفاق رکھتے ہیں۔

اہلِ ظواہر کا موقف

اسی طرح اہلِ ظواہر حضرات کا بھی متعہ کے متعلق یہی فیصلہ ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم الظاہری اپنی مشہور تصنیف "المحلی" میں تحریر کرتے ہیں کہ

...ولا یجوز نکاح المتعہ وھو نکاح الی اجل وکان حلا لا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ۔ ثم نسخھا اللہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

تعالی علی لسان رسوله صلی الله علیه وسلم نسخا باتا الی یوم القیامه۔

(المحلی لابن حزم (ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ) ص۵۱۹، ج۹، تحت مسئلہ نمبر ۱۸۵۴ احکام النکاح، جلد تاسع)

روایت بالا کا مفہوم یہ ہے کہ متعہ کا نکاح ناجائز ہے۔ وہ نکاح ایک وقت معین تک ہوتا ہے۔

اور یہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں (بعض اوقات) حلال تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک کے ذریعے قطعاً تاقیامت منسوخ کر دیا۔

گزشتہ سطور میں حرمت متعہ کے متعلق فقہائے امت کے اکابرین کا موقف مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

اس میں ملت اسلامیہ کے نامور علماء کرام کا مسلک و مذہب واضح ہو گیا اور متعہ کے حرام ہونے کے متعلق کوئی خفاء باقی نہیں رہا۔

تحریم متعہ کا اہم واقعہ

مامون خلیفہ عباسی کے دور میں ایک واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ایک شخص محمد بن منصور کہتا ہے کہ سفر شام میں ہم لوگ مامون کی معیت میں تھے۔ ایک مقام میں مامون نے اعلان کرایا کہ متعہ النساء حلال ہے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم ساتھ تھے۔ انہوں نے مجھے اور ابو العیناء کو کہا کہ تم دونوں کل مامون کے ہاں حاضر ہونا۔ اگر تم لوگ اس پر کچھ کلام کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے اگر نہیں کر سکتے تو خاموش رہنا یہاں تک کہ میں خود خلیفہ کے پاس حاضر ہوں گا۔ (دوسرے روز) جب ہم خلیفہ موصوف کے ہاں حاضر ہوئے تو وہ مسواک کر رہا تھا۔ غصہ کی کیفیت میں کہنے لگا کہ عہد نبوی اور عہد ابوبکر میں دو عدد متعہ جاری تھے۔ (عمر رضی اللہ عنہ نے) آ کر کہا "میں ان دونوں کو منع

[Website: DifaAhleSunnat.com]

کرتا ہوں۔" کون ہو تم منع کرنے والے؟... (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں خلیفہ مامون کے یہاں سخت کلمات ہیں) اس چیز سے جس کو رسول خدا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جائز رکھا ہے، تم کون ہو منع کرنے والے؟؟

محمد بن منصور اور اس کے ساتھی کچھ بات کرنے سے رک گئے کہ خلیفہ غیظ و غضب میں ہے۔ اس اثناء میں قاضی یحییٰ بن اکثم آئے اور مجلس میں بیٹھ گئے۔

مامون قاضی صاحب کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ چہرہ متغیر ہے، کیا بات ہے؟

تو قاضی یحییٰ نے کہا کہ یا امیر المومنین! اسلام میں ایک حادثہ پیش آگیا ہے، اس وجہ سے مغموم ہوں۔ خلیفہ مامون نے کہا کہ وہ کیا واقعہ ہے؟ تو قاضی یحییٰ نے کہا کہ زنا کے حلال ہونے کی منادی کرائی گئی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ زنا کی منادی؟ تو قاضی صاحب نے کہا کہ متعہ زنا ہے، اس کی حلت کی منادی کرائی گئی ہے۔

مامون نے کہا، کیسے زنا ہے؟ اور آپ کیسے اس کو زنا قرار دے رہے ہیں؟؟ تو قاضی یحییٰ نے کہا کہ قرآن مجید اور سنت نبوی کے فرمان سے!!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قد افلح المومنون... الی والذین هم لفروجهم حافظون الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین - فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک هم العادون -
(ابتداء پارہ نمبر ۱۸، سورہ مومنون)

یعنی فلاح یافتہ ہیں وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کو نگاہ رکھتے ہیں، مگر اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر تو ان پر کچھ الزام اور ملامت نہیں۔ پس جو کوئی طلب کرے اس کے ماسوا، سو وہ لوگ حد سے بڑھنے والے اور حدودِ شریعت سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

قاضی صاحب نے کہا: اے امیر المومنین متعہ والی عورت کیا ملک یمین کے (باندی و لونڈی) حکم میں ہے؟

تو مامون نے کہا کہ نہیں!!

[Website: DifaAhleSunnat.com]

پھر قاضی نے کہا کہ یہ ممتوعہ عورت زوجہ منکوحہ کے حکم میں ہے؟ جو (بوقت موت) بحکم خدا وارث ہوتی ہے اور وارث بنائی جاتی ہے اور اپنی شرائط کے ساتھ اولاد اس کے ساتھ لاحق ہوتی ہے۔ امیرالمومنین نے کہا نہیں!!

اس بناء پر قاضی یحییٰ نے کہا کہ جب دونوں صورتوں میں (متعہ والی) عورت داخل نہیں تو متعہ کرنے والا شخص العادین یعنی حدود شرع سے تجاوز کرنے والا ہوگا۔

اے امیرالمومنین! یہ الزہری ہیں جنہوں نے محمد بن حنیفہ کے فرزندوں (عبداللہ و حسن) سے نقل کیا ہے اور دونوں نے اپنے والد محمد بن الحنیفہ سے اور ابن الحنیفہ نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں منادی کردوں کہ متعہ کی پہلے اجازت فرمائی تھی لیکن اب آنجناب نے اس سے منع فرمادیا ہے اور حرام کردیا ہے۔

اس وقت مامون ہماری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ یہ حدیث الزہری سے محفوظ طریقہ سے مروی ہے؟ ہم نے کہا کہ بالکل صحیح ہے اور اس کو ایک جماعت نے ذکر کیا ہے، ان میں امام مالک بھی ہیں۔ یہ بات سن کر مامون استغفار کرنے لگا اور وہیں حکم دیا کہ متعہ کے حرام ہونے کا اعلان کردو۔ پس اس وقت متعہ کی حرمت کا اعلان کردیا گیا۔

ذیل میں ابن خلکان کی عبارت ذکر کی گئی ہے اور خطیب بغدادی اور علی بن ابراہیم الحلبی نے بھی یہ واقعہ درج کیا ہے:

وهذا الزهری یا امیرالمومنین روی عن عبدالله والحسنُ ابنی محمد بن الحنیفه عن ابیهما عن علی ابن ابی طالب رضی الله عنه قال امرنی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان انادی النهی عن المتعه وتحریمها بعد ان کان قد امر بها۔ فالتقت الینا المامون فقال

[Website: DifaAhleSunnat.com]

امحفوظ هذا من حديث الزهری؟ فقلنا نعم یاامیرالمومنین رواه جماعه منهم مالک رضی الله عنه فقال استغفرالله نادوا بتحریم المتعه فنادوا بها۔

(۱) تاریخ بغدادی للخطیب جلد نمبر۱۴ ص۱۹۹۔۲۰۰، تحت تذکرہ قاضی یحیٰ بن اکثم التمیمی۔

(۲) تاریخ ابن خلکان ص۲۱۸ ج۲ تحت تذکرہ ابو محمد یحیٰ بن اکثم التمیمی حکیم العرب، طبع قدیم مصری۔

(۳) سیرتِ حلبیہ ص۵۳، ج۳ تحت احوال خیبر۔

آخر بحث

مختصر یہ ہے کہ یہ ایک مباحثہ بھی ہے اور تاریخی واقعہ بھی ہے--- جو مامون خلیفہ عباسی (المتوفی ۲۱۸ھ) کے عہد میں پیش آیا۔ اس میں مسئلہ متعہ کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا کہ یہ فعل اسلام میں منع ہے اور امتناع کی دلیل جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کو قرار دیا۔

اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی شیعہ و سنی دونوں طبقات کے لیے لائق اعتماد ہے اور ان کا قول و فعل قابل استدلال ہے۔

نیز دوستوں کے ہاں ایک ضابطہ بھی ہے کہ "الحق مع علی رضی اللہ عنہ" تو اس صورت میں اب مزید کسی بحث کی حاجت نہیں۔ اہلِ اسلام کو خداوند کریم ہدایت بخشے اور آنموصوف رضی اللہ عنہ کے قول اور فعل پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ واللہ الهادی۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

طلاقِ ثلاثہ کا مسئلہ

(اسلامی روایات کی روشنی میں)

اسلام کے فقہی مسائل میں سے ایک مسئلہ طلاق ثلاثہ کا ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف یہ ہے کہ

اگر ایک شخص اپنی منکوحہ کو ایک مجلس میں یکبارگی تین طلاق دے دے تو کیا وہ طلاق تینوں واقع ہو جاتی ہیں؟ یا وہ تین طلاق ایک ہی طلاق شمار ہوگی اور ایک طلاق واقع ہوگی؟؟ اور کیا بغیر تحلیل کے اسی عورت سے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہے یا ناجائز؟؟

مسئلہ ہذا میں شیعہ کہتے ہیں کہ

ایک مجلس میں یکبارگی تین طلاق دی جائے تو وہ ایک ہی طلاق شمار ہوگی۔

اور بعض شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ

تین طلاق بیک وقت دینے سے طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔

ھکذا فی کتاب شرائع الاسلام۔

(شیعہ ص ۵۷، ج ۲، کتاب الطلاق تحت النظر الثانی فی اقسام الطلاق، طبع بیروت)

اور اس مسئلہ میں اہل الظواہر کا بھی یہی مسلک ہے کہ بیک وقت اور بیک بار طلاق ثلاثہ دینے سے ایک طلاق واقع ہو جاتی ہے اور بغیر تحلیل کے اسی عورت کے ساتھ نکاح کر لینا جائز ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

موجودہ دور میں شیعہ اس مسئلہ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہ عبارت ذیل طعن قائم کرتے ہیں:

چنانچہ ڈاکٹر نور حسین جھنگوی نے لکھا ہے کہ

"زمانہ نبوت میں طلاق ثلاثہ ایک طلاق شمار ہوتی تھی... سیاست جمانے کے واسطے حضرت عمر نے اپنا حکم جاری کر دیا کہ جو شخص ایک ہی وقت میں تین دفعہ عورت کو طلاق دے گا، عورت مطلقہ (مغلظہ) ہو جائے گی۔ اس رواج سے مسلمانوں کے کئی خاندان ویران ہوگئے اور کئی عیال و اطفال تباہ ہوگئے۔ حضرت عمر کا یہ حکم خلاف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔"

("آئینہ مذہب سنی" از ڈاکٹر حاجی نور حسین صابر جھنگوی شیعی ص۱۴۹، تحت عنوان طلاق ثلاثہ، طبع چہارم، لاہور)

"طلاقِ ثلاثہ" کے مسئلہ کی وضاحت جمہور صحابہ کرام اور کبار علمائے ملت کے فرمودات کی روشنی میں

مسئلہ ہذا کی وضاحت میں یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ پہلے اس مسئلہ میں جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلک اور ائمہ اربعہ ؒ کے موقف پر دلائل پیش کیے جائیں گے۔

اس کے بعد ان روایات کا جواب ذکر کیا جائے گا جن سے معترضین حضرات اپنے موقف پر استدلال پیش کرتے ہیں اور اس طریقہ سے شبہات کا ازالہ بھی ہو جائے گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والوں کا جواب بھی پورا ہو جائے گا۔

جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ میں موقف یہ ہے کہ

اگر کوئی شخص ایک مجلس میں بیک وقت اپنی منکوحہ کو تین بار طلاق دے دے تو طلاق مغلظہ واقع ہو جاتی ہے اور بغیر تحلیل کے طلاق دہندہ کے ہاں وہ عورت واپس نہیں ہو سکتی۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اور ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہم) اور دیگر کبار علمائے امت کا بھی مسلک و مذہب یہی ہے کہ طلاق ثلاثہ مجتمعاً واقع ہوں تو وہ تین طلاق ہی شمار ہوں گی، ایک نہ ہوگی اور منکوحہ عورت مطلقہ مغلظہ ہو جائے گی اور مغلظہ طلاق کے احکام یہاں جاری ہوں گے۔

اگرچہ بعض صحابہ اور تابعین کے بعض اقوال اس مسلک کے خلاف پائے جاتے ہیں لیکن جمہور صحابہ اور اکثر علمائے امت کا مسلک و مذہب وہی ہے جو سطور بالا میں ذکر کر دیا ہے اور اسی پر ان کا اجماع ہے۔ چنانچہ ابنِ ہمام رحمتہ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ

...وذهب جمهور الصحابه والتابعين ومن بعدهم من ائمه المسلمين الى انه يقع ثلاث۔

(فتح القدیر لابن ہمام شرح ہدایہ ص ۲۵، ج ۳، تحت قولہ وطلاق البدعہ، طبع مصر)

اور امام نواوی نے شرح مسلم میں یہی مسئلہ کچھ تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے:

...قال الشافعي ومالك وابوحنيفه واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع ثلاث۔

(شرح مسلم النواوی ص ۴۷۸، جلد اوّل، طبع دہلی)

اسی طرح علامہ ابن المنذر النیشاپوری (المتوفی ۳۱۸ھ) نے اپنی تالیف "الاجماع" میں مسئلہ ہذا پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے، لکھتے ہیں کہ

۴۱۰ - واجمعوا على ان الرجل اذا طلق امراته ثلاثا انها لا تحل له الا بعد زوج على ما جاء به حديث النبى صلى الله عليه وسلم۔

یعنی اس بات پر علماء نے اتفاق و اجماع کیا ہے کہ جب ایک شخص اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دے دے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں رہتی مگر کہ وہ دوسرے زوج کے ساتھ نکاح کرے جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے۔

(الاجماع لابی بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری ص ۹۲، طبع مکران)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

قال طاوس وبعض اهل الظاهر لا يقع بذالك الا واحده۔
(شرح مسلم للنواوی ص۴۷۸، جلد اوّل، طبع نور محمد دہلی)

مذکورہ بالا دونوں حوالہ جات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور جمہور علمائے امت سلف و خلف اسی طرف ہیں کہ یکجا تین طلاق مجتمعا دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں--- مگر طاؤس اور بعض اہل الظاہر کہتے ہیں کہ اس طرح تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔ (تین نہیں ہوتیں)

ذیل میں ہم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس مسئلہ میں فرامین ایک ترتیب سے ذکر کرتے ہیں جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں مسئلہ ہذا کی وضاحت معلوم ہوسکے گی اور اکثر حضرات کا جو فیصلہ ہے، وہ سامنے آجائے گا اور مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فیصلہ کتاب و سُنّت کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ امت کے لیے حجت شرعی ہوتا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور خادم جناب نافع رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

... قال ابن عمر طلق امراته ثلاثا فقد عصى ربه وبانت امراته۔ (المصنف لابن ابی شیبہ ص۱۱، ج۵، کتاب الطلاق تحت من کرہ ان یطلق امراتہ ثلاثا فی مقعد واحد)

اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند سالم اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں کہ

... عن ابن عمر قال من طلق امراته ثلاثا طلقت وعصى ربه۔ (المصنف لعبد الرزاق ص۳۹۵، ج۶، روایت نمبر۱۱۳۴۳ طبع مجلس علمی)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں تو وہ عورت اس سے جُدا ہوگئی۔ (تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں) اس صورت میں طلاق دہندہ نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

عمران بن الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جناب عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے واقع (بن سحبان) نے سوال کیا:

... عن واقع (بن سحبان) قال سئل عمران بن الحصین عن رجل طلق امراته ثلاثا فی مجلس قال: اثم بربه وحرمت علیه امراته۔ (المصنف لابن ابی شیبه ص ۱۰، ج ۵، کتاب الطلاق، تحت من کره ان یطلق الرجل امراته ثلاثا فی مقعد واحد)

مفہوم یہ ہے کہ عمران بن الحصین سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دی ہیں تو جناب عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس پر اس کی عورت حرام ہوگئی۔

عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

داؤد بن عبادہ بن الصامت سے روایت ہے کہ

... عن ابراهیم عن داود بن عباده بن الصامت رضی اللہ عنہ قال طلق جدی امراته الف تطلیقه فانطلق ابی الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکر ذالک له۔ فقال النبی صلی الله

داؤد بن عبادہ کہتے ہیں کہ میرے دادا نے اپنی زوجہ کو ایک ہزار طلاق دی۔ پھر میرے والد جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ہزار طلاق دینے کا واقعہ عرض کیا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[Website: DifaAhleSunnat.com]

علیہ وسلم اما اتقی اللہ جدک- اما ثلاث فلہ واما تسع مائہ وسبعہ وتسعون فعدوان وظلم ان شاء اللہ عذبہ وان شاء اللہ غفرلہ-

نے فرمایا: کیا تیرے جد نے اللہ سے خوف نہیں کیا؟ پھر فرمایا کہ ہزار طلاق میں سے تین تو اس کے لیے واقع ہوگئیں اور باقی نو صد ستانوے (۹۹۷) طلاقیں دینے میں اس نے تجاوز اور ظلم کیا ہے- اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف فرمادے-

(۱) المصنف لعبد الرزاق ص ۳۹۳، ج ۶، روایت نمبر ۱۱۳۳۹، مجلس علمی-

(۲) السنن للدار قطنی ص ۴۲۰، ج ۴، جلد رابع ابحاث الطلاق، طبع مصر-

(۳) تفسیر مظہری لقاضی ثناء اللہ پانی پتی ص ۲۸۰، ج ۱، تحت الآیۃ الطلاق مرتان، پ ۲، طبع دہلی-

(۴) فتح القدیر شرح ہدایہ ص ۲۶، ج ۳، تحت قولہ طلاق البدعۃ، طبع مصر

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

○ ... عن علقمہ قال جاء رجل الی ابن مسعود رضی اللہ عنہ فقال انی طلقت امراتی تسعہ و تسعین وانی سالت فقیل لی قد بانت منی- فقال ابن مسعود رضی اللہ عنہ لقد احبوا ان یفرقوا بینک وبینہما قال فما تقول رحمک اللہ فظن انہ سیرخص لہ فقال ثلاث

علقمہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو ننانوے (۹۹) طلاقیں دے دی ہیں اور میں نے لوگوں سے اس بارے میں دریافت کیا ہے تو انہوں نے کہا ہے کہ میری زوجہ مجھ سے جُدا ہوگئی (مجھ پر حرام ہوگئی) تو اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ تیری زوجہ اور تیرے درمیان تفریق کرنا پسند کرتے ہیں- اور پھر اس

[Website: DifaAhleSunnat.com]

تبینها منک وسائرها عدوان- (۱) المصنف لعبدالرزاق، ص۳۹۵، ج۶، روایت نمبر۱۱۳۴۳، طبع مجلس علمی- (۲) فتح القدیر لابن ہمام شرح ہدایہ ص۲۵، ج۳، تحت قولہ طلاق البدعۃ، طبع مصر) ○... عن علقمہ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انہ سئل عن رجل طلق امراتہ مائہ قال ثلاث تبینها منک وسائرها عدوان- (شرح معانی الآثار للطحاوی ص۳۴، ج۲، باب الطلاقات ثلاثہ دفعتہ)

شخص نے کہا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے بتایئے آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟؟ سائل کہتا ہے کہ مجھے گمان تھا کہ آنموصوف شاید مجھے اس معاملہ میں رعایت دیں گے مگر جناب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین طلاقوں سے تیری زوجہ تجھ سے جُدا ہوگئی (تجھ پر حرام ہوگئی) اور زائد طلاقیں تیری طرف سے تجاوز اور عدوان ہے-

تنبیہ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مندرجہ بالا روایات جو درج کی ہیں، ان میں اس بات کا اجمال ہے کہ یہ حکم عورت غیرمدخولہ کے لیے ہے یا مدخولہ کے لیے ہے-

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی دیگر روایات میں اس بات کی تصریح پائی جاتی ہے کہ

○... عن زر عن عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) قال المطلقہ ثلاثا قبل ان یدخل بهاء بمنزلہ التی قد دخل بها- (السنن الکبریٰ للبیہقی ص۳۳۵، ج۷،

مطلب یہ ہے کہ طلاق ثلاثہ کے حکم کے اعتبار سے عورت مدخولہ اور غیرمدخولہ دونوں میں کوئی فرق نہیں- طلاق ثلاثہ کی صورت میں دونوں کا ایک حکم ہے کہ وہ عورت اس شخص پر حرام ہو جاتی ہے-

[Website: DifaAhleSunnat.com]

تحت کتاب الخلع والطلاق باب امضاء الثلاث وان کن مجموعات)

(اور بغیر تحلیل کے اس شخص کے نکاح میں نہیں آسکتی)

ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان

ایک دوسرے مقام میں ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

... وفی الموطاء ایضا بلغه ان رجلا جاء الی ابن مسعود رضی اللہ عنہ فقال انی طلقت امراتی ثمانی تطلیقات فقال ما قیل لک؟ فقال قیل لی بانت منک قال صدقوا هو مثل ما یقولون وظاهره الاجماع علی هذا الجواب۔ (۱) الموطاء الامام مالک"، ص۵۱۰-۵۱۱، کتاب الطلاق ما جاء فی البتة، طبع کراچی۔ (۲) فتح القدیر لابن ہمام شرح ہدایہ ص۲۵، ج۳، تحت قولہ وطلاق البدعة، طبع مصر)

مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو آٹھ (۸) طلاقیں دے دی ہیں تو ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ اس مسئلہ میں دوسرے حضرات نے تیرے لیے کیا حکم دیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میرے لیے یہ کہا گیا ہے کہ تیری عورت تجھ سے جُدا ہوگئی ہے تو جناب ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان حضرات نے سچ کہا ہے، یہ مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح انہوں نے کہا۔ صاحب فتح القدیر کہتے ہیں کہ ظاہریات یہ ہے کہ اس جواب پر اس وقت اجماع ہوگیا تھا۔

ابو ہریرہ وابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

محدثین نے مسئلہ ہذا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ

معاویہ بن ابی عیاش الانصاری جناب عبداللہ بن الزبیر اور عاصم بن عمر کے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

پاس بیٹھا ہوا تھا تو ان کے پاس محمد بن ایاس بن بکیر آیا اور اس نے کہا کہ اہل بادیہ میں سے ایک شخص نے اپنی عورت کو جو غیر مدخولہ ہے، تین طلاقیں دے دیں۔ آپ اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟؟ تو عبداللہ بن الزبیر نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے متعلق ہمارے پاس کوئی قول نہیں پہنچا۔ تم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاؤ۔ میں ان کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ جا کر ان دونوں سے سوال کرو اور پھر ہمارے پاس آنا اور ان کے جواب سے ہمیں مطلع کرنا۔ پس وہ شخص چلا گیا اور جا کر اس نے دونوں حضرات سے مسئلہ دریافت کیا۔

... فقال ابن عباس لابی هريره افته يا اباهريره- فقد جاء تك معضله فقال ابوهريره الواحده تبينها والثلث تحريمها حتى تنكح زوجا غيره- وقال ابن عباس مثل ذالك... الخ-

(۱) موطا امام مالکؒ ص۲۰۸، طبع مجتبائی دہلی ص۵۲۱، طبع کراچی تحت طلاق البکر۔ (۲) موطا امام محمدؒ ص۲۵۹، طبع مصطفائی، باب الرجل يطلق امراته ثلاثا قبل ان يدخل بها۔ (۳) السنن الکبریٰ للبیہقی ص۳۳۵، ج۷، ماجاء فی امضاء الطلاق الثلاث، طبع دکن)

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! آپ اس مسئلہ کا فتویٰ دیں۔ یہ ایک مشکل چیز آپ کے سامنے آئی ہے۔ تو جواب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک طلاق عورت کو جُدا کر دیتی ہے اور جو تین ہیں وہ عورت کو مرد پر حرام کر دیتی ہیں حتیٰ کہ وہ عورت ایک دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق حکم دیا۔ (اور اس کی تصدیق کی)

واقعہ ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ اصاغر صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے اکابر صحابہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

کرام رضی اللہ عنہم سے عندالضرورت مسائل میں رجوع فرمایا کرتے تھے اور ان کی تحقیق کو مقدم رکھتے تھے--- اس موقعہ میں بھی یہی صورت اختیار کی گئی اور اکابر کے فتویٰ پر اعتماد کیا۔

اور اس مقام میں امام بیہقی نے السنن الکبریٰ میں محمد بن ایاس بن البکیر والی روایت کے بعد اس بات کی تصریح کی ہے کہ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مسئلہ کو نقل کرنے والے مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

(۱) سعید بن جبیر (۲) عطاء بن رباح (۳) مجاہد (۴) عکرمتہ (۵) عمرو بن دینار (۶) مالک بن الحارث (۷) اور محمد بن ایاس بن البکیر وغیرہ۔

یہ تمام حضرات جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ اس طرح نقل کرتے ہیں کہ یکجا و یکبارگی تین طلاق کو آنموصوف رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں ہی قرار دیا اور ان کا امضاء اور اجراء کیا (یعنی تین طلاقوں کو اس صورت میں ایک طلاق قرار نہیں دیا)

...فهذه روايه سعيد بن جبير وعطاء بن رباح ومجاهد وعكرمه وعمر بن دينار ومالك بن الحارث ومحمد بن اياس بن البكير وروينا ه عن معاويه بن ابى عياش الانصارى كلهم عن ابن عباس انه جاز الطلاق الثلاث وامضاهن۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۳۸، ج ۷، تحت باب من جعل الثلاث واحدۃ)

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان

اسی سلسلہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مزید چند ایک روایات محدثین نے ذکر کی ہیں، جن میں جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی مسئلہ دریافت کیا گیا

[Website: DifaAhleSunnat.com]

تو آنجناب نے جواب میں فرمایا کہ جس شخص نے تین طلاقیں دی ہیں اس سے وہ عورت جُدا ہوچکی ہے۔ جس شخص نے اپنی عورت کو تین یا اس سے زیادہ طلاقیں دیں تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور وہ عورت اس سے جُدا ہوگئی۔ چنانچہ سعید بن منصور محدث نے اپنے السنن میں اس روایت کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

... عن الاعمش عن مالک بن الحارث قال جاء رجل الی ابن عباس رضی اللہ عنہ فقال ان عمہ طلق امراتہ ثلاثا فاکثر فقال عصیت اللہ عزوجل وبانت منک امراتک ولم تتق اللہ عزوجل فیجعل لک مخرجا۔

(السنن لسعید بن منصور الخراسانی المکی المتوفی ۲۲۷ھ ص ۲۸۵ تحت باب التعدی فی الطلاق، القسم الاول من الجلد الثالث طبع مجلس علمی کراچی)

روایت ہذا میں مدخولہ یا غیر مدخولہ کے لیے (طلاق ثلاث کا) ایک ہی حکم ہے کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

اسی طرح دیگر محدثین نے بھی جناب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ اس مسئلہ میں ذکر کیے ہیں۔

چنانچہ ابوداؤد شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد مجاہد سے روایت ذکر کی گئی ہے کہ

... عن مجاھد قال کنت عند ابن عباس فجاءہ رجل فقال انہ طلق امراتہ ثلاثا قال فسکت حتی ظننت انہ رادھا الیہ ثم قال ینطلق احدکم

روایت ہذا کا مطلب یہ ہے کہ مجاہد کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا۔ ان کے ہاں ایک شخص آیا اور اس نے آکر کہا کہ میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں تو ابن عباس

[Website: DifaAhleSunnat.com]

فیرکب الحموقه ثم یقول یاابن عباس یاابن عباس وان الله قال ومن یتق الله یجعل له مخرجا وانک لم تتق الله فلا اجد لک مخرجا- عصیت ربک وبانت منک امراتک... الخ- (۱) ابوداؤد شریف ص۳۰۶، تحت بقیہ نسخ المراجعہ بعد التعلیقات الثلاث، طبع دہلی- (۲) فتح القدیر شرح ہدایہ ص۲۵، ج۳، تحت قولہ وطلاق البدعۃ، طبع مصری-

رضی اللہ عنہ، خاموش رہے- میں نے گمان کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس کو رد کردیں گے- پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص سواری پر سوار ہو کر آتا ہے پھر کہتا ہے کہ اے ابن عباس، اے ابن عباس- پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کا خوف کرے اور ڈرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے خروج کی کوئی صورت پیدا کردیتے ہیں اور اے شخص تو نے اللہ سے خوف نہیں کیا پس میں تیرے لیے کوئی مخرج نہیں پاتا- اپنے رب کی تو نے نافرمانی کی ہے اور تیری عورت تجھ سے جُدا ہو چکی ہے- (حرام ہو گئی ہے)

یہاں محدث ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے مذکورہ روایت میں راوی مجاہد مذکور کے بہت سے متابعات (قریباً چھ سات) ذکر کیے ہیں-

... کلهم قالوا فی الطلاق الثلاث انه اجازها قال وبانت منک- (اے امضاها ولم یقل انها واحده) (ابوداؤد شریف ص۳۰۶، تحت بقیہ نسخ المراجعہ بعد التعلیقات الثلاث، طبع مجتبائی، دہلی)

مطلب یہ ہے کہ ان سب متابعات میں یہ مذکور ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تینوں طلاقوں کو جائز رکھا اور فرمایا کہ عورت تجھ سے جُدا ہو چکی ہے (اور یہ حکم نہیں دیا کہ یہ ایک طلاق ہے)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان

نیز الموطاء لامام مالک میں اور معانی الآثار الطحاوی دونوں میں ابن عباس رضی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ کلمات ذیل کے ساتھ مذکور ہے:

... مالک انه بلغه ان رجلا قال لابن عباس انی طلقت امراتی مائه تطلیقه فما ذا تری علی- فقال له ابن عباس طلقت منک بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آیات الله هزوا-

مطلب یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آکر کہا کہ میں نے اپنی عورت کو سو عدد طلاق دی ہے۔ آپ میرے متعلق کیا حکم دیتے ہیں تو آنجناب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تین طلاقوں کے ساتھ تجھ سے عورت جدا ہوگئی اور باقی ستانوے عدد طلاق سے تو نے اللہ کی آیات کا تمسخر کیا۔

(۱) (الموطا للامام مالک" ص ۱۹۹ کتاب الطلاق ما جاء فی البتۃ، طبع مجتبائی دہلی۔

(۲) شرح معانی الآثار الطحاوی" ص ۳۳ ج ۲ باب التطلیقات ثلاث وفعۃ۔

(۳) تفسیر مظہری ص ۲۸۰ ج ۱، تحت الآیۃ الطلاق مرتان، طبع دہلی (از قاضی ثناء اللہ" پانی پتی)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول

اب اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک دوسرے شاگرد عطا سے روایت ذکر کی جاتی ہے کہ

... عن عطا عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما قال اتاه رجل فقال انی طلقت امراتی ثلاثا قال یذهب

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد عطا جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

احدکم فیتلطخ بالنتن ثم یاتینا اذھب فقد عصیت ربک وقد حرمت علیک امراتک۔ لا تحل لک حتی تنکح زوجا غیرک۔ قال محمد وبہ ناخذ وھو قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالی وقول العامہ لا اختلاف فیہ۔

اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک تمہارا آدمی بدبو دار چیز کے ساتھ ملوث ہو جاتا ہے پھر ہمارے پاس آتا ہے (ناراض ہو کر فرمایا) چلا جا تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری عورت تجھ پر حرام ہو چکی ہے اور وہ تیرے لیے نہیں حلال ہو سکتی حتیٰ کہ وہ عورت تیرے سوا کسی دوسرے زوج کے ساتھ نکاح کرے۔

(کتاب الآثار لامام محمدؒ ص۸۶، طبع انوار محمدی لکھنؤ، ص۱۰۵، طبع کراچی، باب من طلق ثلاثا او طلق واحدۃ وھو یرید ثلاثا)

ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان

... عن سعید بن جبیر قال: جاء ابن عباس رجل فقال طلقت امراتی الفا... فقال ابن عباس ثلاث تحرمھا علیک وبقیتھا علیک وزدا اتخذت آیات اللہ ھزوا۔

(المصنف لعبد الرزاق ص۳۹۸، ج۶، تحت باب المطلق ثلاثا)

مطلب یہ ہے کہ کہ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ایک شخص جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو ایک ہزار طلاق دے دی ہے--- تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین طلاقوں نے تو تجھ پر تیری عورت حرام کر دی اور بقایا طلاقیں تجھ پر بوجھ ہیں، تو نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ تمسخر کیا۔

یہاں بھی آنجناب نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ تین طلاق سے وہ عورت طلاق دہندہ پر حرام ہو جاتی ہے لیکن اس کو ایک طلاق نہیں قرار دیا۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ایک تائید

ماقبل میں ہم نے جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعدد اقوال و فرامین ذکر کیے ہیں اور جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فرمودات آئندہ سطور میں پیش کر رہے ہیں۔ ان میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ مذکور ہے کہ طلاق دہندہ اگر یکدم ایک مجلس میں تین طلاق دے دے تو وہ تینوں واقع ہو جاتی ہیں (ان کو ایک طلاق قرار نہیں دیا جا سکتا)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایسے مواقع میں فرمایا کرتے تھے کہ

...عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال کنا اذا اتانا الثبت عن علی رضی اللہ عنہ لم نعدل بہ۔

مطلب یہ ہے کہ جب ہمیں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک فیصلہ شدہ اور ثابت شدہ چیز حاصل ہو جائے تو ہم اس کے برابر کسی چیز کو قرار نہیں دیتے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ص ۵۸ تحت باب اجتہاد الرای علی الاصول، الخ)

یہاں سے واضح ہوا کہ مسئلہ مذکورہ طلاق ثلاث کے معاملہ میں بھی جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو مقدم جانتے تھے۔

مزید تائید

عبداللہ بن عباس کا شرعی مسائل میں طریق کار

علامہ بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ میں مسئلہ ذکر کیا ہے کہ

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (ہاشمی) سے جب کوئی شخص مسئلہ دریافت کرتا تو آپ اس کا فیصلہ اگر کتاب اللہ میں موجود ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہیں ہے اور سنت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا تو سنت نبوی کے مطابق قول کرتے اور اگر وہ مسئلہ نہ تو کتاب اللہ میں ہوتا اور

[Website: DifaAhleSunnat.com]

نہ ہی سنت رسول اللہ میں پایا جاتا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے فرمودات میں پایا جاتا تو آنموصوف ان حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے مطابق عمل کرتے۔

اور اگر مذکورہ بالا تینوں صورتیں موجود نہ ہوتیں تو پھر اپنی مجتہدانہ رائے پر عمل کرتے تھے۔

..... عن عبید اللہ بن ابی یزید قال سمعت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما اذا سئل عن شیئی ھو فی کتاب اللہ قال بہ۔ واذا لم یکن فی کتاب اللہ وقالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بہ۔ وان لم یکن فی کتاب اللہ ولم یقلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقالہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما قال بہ۔ والا اجتھد رایہ۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۱۱۵ ج۲ کتاب آداب القاضی، طبع قدیم، دکن)

مطلب یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، کے اس طریق کار کے ذریعہ ثابت ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے دور کے فیصلوں پر عمل درآمد کرتے تھے اور یکبارگی طلاق ثلاثہ کو تین طلاقیں ہی شمار کرتے تھے، ان کو ایک طلاق قرار نہیں دیتے تھے۔

تنبیہہ

ہم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتاویٰ اور فرامین کو گزشتہ صفحات میں متعدد باسند محدثین اور فقہاء کرام کے ذریعے نقل کیا ہے۔

اس میں مقصد یہ ہے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس مسئلہ میں فیصلہ یہ ہے کہ عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ جب اس کو تین طلاقیں یکجا مجتمعا اپنا

[Website: DifaAhleSunnat.com]

خاوند دے دے تو وہ ایک طلاق نہیں ہوتی بلکہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور وہ عورت اس مرد پر حرام ہو جاتی ہے اور بغیر تحلیل کے اس کے نکاح میں نہیں آ سکتی۔

علامہ زاہد الکوثری نے الاشفاق میں لکھا ہے کہ

... وقد تواتر عن ابن عباس انه یریٰ ان الطلاق الثلاث بلفظ واحد یقع ثلاثا وقد سبق روایته ذالک عنه۔ بطریق عطاء وعمرو بن دینار وسعید بن جبیر ومجاھد وغیرھم۔ بل بطریق طاوس نفسه۔ (الاشفاق علی احکام الطلاق لعلامہ زاہد الکوثری، ص ۵۵، طبع کراچی)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات بہ تواتر منقول ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاق دینے سے تین طلاقیں ہی واقع ہو جاتی ہیں اور یہ مسئلہ جناب ابن عباس سے نقل کرنے والے عطاء عمرو بن دینار، سعید بن جبیر، مجاہد وغیرہم ہیں بلکہ ایک طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے طاؤس خود بھی اسی مسئلے کے ناقل ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محدث عبدالرزاق نے اپنے تصنّف میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مسئلہ ہذا میں ایک روایت ذکر کی ہے کہ

... ابراھیم بن محمد عن شریک بن ابی نمر قال جاء رجل الی علی فقال انی طلقت امراتی عدد العرفج۔ قال تاخذ من العرفج ثلاثا وتدع سائرہ۔ قال ابراھیم

روایت ہذا کا مفہوم یہ ہے کہ شریک بن ابی نمر کہتے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو عرفج کے عدد کے برابر طلاق دے دی ہے۔ (عرفج ایک ... جو بہت جلد ... جلنے والا ہے اور

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اخبرنی ابو الحویرث عن عثمان بن عفان مثل ذالک۔ (المصنف لعبد الرزاق ص ۳۹۴، ج ۶، روایت نمبر ۱۱۳۴۱، طبع مجلس علمی، کراچی)

یہاں اس سے مراد کثیر تعداد ہے) اس پر جناب علی المرتضیٰ نے فرمایا کہ اس تعداد میں سے تین طلاق تو نے اخذ کرلی ہیں اور باقی تمام تو نے ترک کردی ہیں۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ مجھے ابوالحویرث نے بتایا کہ جناب عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ مسئلہ اسی طرح منقول ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کا فرمان

کتاب الکفایہ للخطیب بغدادی میں روایت ہے کہ اعمش کہتے ہیں کہ کوفہ کے ایک شیخ نے ایک تحریر میرے سامنے پیش کی اس میں درج تھا کہ

... فاخرج الی کتابه اذا فیه بسم الله الرحمن الرحیم هذا ما سمعت من علی بن ابی طالب رضی الله عنه یقول اذا طلق الرجل امراته ثلاثا فی مجلس واحد فقد بانت منه (ولا تحل له حتی تنکح زوجا غیره)

روایت ہذا کا مفہوم یہ ہے کہ یہ مسئلہ راوی نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ جب ایک آدمی اپنی عورت کو مجلس واحد میں تین طلاق دے دے تو وہ عورت اس سے جدا ہو جاتی ہے (اور وہ عورت اس شخص پر حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے)

(کتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب بغدادی ص ۱۵۰، تحت باب رد حدیث من عرف، بقبول للتلقین)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کا فرمان دیگر

صاحب فتح القدیر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کی ایک دیگر روایت یہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

عبارت ذیل نقل کی ہے کہ

...وروی وکیع عن الاعمش ان حبیب بن ثابت قال جاء رجل الی علی رضی اللہ تعالی عنہ بن ابی طالب فقال انی طلقت امراتی الفا فقال لہ علی بانت منک بثلاث واقسم لسائرھن علی نسائک۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حبیب بن ثابت کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو ایک ہزار طلاق دی ہے تو جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے فرمایا کہ تیری عورت تجھ سے تین طلاق سے جُدا ہو چکی ہے اور باقی طلاقوں کو اپنی دوسری عورتوں پر تقسیم کر دے۔

(۱) فتح القدیر لابن ہمام شرح ہدایہ ص۲۵-۲۶ ج۳ تحت قولہ طلاق البدعۃ، طبع مصر۔

(۲) سنن کبریٰ بیہقی ص۳۳۵ جلد سابع میں بھی قلیل تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تین طلاق یکجا اور یکبارگی دی جائیں تو وہ تین طلاق ہی واقع ہو جاتی ہیں، ایک طلاق شمار نہیں کی جاتی۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نیز اسی مقام میں ابن ہمام نے اس مسئلہ کے متعلق جناب عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

...وروی وکیع ایضا عن معاویہ بن ابی یحییٰ قال جاء رجل الی عثمان بن عفان فقال طلقت امراتی الفا۔ فقال بانت منک بثلاث...

مطلب یہ ہے کہ معاویہ بن ابی یحییٰ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو ہزار طلاق ... دی ہے تو جواب میں جناب

[Website: DifaAhleSunnat.com]

عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیری زوجہ تجھ سے تین طلاق سے ہی جُدا ہو گئی۔

(۱) فتح القدیر لابن ہمام شرح ہدایہ ص۳۶، ج۳، تحت قولہ طلاق البدعۃ، طبع مصر۔

(۲) مرقات شرح مشکوٰۃ لعلی القاری ص۲۹۵، ج۶، باب الخلع والطلاق الفصل الثالث، طبع ملتان۔

حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان اور فیصلہ

محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض وجوہ کی بنا پر اپنی ایک بیوی کو تین طلاق دے دی پھر اس کے بعد انہیں اس بات پر افسوس ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے عدم رجوع پر مندرجہ ذیل روایت ذکر فرمائی:

...ثم قال لو لا انی سمعت جدی او حدثنی ابی انه سمع جدی یقول ایما رجل طلق لامراته ثلاثا عند الاقراء او ثلاثا مبهمه لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره لراجعتها۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں نے اپنے باپ سے یا جد سے یہ بات نہ سنی ہوتی کہ وہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے اپنی عورت کو تین طہروں میں تین طلاقیں دے دیں یا یکبار تین طلاقیں دے دیں تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں رہتی حتیٰ کہ دوسرے زوج کے ساتھ نکاح کرے تو میں رجوع کر لیتا۔

(۱) السنن للدار قطنی ص۴۳۷-۴۳۸، طبع دہلی، ص۳۰،۳۱، طبع مصر، جلد چہارم۔

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ص۳۳۶، ج۷، تحت باب امضاء الثلاث وان کن مجموعات

مطلب یہ ہے کہ تین طلاق یکبارگی تین ہی شمار ہوتی ہیں۔ وہ ایک طلاق شمار نہیں ہوتی اور بغیر تحلیل کے زوج اوّل کی طرف نہیں لوٹ سکتی۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اس بنا پر رجوع کرنے کی اب کوئی صورت نہیں رہی۔

الانتباہ

مسئلہ طلاق ثلاث کے متعلق ہم نے گزشتہ صفحات میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال فرامین اور ان کے فتاویٰ درج کیے ہیں۔ ان کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں طلاق ثلاث کو ایک کلمہ کے ساتھ واقع کر دے تو وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ (ان کو ایک طلاق نہیں قرار دیا جاتا)

اور ان حضرات کا اس فیصلہ پر اجتماع کر لینا ہمارے لیے دلیل اور حجت شرعی ہے۔ چنانچہ اس دور کے نامور عالم کبیر حضرت مولانا محمد تقی عثمانی نے یہی تحقیق بہ عبارت ذیل درج کی ہے:

... فهولاء فقهاء الصحابه امثال عمر و علی وعثمان وابن مسعود وابن عمر و عبدالله بن عمرو وعباده بن الصامت وابی هریره وابن عباس وابن الزبیر وعاصم بن عمر و عائشه (رضی الله تعالی عنهم) کلهم متفقون علی وقوع الثلاث ولو نطق بها الرجل فی مجلس واحد وکفیٰ بهم حجته واستنادا۔

(تکملہ فتح الملہم از حضرت مولانا تقی عثمانی ص۹۵۸ ج اول تحت مسئلہ ہذا، طبع کراچی)

جمہور صحابہ کرام کے مسلک کی تائید

گزشتہ صفحات میں مسئلہ طلاق ثلاثہ کے متعلق جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں ایک کلمہ سے ایک ہی وقت میں اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دے تو وہ تین طلاقیں ہی واقع ہو جاتی ہیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(وہ ایک طلاق شمار نہیں کی جاتی)

اس موقف کی تائید میں بعض مرفوع احادیث دستیاب ہوتی ہیں۔ ان احادیث میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ایک مرفوع روایت درج ذیل ہے:

مسلم شریف میں ہے کہ

...عن عائشه قالت طلق رجل امراته ثلاثا فتزوجها رجل ثم طلقها قبل ان يدخل بها- فاراد زوجها الاول ان يتزوجها- فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذالك فقال لا- حتىٰ يذوق الاخر من عسيلتها- ما ذاق الاول- (مسلم شریف ص ۴۶۳، جلد اوّل، باب لا تحل المطلقة ثلاثا لمطلقها حتیٰ تنکح زوجا غیرہ، دہلی)

اس مرفوع روایت کا مطلب یہ ہے کہ ...ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دے دیں تو اس نے ایک دوسرے شخص سے نکاح کرلیا مگر اس دوسرے خاوند نے اس عورت کو رخصتی سے قبل ہی طلاق دے دی۔ ان حالات میں اس عورت کے پہلے خاوند نے اس سے دوبارہ نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ جب اس سلسلہ میں جناب نبی اقدس ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آنجناب ﷺ نے فرمایا، بالکل نہیں۔ زوج اوّل اس عورت سے اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتا جب تک کہ دوسرا زوج اس عورت سے جماع نہ کرلے۔

اس روایت سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں (یکبارگی) واقع اور نافذ ہو جاتی ہیں اور تین ہی شمار ہوتی ہیں اور وہ عورت طلاق دہندہ اوّل پر حرام ہو جاتی ہے کیونکہ آنجناب ﷺ نے ان تین طلاقوں پر انکار نہیں فرمایا اور نہ ہی رد فرمایا بلکہ ان کا نفاذ برقرار رکھا اور حکم مذکورہ بالا ارشاد فرمایا۔ اگر تین طلاقیں اجتماعی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

طور پر ناجائز اور حرام ہوتیں تو جناب نبی کریم ﷺ اس پر خاموشی اختیار نہ فرماتے۔

نیز اسی مضمون کی ایک روایت بخاری شریف جلد ثانی صفحہ ۷۹۱، باب من اجاز طلاق الثلاث میں موجود ہے اور السنن الکبریٰ للبیہقی جلد سابع، صفحہ ۳۳۴ پر باب ما جاء فی امضاء الطلاق الثلاث--- الخ میں بھی موجود ہے۔ ناظرین کرام تسلی خاطر کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔

ازالہ شبہات

بحث ہذا کے سلسلے میں اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والے احباب اپنی تائید میں بعض روایات پیش کرتے ہیں اور عہد نبوی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد کے بعض واقعات ذکر کرتے ہیں--- ان کے زعم میں یہ ان کے مؤید ہیں۔ پس ان روایات کے جواب میں رفع شبہات کے طور پر کلام کرنا مناسب خیال کیا ہے۔

اکابر علماء کرام نے جو چیزیں ان روایات کے جوابات کے درجہ میں ذکر کی ہیں ان کو ایک ترتیب کے ساتھ ہم پیش کرنا چاہتے ہیں۔ قابل جواب روایات پہلے ملاحظہ فرماویں۔ چنانچہ طاؤس سے مروی روایات اس طرح ہیں کہ

○ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعدد شاگرد ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک شاگرد طاؤس بن کیسان ہیں جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسئلہ ہذا کو آنموصوف کے دیگر شاگردوں اور راویوں کے برخلاف بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ طاؤس بن کیسان جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں ذکر کرتے ہیں کہ ابوالصہباء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ پر ایک موقعہ پر بطور سوال کہا کہ آپ جانتے نہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد کے ابتدائی سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا؟؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

○ اور ایک دوسری روایت میں طاؤس جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر کے عہد میں اور دو تین سال تک خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "لوگوں نے اس معاملہ میں جلدبازی اختیار کرلی ہے۔" الخ۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرنے کی بجائے تین طلاق ہی کا نفاذ اور اجراء کر دیا۔

الجواب

اکابر علماء نے طاؤس بن کیسان کی جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان مرویات کا متعدد طریق سے جواب ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ان میں سے چند ایک چیزیں ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں، ان پر غور فرمائیں ان شاء اللہ تعالیٰ موجب اطمینان ہوں گی۔

مفسرین میں ایک قدیم عالم ابو جعفر النحاس المتوفی ۳۳۸ھ انہوں نے الناسخ والمنسوخ میں یہ چیز اس طرح لکھی ہے کہ طاؤس اگرچہ صالح شخص ہے لیکن اس کے ہاں بعض منکر روایات بھی ہیں جن کی نسبت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف کر دی ہے اور اہل علم نے ان منکر روایات کو قبول نہیں کیا۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ طاؤس ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتا ہے کہ ایک شخص نے اگر اپنی زوجہ کو کہا کہ تجھے تین طلاق ہیں تو اس صورت میں زوجہ کو ایک طلاق پڑے گی۔

طاؤس کے بغیر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دوسرا آدمی اس کو نہیں نقل کرتا۔ حالانکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں سے صحیح یہ بات مروی ہے کہ اس عورت کو تین طلاقیں ہوگئی ہیں۔ (ایک طلاق نہیں ہے) جس طرح کہ قرآن مجید میں ہے۔ فان طلقها فلا تحل له من بعد--- الخ

...وطاوس ان كان رجلا صالحا فعنده عن ابن عباس

[Website: DifaAhleSunnat.com]

رضی اللہ عنہ، مناکیر یخالف علیها ولا یقبلها اهل العلم منها انه روىٰ عن ابن عباس انه قال فی رجل قال لامراته انت طالق ثلاثا انما تلزمه واحده ولا یعرف هذا عن ابن عباس الا من روایته والصحیح عنه وعن علی بن ابی طالب رضی الله عنه انها ثلاث کما قال الله (فان طلقها فلا تحل له من بعد) الثالثه۔

(الناسخ والمنسوخ لابی جعفر النحاس ص۶۹ تحت باب ذکر الآیه الثالثه والعشرین محمد بن احمد بن اسماعیل الصفار)

مندرجہ بالا روایت کے ذریعے واضح ہوگیا کہ طاؤس کے ذریعے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ، سے اس مسئلہ میں جو مرویات ہیں، انہیں قدیم زمانہ سے علماء نے قبول نہیں کیا اور ان کے منکر ہونے کا قول کر دیا ہے اور معروف روایات کے مقابلہ میں منکر روایت کو قبول نہیں کیا جاتا بلکہ طاؤس کی روایت کو ثقات کے مقابلہ میں شاذ کہا جائے گا اور الثقه اذا شذ لا یقبل ما شذ فیه۔

○ پانچویں صدی ہجری کے مشہور فاضل ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ

... وروىٰ عن ابن عباس جماعه من اصحابه خلاف ما روی طاوس فی طلاق ثلاث۔ انها لازمه فی المدخول بها وغیر المدخول بها انها ثلاث لا تحل له حتی تنکح زوجا غیره۔ وعلی هذا جماعه العلماء والفقهاء بالحجاز والعراق والشام والمشرق

اس کا مفہوم یہ ہے کہ طلاق ثلاث کے مسئلہ پر طاؤس نے ابن عباس رضی اللہ عنہ، سے جو نقل کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ، کے دیگر شاگردوں کی ایک جماعت نے اس کے خلاف ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ عورت مدخولہ ہو یا غیرمدخولہ اس کے حق میں طلاق ثلاثہ تین ہی واقع ہو جاتی ہیں اور وہ دوسرے شخص سے نکاح کیے بغیر طلاق دہندہ کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔ طلاق

[Website: DifaAhleSunnat.com]

والمغرب عن اهل الفقه والحديث وهم الجماعه والحجه...الخ (التمہید لابن عبدالبر ص۳۷۸، ج۲۳، طبع مکہ مکرمہ)	کے ثلاث ہونے پر حجاز عراق اور شام کے علماء اور فقہاء کی ایک جماعت متفق ہے اور اسی طرح مشرق و مغرب کے اہلِ فقہ اور اہلِ حدیث اس کے قائل ہیں اور وہ ایک جماعت ہیں اور حجت ہیں۔

اور امام بیہقی نے سنن الکبریٰ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی اس جماعت کی تفصیل دی ہے جنہوں نے طاؤس کی روایت کے خلاف ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے، وہ یہ ہیں:

سعید ابن جبیر، عطاء بن رباح، مجاہد، عکرمہ، عمرو بن دینار، ومالک بن الحارث، محمد بن ایاس بن البکیر، معاویہ بن ابی عیاش الانصاری--- کلهم عن ابن عباس انه اجاز الطلاق الثلاث وامضاهن۔

(السنن الکبریٰ ص۳۳۸، ج۷، طبع دکن اور ابن قدامہ نے المغنی ص۳۰۳، جلد سابع میں تحت مسئلہ ہذا کی یہی تحقیق نقل کی ہے) یعنی اب سب حضرات نے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے ہیں اور ان کو نافذ کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ طاؤس کے بغیر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے باقی شاگردوں کی اس جماعت کثیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان یہی نقل کیا ہے کہ تین طلاقیں تین ہی شمار جاتی ہیں۔ (ان کو ایک طلاق نہیں بتایا گیا)

گویا کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی جماعت کثیرہ کے مقابلہ میں طاؤس کا یہ بیان متفردانہ ہے اور دوسرے ثقات کے مقابلہ میں انفراد کو شاذ کہا جاتا ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

طاؤس کی روایت کا شذوذ

○ ابن عبدالبر نے اس مقام میں ایک دیگر اہم چیز ذکر کی ہے کہ طاؤس (ابن کیسان) اپنی جلالت شان کے باوجود بعض دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے شاذ روایات بھی ذکر کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں اس نے دو عدد روایتیں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے شاذ نقل کی ہیں۔ ایک روایت خلع کے مسئلہ میں ہے اور دوسری روایت اجتماعی طلاق ثلاث کو ایک قرار دینے کے معاملہ میں ہے۔

... ولطاوس مع جلالته روايتان شاذتان عن ابن عباس رضى الله عنه هذه احداهما فى الخلع والاخرى فى الطلاق الثلاث المجتمعات انها واحده۔

(کتاب التمہید لما فی الموطاء من المعانی والاسانید ص ۳۷۸، ج ۲۳، طبع مکۃ المکرمہ)

معلوم ہوا کہ اس فن کے علماء کے نزدیک اجتماعی طلاق ثلاثہ کو واحد قرار دینے والی طاؤس کی یہ روایت بمنزلہ شاذ کے ہے اور شاذ روایت کے متعلق علماء نے یہ قاعدہ لکھا ہے کہ

...الثقه اذا شذ لا يقبل ما شذ فيه۔

یعنی اگر ثقہ راوی شاذ روایت لائے تو وہ قبول نہیں کی جاتی۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۸، ج ۶، طبع ملتان)

دیگر طریقہ

طاؤس کی مذکور روایت کے متعلق علماء نے ایک دوسرے طریقہ سے کلام کیا ہے۔ ابن قدامہ حنبلی نے المغنی میں لکھا ہے کہ

... وافتى ابن عباس رضى الله عنه بخلاف ما رواه عنه طاوس۔

(المغنی لابن قدامہ الحنبلی ص ۳۰۳-۳۰۴، ج سابع تحت بحث ہذا، طبع قدیم، مصری)

... فاما حديث ابن عباس رضى الله عنه فقد صحت الرواية عنه

[Website: DifaAhleSunnat.com]

بخلافه وافتی ایضا بخلافه۔

(تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص ۲۷۹، جلد اوّل، تحت الطلاق مرتان، طبع دہلی)

مطلب یہ ہے کہ طاؤس کی روایت کے خلاف خود ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ موجود ہے۔ اور ان کا قول بھی اس کے برعکس پایا جاتا ہے۔ (جیسا کہ اقوال صحابہ کے مقام میں گزشتہ صفحات میں اس چیز کو تفصیلا درج کر دیا گیا) وہاں حوالہ جات ہم نے درج کر دیئے ہیں۔

پس جبکہ طاؤس کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ اور قول کے خلاف پائی گئی تو یہاں ترجیح قائم کرنا متعین ہوگی۔ اس بنا پر کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی چیز انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہنچی ہو اور پھر اس کے خلاف کر دیں۔

چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ

...عن ابن المنذر انه لا یظن بابن عباس انه یحفظ عن النبی صلی الله علیه وسلم شیاء ویفتی بخلافه فتعین المصیر الی الترجیح والاخذ بقول الاکثر اولی من الاخذ بقول الواحد اذا خالفهم۔

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اکثر شاگردوں اور راویوں کے قول کو لیا جائے گا اور ایک راوی کے قول کو (جبکہ وہ اکثر کی مخالفت میں ہے) مرجوح قرار دے کر متروک سمجھا جائے گا۔

(۱) فتح الباری ص ۲۹۸، جلد تاسع، تحت من جوز طلاق الثلاث۔

(۲) بذل المجہود (فی حل ابی داؤد) ص ۶۳، ج ۳، تحت بحث ہذا

حاصل یہ ہے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کا طاؤس والی روایت کے خلاف فتویٰ کا پایا جانا یہ اس بنا پر ہے کہ ان کے لیے اصل معنی ظاہر اور واضح ہوگیا تھا کیونکہ روایت کا راوی اعلم ہوتا ہے اس چیز کے ساتھ جو اس نے روایت کی ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

صاحب روایت کا اپنی مروی کے خلاف قول و عمل

جب صاحب روایت سے اپنی مروی کے خلاف قول و عمل پایا جائے تو ایسے مواقع میں علمائے اصول اس کو مستقل بحث کی صورت میں ذکر کرتے ہیں۔

چنانچہ شمس الائمہ السرخسی نے یہ چیز اپنے اصول میں بہ عبارت ذیل ذکر کی ہے کہ

... او یکون ذالک منه علی انه علم انتساخ حکم الحدیث- وهذا احسن الوجوه- فیجب الحمل علیه تحسینا للظن براویته وعمله...... وعلم انه منسوخ فافتی بخلافه او عمل بالناسخ دون المنسوخ-

(اصول السرخسی ص۶ ج۲، فصل فی الخبر یلحقه التکذیب... الخ، طبع دکن)

اس کا حاصل یہ ہے کہ راوی کا قول و عمل اپنی مروی چیز کے برخلاف پایا جائے تو اس کو اس چیز پر محمول کرنا واجب ہے کہ راوی کو سابق حدیث کے حکم کے منسوخ ہونے کا علم ہوگیا ہے۔ یہ ایک بہتر توجیہ ہے کہ راوی کی روایت اور اس کے عمل کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس طرح روایت کا محمل بنایا جائے۔

تھوڑا سا آگے چل کر پھر یہی مسئلہ تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

جب صاحب روایت کو معلوم ہوگیا کہ اس حدیث کا حکم منسوخ ہوگیا ہے تو اس بنا پر اس نے سابق حکم کے مخالف فتویٰ دے دیا یا یوں کہیے کہ راوی نے ناسخ پر عمل کیا اور منسوخ کو ترک کر دیا۔

یہ توجیہ اس مقام میں اس صورت میں کی جائے گی جبکہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بقول طاؤس ابن عباس سابقاً اس مسئلہ میں ایک طلاق کے جواز کے قائل تھے اور بعد میں انہوں نے اس مسئلہ میں یہ قول اختیار کیا کہ تین طلاق یکبارگی کہنے سے تین طلاقیں ہی واقع ہو جاتی ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ آنموصوف کو سابق قول کے متروک و منسوخ ہونے کا علم۔

تو اس بنا پر انہوں نے بعد میں یہ صورت اختیار کی اور سابق قول کو ترک کر دیا۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

علماء کا کلام

طاؤس کی وہ روایت جس میں الصہباء کا سوال ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے--- اس روایت پر کبار علماء کا کلام پایا جاتا ہے۔

چنانچہ صاحب الجوہر النقی نے مندرجہ ذیل عبارت میں اس پر بحث کی ہے۔

...وذکر صاحب الاستذکار ان ھذہ الروایہ وھم وغلط۔ لم یعرج علیھا احد من العلماء۔ وقد قیل ابوالصھباء لا یعرف فی موالی ابن عباس وطاوس یقول ان ابوالصھباء مولاہ سالہ عن ذالک۔ ولا یصح ذالک عن ابن عباس لروایہ الثقات عنہ خلافہ۔ ولو صح عنہ ما کان قولہ حجہ علی من ھو من الصحابہ اجل واعلم منہ وھم عمر و عثمان و علی و ابن مسعود وابن عمر رضی اللہ تعالی عنھم وغیرھم۔ (الجوہر النقی لعلی بن عثمان الماردینی ص ۳۳۷-۳۳۸، ج ۷، تحت باب من حمل الثلاث واحدۃ)

فرماتے ہیں کہ صاحب "استذکار" نے یہ بات درج کی ہے کہ اس روایت میں وہم راوی ہے اور اس میں انتساب غلط ہے۔ اور بعض کی طرف سے یہ بات کہی گئی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے موالی میں ابوالصہباء غیر معروف شخص ہے۔ اور طاؤس کہتا ہے کہ ابو الصہباء ابن عباس کا مولیٰ ہے اور اس نے اس مسئلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ یہ بات صحیح نہیں اس لیے کہ ابن عباس سے ثقات راوی اس کے خلاف ذکر کرتے ہیں۔ اور بالفرض یہ بات جو طاؤس نے ابن عباس سے نقل کی ہے اگر صحیح ہو تب بھی ان کا قول قابل حجت نہیں ہے۔ ان لوگوں پر جو مرتبے میں ان سے بڑے اور علم میں زیادہ ہیں وہ حضرات یہ ہیں: عمر، عثمان، علی، ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

مختصر یہ ہے کہ ان اکابر حضرات کے قول کو ترجیح ہوگی اور ان کے قول کو مقدم رکھا جائے گا۔

ایک انکشاف

○ اور الفاضل زاہد بن الحسن الکوثری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "الاشفاق علیٰ احکام الطلاق" میں مزید ایک عجیب بات کا انکشاف کیا ہے کہ

...قال الحسین بن علی الکرابیسی "فی ادب القضاء" اخبرنا علی بن عبداللہ (وھوابن المدینی) عن عبدالرزاق عن معمر عن ابن طاوس عن طاوس انہ قال من حدثک عن طاوس انہ کان یروی طلاق الثلاث واحدہ کذبہ۔

دوسرے مقام میں بھی یہ ذکر کیا ہے کہ

... ابن طاوس (عبداللہ) راوی ھذا الخبر عن ابیہ کذب من نسب الی والدہ ان الثلاث واحدہ۔

(الاشفاق علی احکام الطلاق ص۳۹، و ص۵۵، طبع کراچی)

فاضل الکوثریؒ کی ان ہر دو عبارات کا حاصل یہ ہے کہ

... "طاؤس کے فرزند (عبداللہ) اپنے مخاطب کو کہتے ہیں کہ جس شخص نے تجھے میرے والد (طاؤس) سے یہ بات نقل کی ہے کہ وہ تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیتے تھے تو اس نے جھوٹ کہا ہے اور غلط انتساب کیا ہے۔"

گویا کہ خبرہذا کے راوی نے اس کے انتساب کی تغلیط کر دی کہ طاؤس اس بات کے قائل نہ تھے، بلکہ وہ تینوں کو تین طلاق ہی کہتے تھے۔

یہ چیز نہایت قابل غور ہے کیونکہ اگر طریقہ سے تو طاؤس کی ان مرویات کی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

بحث ہی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی حاجت ہی نہیں رہتی۔

روایات رکانہ پر بحث

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مرویات میں سے ایک وہ مرفوع روایت بھی ہے جسے حدیث رکانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رکانہ بن عبد یزید نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ پھر وہ اپنے اس فعل پر نادم اور متاسف ہوا۔ اس کے بعد رکانہ نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دی ہیں تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکانہ سے حلف کے ساتھ استفسار فرمایا کہ تو نے اپنے الفاظ کے ساتھ کیا ارادہ کیا تھا؟ تو رکانہ نے عرض کیا کہ میں نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا۔ تو اس وقت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نکاح جدید کے ساتھ رجوع کرنے کی اجازت دے دی۔

اس روایت کی روشنی میں بعض لوگ یہ مسئلہ تجویز کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو یکبارگی تین طلاق دے دے تو وہ نکاح جدید کے ساتھ رجوع کر سکتا ہے۔ (تحلیل کی ضرورت نہیں)

الجواب

رکانہ کی روایت کے متعلق علماء نے متعدد جوابات ذکر کیے ہیں، ان میں سے امام النواوی کا کلام جو انہوں نے اس روایت پر کیا ہے، وہ پہلے پیش کیا جاتا ہے۔

(۱)

امام النواوی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

... واما الراویه التی رواها المخالفون ان رکانه طلق ثلاثا فجعلها واحده فراویه ضعیفه عن قوم مجهولین وانما الصحیح منها ما قدمناه انه طلقها البته ولفظ البته محتمل للواحده وللثلاث ولعل صاحب هذه الروایه الضعیفه اعتقد ان لفظ البته یقتضی الثلاث فرواه بالمعنی الذی فهمه وغلط فی ذالک۔ (النواوی شرح مسلم شریف ص۴۷۸، ج اوّل، تحت روایت مذکورہ باب طلاق الثلاث، طبع نور محمدی، دہلی)

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ رکانہ کی روایت جس میں اس نے تین طلاق دے دی تھیں اور پھر اس نے اس کو ایک طلاق بنایا۔ مخالفین نے اپنی تائید میں یہ روایت پیش کی ہے۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے منقول ہے--- اس میں صحیح بات یہ ہے جو ہم نے قبل ازیں ذکر بھی کی ہے کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو "البتہ" کے لفظ کے ساتھ طلاق دی تھی۔ البتہ کا لفظ ایک طلاق اور تین طلاق دونوں معانی کے لیے محتمل ہے--- تو اس ضعیف روایت کے راوی نے اعتقاد کیا کہ لفظ "البتہ" تین طلاق کا مقتضی ہے۔ چنانچہ اس نے بالمعنی روایت کرتے ہوئے یہی سمجھا اور اس میں غلطی کی۔

مطلب یہ ہے کہ رکانہ نے تین طلاق نہیں دی تھیں بلکہ البتہ کے لفظ سے طلاق دی اور ایک طلاق کا ارادہ کیا۔

○

جس طرح امام النواوی رحمتہ اللہ علیہ نے روایت (رکانہ والی) پر کلام کیا ہے اسی طرح صاحب فتح القدیر ابنِ ہمام رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر علمائے کبار نے بھی اس پر نقد کیا ہے اور دیگر روایات کی روشنی میں انہوں نے روایت کی عمدہ تشریح کر دی ہے جس سے اصل واقعہ کی حقیقت سامنے آجاتی ہے اور اس کا صحیح موقعہ و محل

[Website: DifaAhleSunnat.com]

واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے کہ

...واما حدیث رکانه فمنکر والاصح ما رواه ابوداود والترمذی و ابن ماجه ان رکانه طلق زوجته البته فحلفه رسول الله صلی الله علیه وسلم انه ما اراد الا واحده فردها الیه۔ فطلقها الثانیه فی زمن عمر رضی الله عنه الثالثه فی زمن عثمان رضی الله عنه۔ قال ابوداود وهذا اصح۔

(۱) فتح القدیر شرح ہدایہ ص۴۶، ج۳، تحت بحث ہذا۔

(۲) تفسیر مظہری ص۲۸۰-۲۸۱، ج۱، تحت بحث الطلاق مرتان، پ۱۔

ابوداؤد شریف میں ہے کہ

...عن نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانه ان رکانه بن عبد یزید طلق امراته سهیمه البته فاخبر النبی صلی الله علیه وسلم بذالک وقال والله ما اردت الا واحده فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما اردت الا واحده فقال رکانه والله ما اردت الا واحده فردها الیه رسول الله صلی علیه وسلم۔ فطلقها الثانیه فی زمان عمر والثالثه فی زمان عثمان۔

(ابوداؤد شریف ص۳۰۷، ج۱، باب فی البتۃ، طبع مجتبائی، دہلی)

اس روایت سے ماقبل ص۳۰۶، ج اول پر نافع بن عجیر کی روایت ہذا کو ابوداؤد رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ

...حدیث نافع اصح لانهم ولد الرجل واهله اعلم به ان رکانه انما طلق انما طلق امراته البته فجعلها النبی

اس کا مطلب یہ ہے کہ رکانہ والی روایت (معروف روایات کے مقابلہ کی بنا پر) منکر کے درجہ میں ہے اور اس واقعہ میں زیادہ صحیح وہ روایت ہے جسے محدث

[Website: DifaAhleSunnat.com]

صلی اللہ علیہ وسلم واحدہ۔ ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے ذکر کیا ہے۔

(ابوداؤد شریف ص۳۰۶، ج۱، باب بقیہ نسخ المراجعہ بعد التطلیقات الثلاث، طبع مجتبائی، دہلی)

وہ یہ ہے کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو لفظ "البتہ" کے ساتھ طلاق دی اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں اپنے اس فعل کی اطلاع کی) تو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکانہ کو حلف دے کر دریافت فرمایا کہ اس لفظ "البتہ" سے تیرا ارادہ کیا تھا؟؟ تو اس نے جواب میں حلف کے ساتھ کہا کہ میں نے اس میں صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا تو اس پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی زوجہ کو اس کی طرف لوٹا دیا۔ (یہ عہد نبوی کا واقعہ تھا) اس کے بعد رکانہ نے عہد عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب میں اس کو طلاق ثانیہ دی اور پھر عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں رکانہ نے تیسری طلاق دی۔

محدث ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ بات زیادہ صحیح ہے۔

تشریح

حاصل مقصد یہ ہے کہ محدث ابوداؤد کی تصریح کے مطابق رکانہ نے اپنی زوجہ کو "البتہ" کے لفظ کے ساتھ طلاق دی تھی جیسا کہ رکانہ کے خاندان کے لوگ بیان کرتے ہیں اور گھر والے بہ نسبت دوسروں کے اصل واقعہ کے ساتھ زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ پھر اس کے بعد "البتہ" کے اس لفظ کو بعض رواۃ نے ثلاث کا "ہم معنی" و "ہم مفہوم" قرار دے کر لفظ "ثلاث" سے تعبیر کر دیا۔ رکانہ نے طلاق ثلاث نہیں دی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ واقعہ رکانہ کے ساتھ بعض لوگوں کا استدلال کرنا اور اپنے مدعا کے لیے دلیل بنانا صحیح نہیں ہے۔

کیونکہ اصل واقعہ میں تین طلاق کا وقوع ہی نہیں ہے بلکہ لفظ "البتہ" کہہ کر

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ایک طلاق کا قصد کیا گیا تھا۔

فلہذا اس روایت کو طلاق ثلاثہ مجموعاً کے جواز و نفاذ کے لیے استدلال بنانا اور طلاق ثلاث کے بعد رجوع کر لینے کا حق اس کو دینے پر دلیل کرنا بالکل صحیح نہیں ہے اور بے محل اور بے موقعہ ہے۔

ابنِ حجرؒ کی تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اپنی مشہور تصنیف "تلخیص الحبیر ص ۲۱۳، ج ۳، کتاب الطلاق میں روایت ہذا البتۃ" کے الفاظ سے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

... واختلفوا هل هو من مسند ركانه او مرسل عنه وصححه ابوداود وابن حبان والحاكم اعله البخاری بالاضطراب۔ وقال ابن عبدالبر فی التمهید ضعفوه... الخ۔

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ روایت رکانہ کے مسندات میں سے ہے اور بعض کا خیال ہے کہ یہ روایت رکانہ سے مرسل ہے۔ ابوداؤد، ابن حبان اور الحاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام بخاریؒ نے اس روایت کے متن میں اضطراب کی وجہ سے اس روایت کو معلول کہا ہے جبکہ علامہ ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ علماء نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

حاصل کلام

یہ ہے کہ روایت رکانہ پر علمائے کبار نے جو کلام کر دیا ہے، اسے باحوالہ ہم نے پیش کیا ہے کہ بقول محدثین ضعیف ہے، مجہول رواۃ سے مروی ہے، منکر ہے، باعتبار متن کے معلول ہے وغیرہ۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

تو ایسی روایت کو اثبات مدعا کے لیے دلیل بنانا درست نہیں ہے اور اگر اس نقد و جرح سے صرف نظر کر لی جائے، تب بھی اس سے استدلال ٹھیک نہیں---
وجہ یہ ہے کہ صاحب واقعہ نے "طلاق ثلاث" کے الفاظ کے ساتھ طلاق نہیں دی (البتہ) کے لفظ کے ساتھ طلاق کا ارادہ کیا تھا۔

اب اس چیز کو تین طلاقوں کو ایک قرار دینے پر حجت و دلیل بنانا کسی صورت میں درست نہیں۔ یہ تو ان دوستوں کی غلط فہمی ہی کہی جا سکتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر الزام

بعض لوگوں نے طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ طعن قائم کیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اور ابتدا عہد فاروق رضی اللہ عنہ میں طلاق ثلاثہ کو ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے اور اپنی سیاست جمانے کے لیے تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہونا ہی قرار دے دیا۔

اس اعتراض کے رفع کرنے کے لیے ذیل میں کلام کیا جاتا ہے جس سے یہ طعن زائل ہو جائے گا اور مسئلہ کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی۔

الجواب

اصل بات یہ ہے کہ طلاق کے معاملہ میں شرعی احکام کی رو سے تاخیر اور ترک عجلت کا حکم ہے۔

یعنی حتی المقدور بلاضرورت ایقاع طلاق کی طرف اقدام ہرگز نہ کیا جائے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں نے طلاق دینے کے معاملہ میں عجلت سے کام لیا اور تین طلاقیں بیک وقت اور ایک کلمہ کے ساتھ دینے لگے۔ حالانکہ شریعت کی طرف سے اگر مجبوراً طلاق دینا پڑے تو الگ الگ طہر میں ایک ایک طلاق دینے کا

[Website: DifaAhleSunnat.com]

حکم ہے۔ یعنی تین طلاقیں یکبارگی دینے کا کوئی جواز نہیں لیکن اگر کوئی شخص غلطی سے ایسا کر گزرے تو تین طلاقیں ہی واقع ہو جاتی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جب لوگوں کو اس مسئلہ میں عجلت اختیار کرتے دیکھا تو آنموصوف نے لوگوں کی ایک جماعت کو خطاب کرتے ہوئے مسئلہ ہذا کی وضاحت فرمائی۔

اس دوران کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایسی جماعت موجود تھی جو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کے گزشتہ واقعات سے اچھی طرح باخبر تھے۔ ان کی موجودگی میں یہ حکم جاری کیا گیا اور حاضرین میں سے کسی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کے خلاف کوئی انکار نہیں کیا اور کسی صاحب نے جواب میں مدافعت نہیں کی۔

یہ صورت حال اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ اس سے قبل مسئلہ ہذا کی جو صورت تھی، وہ منسوخ اور متروک ہو چکی تھی۔ (اور وجہ نسخ ان پر ظاہر ہو گئی تھی)

(۱) اسی چیز کو امام الطحاوی ؒ نے بہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

... فخاطب عمر رضی اللہ عنہ بذالک الناس جمیعا وفیھم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رضی عنھم الذین قدعلموا ما تقدم من ذالک فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم ینکر علیہ منھم منکر ولم یدفعہ دافع فکان ذالک اکبر الحجہ فی نسخ ما تقدم من ذالک...

(شرح معانی الآثار للطحاوی ؒ ص ۳۲، ج ۲، تحت باب الطلاق الثلاثہ دفعتاً)

(۲) ماقبل میں اس مسئلہ پر امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک حوالہ درج کیا ہے۔ اب اس کے بعد ابن حجر عسقلانی کا فتح الباری سے ایک عمدہ بیان تائیداً پیش کیا جاتا

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ہے۔

ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تحریم متعہ کے مسئلہ اور ایقاع الثلاث (فی الطلاق) کے مسئلہ پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں اجماع منعقد ہوا تھا اور اس کے بعد میں ان دونوں مسائل پر کسی ایک شخص نے بھی مخالفت نہیں کی تھی۔

یہ چیز اس بات پر دلیل ہے کہ ان مسائل میں وجود ناسخ کے پائے جانے کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع و اتفاق ہوا تھا۔ اگرچہ یہ بات قبل ازیں بعض حضرات سے مخفی تھی، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں آکر تمام حضرات پر یہ بات واضح ہوگئی۔

پس اس اجماع کے بعد جو مخالفت کرنے والا ہے، وہ اس کو گرا دینے والا ہوگا۔

(قاعدہ یہ ہے کہ) جمہور علماء کے نزدیک مسئلہ پر اتفاق کر لینے کے بعد اختلاف کھڑا کرنے کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (واللہ اعلم)

... فالراجح فی الموضعین تحریم المتعه وایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عهد عمر علی ذالک ولا یحفظ ان احدا فی عهد عمر رضی اللہ عنہ خالفه فی واحده منهما وقدول اجماعهم علی وجود ناسخ وان کان خفی عن بعضهم قبل ذالک حتی ظهر لجمیعهم فی عهد عمر رضی اللہ عنہ فالمخالف بعد هذا الاجماع منا بذله والجمهور علی عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق - واللہ اعلم -

(۱) فتح الباری لابن حجر عسقلانی ص ۲۹۹، ج ۹، تحت من جوز الطلاق الثلاث۔

(۲) بذل المجهود شرح ابی داؤد ص ۶۴، ج ۳، نسخ فی المراجعة بعد... الخ۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(نوٹ) ابنِ حجر العسقلانی نے مسئلہ ہذا میں فتح الباری کے اس مقام میں بڑے مفصل جوابات درج کیے ہیں، اہلِ علم رجوع فرما سکتے ہیں۔

تائید

(۳) جس طرح سابق حوالہ جات میں یہ بات مذکور ہے کہ عہد فاروقی میں ایقاع الثلاث (فی الطلاق) کے مسئلہ میں صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا تھا اور وہ ناسخ کے پائے جانے کی بنا پر ہوا۔

اس مضمون کو ابن ہمام نے اپنی تصنیف فتح القدیر میں اور ملا علی القاری نے مرقات شرح مشکوۃ میں درج کیا ہے۔ عبارت ذکر کرنے میں تطویل ہوتی ہے۔ اس بنا پر اہلِ علم کے لیے صرف حوالہ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) (فتح القدیر شرح الہدایہ لابنِ ہمام ص۲۵، ج۳، تحت بحث ہذا (طلاق البدعۃ) طبع مصر (معہ العنایہ)

(۲) (مرقات شرح مشکوۃ ملا علی القاری ص۲۹۴، ج۶، طبع ملتان، تحت روایت ابنِ عباس از موطا مالک، باب الخلع والطلاق، الفصل الثالث)

مزید تائید

(۳) جناب قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں یہی بیان درج کیا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

... وما ذکر من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ فیہ دلالہ علی ان الحدیث منسوخ فان امضاء عمر الثلاث بمحضر من الصحابہ وتقرر الامر علی

عبارت ہذا کا مفہوم یہ ہے کہ ابن عباس کی روایت جو مذکور ہے، اس میں اس چیز پر دلالت پائی جاتی ہے کہ یہ روایت منسوخ ہے۔ جماعت صحابہ کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طلاق ثلاث کا امضاء و

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ذالک یدل علی ثبوت الناسخ عندھم وان کان قد خفی ذالک قبلہ فی خلافہ ابی بکر۔ وقد صح فتوی ابن عباس علی خلاف ما رواہ... الخ (تفسیر المظہری ص۲۷۹، ج۱، تحت الآیہ الطلاق مرتان، پ۲)

نفاذ کرنا اور اس امر کا تقرر ہو جانا، یہ بات دلالت کرتی ہے کہ ان کے نزدیک ناسخ کا ثبوت موجود تھا۔ اگرچہ یہ بات قبل ازیں عہد صدیقی میں مخفی تھی، اور پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کا اپنی روایت کے خلاف پایا جانا صحیح طریقہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ (پس ان امور کے پیش نظر واضح ہو گیا کہ ان حضرات کے سامنے ثبوت نسخ موجود تھا)

(۵) اور اہل علم کی تسلی کے لیے یہ بات ذکر کر دینا مفید ہے کہ صحیح مسلم شریف کے حواشی میں علامہ ابوالحسن سندھی رحمتہ اللہ علیہ نے اسی مسئلہ پر (کہ صحابہ کرام کو وجود ناسخ معلوم ہو گیا تھا) نفیس پیرایہ میں بحث کی ہے۔

مسئلہ ہذا کے شائق مقام ذیل کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

(الحاشیہ لابی الحسن السندھی علی مسلم ص۵۴-۵۵، کتاب الطلاق، مطبوعہ ملتان، طبع قدیم)

خلاصہ بحث یہ ہے کہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلاق ثلاث کے نفاذ کا حکم دیا تو وہ کوئی تفرد نہیں تھا اور نہ ہی وہ کوئی سیاسی حکمرانی تھی، نہ وہ حکم بدعت تھا اور نہ ہی قضاء نبوی کے خلاف تھا۔

وجہ یہ ہے کہ:

کسی صحابی نے (ابن عباس رضی اللہ عنہ سمیت) اس حکم کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور کسی نے انکار نہیں کیا۔

بلکہ سب اس پر رضامند ہو گئے، بس یہی بات حق ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حق کے خلاف کسی چیز پر خاموش نہیں ہوتے اور ناحق بات پر اجماع نہیں کرتے اور ان کا فعل حجت شرعی ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر الزام کا دفاع

مخالفین صحابہ کی طرف سے مشہور صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن قائم کیا جاتا ہے کہ وہ زنا کے مرتکب ہوئے تھے اور ان کے اس فعل پر گواہوں نے گواہی دی تھی۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آخری گواہ کے حق میں دعا مانگی اور ایک طریقہ سے اس کو تلقین بھی کی تاکہ اس کی شہادت نامکمل پائی جائے۔

اس ذریعہ سے انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حد زنا لگنے سے بچا لیا۔

گویا کہ مخالفین صحابہ کی طرف سے دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما پر طعن قائم کیا گیا ہے۔ حضرت مغیرہ کو بدکاری کی تہمت کے ساتھ مطعون کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرعی حد رائیگاں کرنے میں ملوث کیا گیا۔

الجواب

اس سلسلہ میں چند چیزیں قابل وضاحت ہیں، ان کو ایک ترتیب سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس الزام کا جواب تمام ہوگا۔

ایک بات تو یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

واقعہ مختلف روایات میں پایا جاتا ہے جن کے اسانید پر محدثانہ طریق پر کلام کرنے کے بہت سے مواقع موجود ہیں اور اس کی تفصیلات میں جانا ایک طویل بحث کا موجب ہے۔

بالفرض روایات کے اسناد پر نقد اختیار کرنے سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر اس واقعہ کو کسی درجہ میں تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس امر کو دیکھنا ہوگا کہ یہ واقعہ کن حالات میں پیش آیا اور اس کا پس منظر کیا تھا؟

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، جس دوران حاکم بصرہ متعین تھے، وہاں بعض لوگ ان کے خلاف تھے ان میں ابوبکرۃ آنموصوف کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

بقول بعض مورخین مثلاً الطبری والبلاذری کے، مخالفین نے مناقشہ اور مخاصمت کی بنا پر آنموصوف پر بدکاری کا الزام لگا دیا۔

اور پھر ان مخالفین نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شہادتیں دیں جو اپنی جگہ پر اس الزام کے ثبوت میں نامکمل تھیں۔ اس وجہ سے آنموصوف رضی اللہ عنہ، پر جرم ثابت نہ ہوسکا اور الزام لگانے والوں پر حد قذف لگائی گئی۔

یہ طریقہ شرعی قواعد کے موافق سرانجام پایا اس کو حیلہ بازی پر محمول کرنا اور جانبداری قرار دینا سراسر ناانصافی ہے۔

نیز مخالفین صحابہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شواہد کو تلقین کرنے کا طعن بھی تجویز کرتے ہیں جو سراسر غلط ہے اور یہ طعن رواۃ کی طرف سے روایات میں ادراج کلمات کی بنا پر تیار کیا گیا ہے۔ فلہذا یہ طعن حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پر بہتان صریح ہے۔

چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

...وتلقین شاھد افتراء محض وبھتان صریح است۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اور دوسرے مقام پر تحریر کرتے ہیں کہ

... وآنچہ گفتہ اند کہ عمر رضی اللہ عنہ ایں کلمہ گفت (اری وجہ رجل لا یفضح اللہ بہ رجلا من المسلمین) غلط صریح وافتراء قبیح بر عمر رضی اللہ عنہ است۔

مطلب یہ ہے کہ راویوں کی طرف سے روایت میں ایسے کلمات درج کر دیئے گئے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بالکل افتراء کے درجہ میں ہیں۔

(تحفہ اثنا عشریہ ص۲۹۷، تحت طعن ششم مطاعن فاروقی، طبع سہیل اکیڈمی لاہور)

اس چیز پر قرینہ یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں جب پیش ہوا تو اس وقت وہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ متعدد کبار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے اور کسی امر ناحق پر انکار کرنا اور جہاراً اس پر نکیر کرنا ان حضرات کا شیوہ تھا پھر وہ کس طور پر اس معاملہ میں خاموش رہے اور سکوت اختیار کیے رکھا؟؟ اور ناحق بات کو رد نہیں کیا؟؟

یہاں سے معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر کوئی خلاف شرع یا خلاف حق بات سامنے نہیں آئی اور نہ ہی کوئی قابل اعتراض چیز پائی گئی۔

ایک توجیہ

اور بعض علماء نے اس واقعہ کے متعلق مندرجہ ذیل توجیہ ذکر کی ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر العسقلانی نے اپنی تالیف "تلخیص الحبیر" میں البلاذری کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ

... وافاد البلاذری: ان المراہ التی رمی بہا: ام جمیل بنت محجن بن الافقم الہلالیہ وقیل ان المغیرہ کان تزوج بہا

یعنی البلاذری کہتے ہیں کہ وہ عورت جس کے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہ پر الزام لگایا گیا، اس کا نام ام جمیل بنت محجن الہلالیہ تھا اور کہا گیا ہے کہ اس عورت کے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

سرا- وکان عمر لا یجیز نکاح السز ویوجب الحد علی فاعلہ- فلھذا سکت المغیرہ وھذا لم ارہ منقولا باسناد وان صح کان عذرا حسنا لھذا الصحابی-

ساتھ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے پوشیدہ نکاح کیا ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوشیدہ نکاح کو جائز قرار نہیں دیتے تھے اور ایسا کرنے والے کو سزا دیتے تھے، اس وجہ سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اس بات کے اظہار سے خاموش رہے اور پوشیدہ نکاح کو ظاہر نہیں کیا۔

(۱) تلخیص الحبیر لابن حجر ص ۶۳، ج ۴، تحت کتاب حد القذف۔

(۲) فیض الباری علی صحیح البخاری از حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ ص ۳۸۶، ج ۳، باب شہادۃ القاذف، قولہ جلد عمر رضی اللہ عنہ ابابکرۃ... الخ۔

مختصر یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کو غیر صحاح کے بعض مولفین نے ذکر کیا ہے لیکن حسب عادت مورخین نے زیادہ تفصیلات ذکر کر دی ہیں، پھر رواۃ کے باہم بیانات یہاں بہت کچھ مختلف پائے جاتے ہیں۔

ان پر اعتماد کر کے ایک مشہور صحابی (جو حدیبیہ کے شامل ہونے والوں میں سے ہیں) کو مطعون قرار دینا درست نہیں۔

یہ اعدائے صحابہ کا طریق کار ہے کہ الزام ثابت نہ ہو سکنے کی صورت میں بھی صحابہ کی پوزیشن داغدار کرنے کے درپے رہتے ہیں اور غیر ثابت شدہ بات کے نشر کرنے میں پوری قوت صرف کرتے ہیں یہاں بھی یہی صورت انہوں نے اختیار کی ہے۔

درایت کے اعتبار سے

اس مسئلہ میں درایت کے اعتبار سے بھی نظر کرنے کی ضرورت ہے وہ اس طرح کہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام میں ایک اہم مقام و مرتبہ ہے۔ آنموصوف رضی اللہ عنہ عام الخندق ۵ ہجری میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور بعدہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حاضر تھے۔

چنانچہ جب ذوالقعدہ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقعہ پر کفار کی طرف سے عروۃ بن مسعود اہلِ اسلام سے گفتگو کرنے کے لیے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو اس موقعہ پر باہمی گفتگو کے دوران جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حاضرباش خادم کی حیثیت سے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں خود پہنے ہوئے تلوار سے مسلح کھڑے تھے۔

عروۃ بن مسعود اپنی گفتگو کے دوران جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا۔ جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کی نیام سے اس کے ہاتھ کو دور کرتے ہوئے کہا کہ اپنے ہاتھ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک سے دور رکھ۔ اس پر عروۃ بن مسعود نے سر اٹھا کر پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟؟ تو حاضرین نے کہا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں--- الخ۔

اسی واقعہ کو امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

... وجعل (عروه بن مسعود) يكلم النبى صلى الله عليه وسلم فكلما كلمه اخذ بلحيته والمغيره بن شعبه قائم على راس النبى صلى الله عليه وسلم ومعه السيف وعليه المغفر- فكلما اهوى عروه بيده الى لحيه النبى صلى الله عليه وسلم ضرب يده بنعل السيف وقال اخريدك عن لحيه رسول الله صلى الله عليه وسلم- فرفع راسه فقال من هذا؟ قالوا المغيره بن ...الخ (بخاری شریف ص ۳۷۸-۳۷۹، جلد اوّل، کتاب الشروط،

[Website: DifaAhleSunnat.com]

باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل الحرب، طبع دہلی)

مقصد یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، صلح حدیبیہ کے حاضرین میں یقیناً شامل تھے اور اہلِ حدیبیہ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں بہت سے فضائل اور محامد ذکر کیے ہیں۔

مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

... فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین والزمہم کلمہ التقوی وکانوا احق بہاو اہلہا وکان اللہ بکل شی علیما۔ (پ۲۶، الفتح)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور مومنین پر سکینہ نازل فرمائی اور ان کے لیے کلمہ تقویٰ لازم کر دیا اور وہ اس کلمہ کے زیادہ اہل اور حقدار تھے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو جانتے ہیں۔

لہٰذا حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی ان فضائل میں شامل اور محامد کے حامل ہیں اور یہ چیز اس بات کے شواہد میں سے ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا کردار صحیح تھا، غلط نہیں تھا اور مطاعن کی جو چیزیں ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، ان کا انتساب بے جا ہے اور وہ ان کے شایانِ شان نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ادوارِ خلافت میں ان کو مناصب دیئے جاتے رہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے نقاد، عادل اور منصف خلیفہ کے دورِ خلافت میں بھی ان کو ولایت و امارت کا مرتبہ دیا جاتا رہا، جیسا کہ ان کے تراجم میں مذکور ہے اور مذکورہ الزام (جو صحیح ثابت نہ ہوا) کے بعد بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ پر والی اور حاکم قائم رکھا۔ یہ چیزیں بھی جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے اعمالِ صالحہ اور عمدہ اخلاق کے قرائن میں سے ہیں۔

اگر مغیرہ رضی اللہ عنہ کا کردار داغدار تھا تو عالی مناصب سے ان کو برطرف کیوں نہیں کر دیا گیا؟؟

پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں آنموصوف رضی اللہ عنہ،

[Website: DifaAhleSunnat.com]

امیر و حاکم کے مناصب پر قائم رہے۔

بعدہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، کوفہ پر حاکم تھے لیکن جنگ جمل و صفین میں ان باہمی تنازعات سے کنارہ کش ہوگئے تھے اور آنموصوف رضی اللہ عنہ نے فریقین میں سے کسی فریق کی جانب داری نہیں کی اور جمل و صفین میں حصہ نہیں لیا۔ بعد میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں کوفہ کے والی اور حاکم رہے۔

خلفائے راشدین کا مغیرہ بن شعبہ سے تعامل اور باعزت معاملہ اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ آنموصوف صحیح کردار کے شخص تھے، غلط کار اور بد عمل ہرگز نہیں تھے۔

دیگر یہ بات بھی اس چیز کا قرینہ ہے کہ روایت حدیث کے باب میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین اپنے اپنے دور میں جناب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، سے حدیث نبوی نقل کرتے رہے ہیں، چنانچہ چند ایک کے اسماء بطور مثال ذکر کیے جاتے ہیں:

المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ، قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ، مسروق، ابو وائل، عروۃ بن الزبیر عامر الشعبی، ابو ادریس الخولانی وغیرہم۔

مذکورہ بالا حضرات کا حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، سے روایت حدیث لینے کا یہ معاملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آنجناب رضی اللہ عنہ، صحیح العمل اور نیک کردار کے مالک تھے کیونکہ بداخلاق، بُرے کردار اور بُرے اعمال کے انسان سے دینی روایات نہیں لی جاتیں اور دین کے معاملہ میں بد عمل انسان پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جاتا۔

نیز محدثین نے لکھا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، سے ایک سو چھتیس احادیث نبوی منقول ہیں۔ ان میں سے بارہ احادیث نبوی تو صرف صحیحین (بخاری و مسلم) میں موجود ہیں۔

یہ چیز بھی ان کی عدالت و ثقاہت پر دال ہے اور نیک کردار ہونے کا عمدہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

قرینہ ہے۔

مختصر یہ ہے کہ

ان مذکورہ بالا قرائن و شواہد کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، اپنے مقام میں صاحب کردار صاحب دیانت اور باوقار صحابی تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، کے دور میں کوفہ کی ولایت کے دوران ۵۰/۵۱ ہجری میں فوت ہوئے۔

جن لوگوں نے غیر ثابت شدہ واقعہ کے اعتبار سے ان پر بداعمالی کا طعن قائم کیا ہے اور ان کو بدنام کرنے کی سعی نامشکور کی ہے، وہ سراسر غلط ہے اور وہ اس دور کے واقعات کے برخلاف ہونے کی بنا پر قابل رد ہے، کوئی ہوش مند اور صاحب رائے شخص اس کو باور نہیں کر سکتا۔

ناظرین کرام مندرجات بالا کے حوالہ کے لیے درج ذیل مقامات کی طرف رجوع کر سکتے ہیں:

(۱) بخاری شریف جلد اوّل، ص۳۷۸، ۳۷۹ کتاب الشروط۔

(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبیؒ، جلد ثالث، تحت ترجمہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔

(۳) تہذیب الاسماء للنواویؒ، جلد اوّل، تحت ترجمہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔

(۴) البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ، جلد ثامن، تحت ترجمہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔

(۵) تاریخ الاسلام للذہبیؒ، جلد ثانی، تحت ترجمہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔

الحاق

جس طرح سابقہ اوراق میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفائی کے طور پر چند معروضات پیش کیے ہیں، اسی طرح ایک دیگر مشہور صحابی جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی چند گزارشات یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی مخالفین لوگ کئی قسم کے اعتراضات قبیح الفاظ کے ساتھ تحریر کرتے ہیں۔ ان کی طرف سے دفاع کے طور چند کلمات تحریر کیے گئے ہیں، قارئین کرام ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسلام کی نظروں میں

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک اہم شخصیت، اسلام کے نامور مجاہد اور فہم و فراست کے اعتبار سے باکمال زیرک بزرگ ہیں۔ فروغ اسلام میں ان کے عظیم کارنامے پائے جاتے ہیں۔

سطور ذیل میں جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے حالات اور ملی خدمات بالاختصار ہم ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

بعض لوگ اکابر صحابہ کرام کے خلاف

اپنے دیرینہ شیوہ کے تحت ان کی خامیوں اور کوتاہیوں کو ذکر کرتے ہوئے تنقیص شان میں کوشاں رہتے ہیں اور خلاف واقعہ چیزوں کو ان کی طرف منسوب کر کے عوام الناس کو ان سے متنفر اور بدظن کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں مخالفین صحابہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی بہت کچھ غلط اور بے سروپا چیزیں نشر کر کے ان کے خلاف بدظنی پھیلانے کی کوشش کی ہے۔

فلہذا یہ لوگ اپنی عبارات میں آنموصوف صلی اللہ علیہ وسلم کو دغاباز، مکار اور فریب کار

[Website: DifaAhleSunnat.com]

وغیرہ جیسے قبیح الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

مخالفین صحابہ جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے خلاف جو کچھ ذکر کرتے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

آنموصوف رضی اللہ عنہ، مال و دولت کے حریص، طمع و لالچ کے مریض تھے اور دجل و فریب کے عادی تھے اور مالی مفاد حاصل کرنے کی خاطر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامی ہوگئے تھے اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس چیز پر ندامت اور اظہار افسوس کرتے تھے وغیرہ۔

...فلک النجاۃ فی الامامۃ والصلوۃ۔ (۹۳/ ۹۴ جلد اول، طبع ثانی از مولوی علی محمد شیعہ و امیردین صاحب حکیم شیعہ جھنگوی)

مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر ہم ذیل میں جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ضروری احوال بالاجمال ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ ان پر نظر انصاف کرنے سے آنموصوف رضی اللہ عنہ، کا اسلام میں مقام و مرتبہ واضح ہوگا اور طاعنین کے عائد کردہ الزامات کا دفاع بھی بہتر طریق سے ہو سکے گا۔ (بعونہ تعالیٰ)

نام ونسب

اسم گرامی عمرو بن العاص بن وائل القریشی السہمی ہے اور ان کی کنیت ابو عبداللہ اور بعض کے نزدیک ابو محمد بھی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی والدہ کا نام النابغہ بنت حرملہ سہیہ ہے۔

عمرہ بن العاص کے خاندان کو بنو سہم کہتے تھے اور دور جاہلیت میں یہ بڑا معزز اور باوقار خاندان سمجھا جاتا تھا اور مقدمات کے فیصلہ کرنا ان لوگوں کا منصب تھا۔

قبل از اسلام ان کا کردار

عمرو بن العاص جب تک اسلام نہیں لائے، اسلام کی مخالفت اور عداوت میں

[Website: DifaAhleSunnat.com]

پیش پیش رہتے تھے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں جب اہل مکہ کی مخالفت زوروں پر تھی، اس وقت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق چند مسلمانوں کا ایک قافلہ ہجرت کر کے حبشہ میں النجاشی کے ہاں گیا تھا۔

اس قافلہ کے سرگروہ عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ لوگ حبشہ میں چند ایام کے لیے مقیم ہوئے تو اس دوران قریش مکہ کی طرف سے ایک وفد عمرو بن العاص کی سربراہی میں شاہ حبشہ النجاشی کے پاس اس مقصد کے لیے پہنچا کہ مسلمانوں کے اس قافلہ کہ حبشہ سے نکال دیا جائے اور انہیں ان کے سپرد کر دیا جائے۔

چنانچہ اس کام کے لیے عمرو بن العاص جو سرگرم رکن تھے۔ انہوں نے النجاشی کے پاس پہنچ کر حبشہ سے مسلمانوں کے اخراج کی پوری سعی کی اور ساتھ ہی شاہ حبش کی خدمت میں رنگے ہوئے چمڑے کے چند تحائف پیش کیے اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ مسلمانوں کو یہاں پناہ نہ دی جائے اور ان کا اخراج کر دیا جائے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں عمرو بن العاص کی النجاشی کے ساتھ جو باہمی گفتگو ہوئی، اس کی وضاحت میں سیرۃ لابن ہشام سے ایک حوالہ درج ذیل ہے اور اس کی تائید بعض دیگر کتب میں بھی دستیاب ہے۔

یاد رہے کہ یہ مذاکرات ناکام ہو گئے تھے، النجاشی ناراض ہو گیا تھا اور عمرو بن العاص کی تمام مساعی بے سود ٹھہریں، ابن ہشام نے لکھا ہے کہ

... ثم قلت (عمرو بن العاص) له ايها الملكا والله لو ظننت انك تكره هذا ما سالتكه قال اتسالني، ان

مندرجہ بالا عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے نجاشی کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے بادشاہ! واللہ! اگر مجھے یہ گمان ہوتا کہ آپ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اعطیک رسول رجل یاتیه الناموس الاکبر الذی کان یاتی موسی لتقتله قال قلت ایها الملک اکذالک هو؟ قال ویحک یا عمرو اطعنی واتبعه فانه والله لعلی الحق ولیظهرن علی ما خالفه کما ظهر موسی علی فرعون و جنوده، قال قلت افتبایعنی له علی الاسلام؟ قال نعم فبسط یده فبایعته علی الاسلام ثم خرجت الی اصحابی وقد حال رائی عما کان علیه و کتمت اصحابی اسلامی۔ (۱) السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج۲، ص۲۷۷، تحت اسلام عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ (۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی ج۳، ص۴۰-۴۱، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ (۳) اسد الغابۃ لابن اثیر الجزری ج۴، ص۱۱۶، تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

اس بات کو مکروہ اور ناپسند جانتے ہیں تو میں آپ سے اس کا تقاضا نہ کرتا۔ نجاشی نے کہا کہ کیا تم مجھ سے اس شخص کے قاصد کے متعلق سوال کرتے ہو (کہ میں اس کو تمہارے حوالے کر دوں) جس شخص کے پاس وہی الناموس (فرشتہ) آتا ہے جو جناب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ اے بادشاہ! یہ بات اسی طرح ہے جس طرح آپ نے بیان کی ہے؟؟ النجاشی بولا کہ ویحک یا عمرو! (یہ کلمہ ترحم و شفقت ہے) تم میری بات مان لو اور تابعداری اختیار کرو۔ اللہ کی قسم! (یہ پیغمبر) حق پر ہیں اور جو ان کی مخالفت کرے گا اس پر یہ غالب آ جائیں گے۔ جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آ گئے تھے اس کے بعد میں نے حقانیت اسلام کو تسلیم کر لیا، پھر میں اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ گیا۔ اس وقت میری رائے تبدیل ہو چکی تھی، مگر میں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا۔

ہجرت حبشہ کے واقعہ میں بڑی تفصیلات پائی جاتی ہیں، لیکن یہاں ہم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلقہ امور کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

قبولِ اسلام

جناب عمرو بن العاص، شاہ حبشہ سے ملاقات کے بعد واپس ہوئے۔

قریش مکہ سے مسلمانوں کی مصالحت کے دور میں فتح مکہ سے چھ ماہ قبل ماہ صفر ۸ھ میں عمرو بن العاص جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس موقعہ پر خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ بھی اسلام کے مقصد سے ان کے ساتھ ہی حاضر ہوئے تھے۔

پہلے خالد بن ابولید نے اسلام قبول کیا اور اس کے بعد عمرو بن العاص نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا حضرت آپ اپنا دایاں ہاتھ پھیلائیے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں لیکن جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ مبارک پھیلایا تو عمرو نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور عرض کی کہ میں جناب کی خدمت میں قبول اسلام سے پہلے شرط لگانا چاہتا ہوں تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا شرط ہے؟ تو عمرو بن العاص نے عرض کی کہ میرے سابق معاصی سب معاف ہو جائیں تو اس وقت جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

... اما علمت یاعمرو! ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ وان الھجرہ تھدم ما کان قبلھا وان الحج یھدم ما کان قبلہ۔

یعنی اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام لانا ماقبل کی سب چیزوں (معاصی) کو گرا دیتا ہے اور ہجرت کرنا ماقبل کی سب خطاؤں کو گرا دیتا ہے اور حج کرنا ماقبل کی سب غلطیوں کو گرا دیتا ہے۔

(۱) اسد الغابہ لابن اثیر الجزری ج ۴، ص ۱۱۶، تحت ترجمہ عمرو بن العاص۔

(۲) مسلم شریف ج ۹ ص ۷۶، تحت باب کون الاسلام یھدم ما کان قبلہ۔

(۳) تہذیب الاسماء واللغات للنواوی ص ۳۰، جلد اوّل، تحت عمرو بن العاص۔

اس باہمی گفتگو کے بعد جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سمیت

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اسلام قبول کرلیا۔

اسلام لانے کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قلب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور محبت اس قدر جاگزیں ہوئی کہ آنموصوف کہتے ہیں کہ

... وما كان احد احب الى من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا اجل فى عينى منه وما كنت اطيق ان املاء عينى منه اجلالا له ولو سئلت ان اصفه ما اطقت لانى لم اكن املاء عينى منه... الخ (مسلم شریف ج۱، ص۷۶، تحت باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ---الخ)

یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر مجھے کوئی شخصیت محبوب نہیں رہی۔ میری نظروں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی جلیل القدر نہیں رہا حتیٰ کہ میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلالت کی وجہ سے انہیں آنکھ بھر کر دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتا اور اگر مجھے آنجناب ﷺ کی بیان صفت کے متعلق سوال کیا جائے تو میں بیان کی طاقت نہیں رکھتا۔

ایمان کی شہادت

جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور ان کا اسلام لانا آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قبول ہوا، اور ان کا شمار مخلصین مومنین میں ہوا۔

چنانچہ اس چیز پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے شہادتیں پائی جاتی ہیں۔

محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوت نقل کرتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاص بن وائل کے دونوں فرزندوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ مومن ہیں: ہشام بن العاص اور عمرو بن العاص (رضی اللہ تعالیٰ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

عنہما)

... عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابنا العاص مومنان ھشام وعمرو۔

(۱) المستدرک للحاکم ص ۴۵۲، ج ۳، ذکر مناقب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۲) سیر اعلام النبلا للذہبی ص ۳۸، ج ۳، تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

ایک دیگر شہادت

اسی طرح محدثین کرام نے ایک دیگر واقعہ ذکر کیا ہے جس میں عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخلص مومن ہونے کی توثیق پائی جاتی ہے۔ امام نسائی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف "السنن الکبریٰ" میں اپنے اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ایک بار مدینہ منورہ میں ایک قسم کا خوف و ہراس طاری ہوا اور لوگ متفرق ہوگئے۔ اس وقت میں نے جناب سالم (موالی ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ وہ اپنی تلوار لگائے مسجد نبوی میں بیٹھے تھے۔ جب میں نے انہیں اس حالت میں دیکھا تو میں نے بھی تلوار لگالی اور ان کے ساتھ مسجد میں بیٹھ گیا۔

اس دوران جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور انہوں نے مجھے اور سالم کو اس حالت میں دیکھا۔ پھر آپ لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم گھبراہٹ اور خوف کی صورت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف کیوں نہیں آئے اور تم نے ایسا کیوں نہیں کیا جیسا کہ ان دو مومن شخصوں نے کیا ہے۔

... فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرانی وسالما واتی الناس فقال یایھا الناس الا کان مفزعکم

[Website: DifaAhleSunnat.com]

الی اللہ ورسولہ الا فعلتم کما فعل ھذان الرجلان المومنان۔ (السنن الکبریٰ للنسائی ص۸۱-۸۲، ج۵، کتاب المناقب، طبع ملتان، سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۴۳، ج ۳، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ)

صلاح و نیکی کی شہادت

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام لانا قبول ہوا اور وہ اسلام میں بڑے احترام کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ عزت بخشی کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان مبارک سے ان کے حق میں صلاح اور نیکی کی شہادت پائی گئی۔

چنانچہ مشہور صحابی حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حاضرین سے فرمایا کہ میں تمہیں وہی بات سناتا ہوں جو میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنی ہے۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عمرو بن العاص قریش کے صالح افراد میں سے ہیں۔

اور ایک دیگر روایت میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ ابو عبداللہ (عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) ام عبداللہ اور عبداللہ (بن عمرو بن العاص) یہ تینوں عمدہ اور بہترین گھرانہ ہے۔

... قال طلحہ لا حدثکم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیاء الا انی سمعتہ یقول عمرو بن العاص من صالحی قریش وفی روایہ نعم اھل البیت ابو عبداللہ ام عبداللہ وعبداللہ۔

(۱) فضائل الصحابہ الامام احمدؒ ص۹۱۱، ج۲، روایت نمبر۱۷۴۲-۱۷۴۳ تحت فضائل عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص۳۸، ج۳، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

بعض دیگر خصائل

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کبار تابعین بعض فضیلت کی چیزیں ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سے یہاں قبیصہ بن جابر کا بیان ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ جس میں آنموصوف رضی اللہ عنہ کے عمدہ خصال ذکر کرنے کے ساتھ ان کے اعلیٰ کردار کی نشاندہی کی گئی ہے۔

چنانچہ علامہ اشعبی نقل کرتے ہیں کہ

قبیصہ بن جابر کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی صحبت اختیار کی۔ وہ قرآن مجید کے ساتھ ذوق رکھتے تھے اور میں نے قرآن مجید کو واضح بیان کرنے والا، کریمانہ اخلاق کا حامل اور ایسا شخص جس کا باطن اس کے ظاہر کے ساتھ زیادہ مشابہ اور یکساں ہو، ان سے بہتر کسی شخص کو نہیں دیکھا۔

...عن الشعبی، عن قبیصہ بن جابر صحبت عمرو بن العاص فما رایت رجلا ابین قرانا ولاکرام خلقا ولا اشبہ سریرۃ بعلانیہ منہ۔

(۱) الاصابہ لابن حجر ص۲، ج۳، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، معہ الاستیعاب۔

(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص۳۸، جلد ثالث تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

روایت حدیث

علماء حدیث نے جس طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث و مرویات کی تعداد بیان کی ہے۔ اسی طرح حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث

[Website: DifaAhleSunnat.com]

کی تعداد بھی نقل کی ہے۔

چنانچہ علامہ المزرجی نے تذہیب تہذیب الکمال میں آنموصوف رضی اللہ عنہ کی روایات کی تعداد (۳۹) انتالیس ذکر کی ہے۔

.....له تسمعه وثلاثون حديثا۔

(خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال للمزرجی ص۲۸۸، ج۲، تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، طبع مکتبہ الاثریہ، سانگلہ ہل، للامام صفی الدین احمد بن عبداللہ المزرجی)

مقصد یہ ہے کہ جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس طرح ملکی فتوحات میں حصہ وافر لیا اور جنگی خدمات سرانجام دیں۔ اس طرح انہوں نے نشر حدیث کے معاملہ میں بھی قابل قدر دینی خدمات بجا لائیں اور امت کو فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہ کیا۔

حربی امور میں صلاحیت

جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ طبعاً حربی امور میں بہترین صلاحیت کے حامل تھے۔

چنانچہ جب آنموصوف رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی ان کی اس فطری صلاحیت کی قدردانی فرمائی۔ جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

...عن عمرو بن العاص قال: ما اعدل بی رسول الله صلی الله علیه وسلم وبخالد بن الولید احدا من اصحابه فی حربه منذ اسلمنا۔

یعنی جب سے میں نے اور خالد بن ولید نے اسلام قبول کیا ہے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگی معاملات میں کسی کو ہمارے برابر قرار نہیں دیا۔ (گویا کہ اس معاملہ میں ہماری یہ عزت افزائی فرمائی)

(۱) المستدرک للحاکم ص۴۵۵، ج۳، تحت ذکر مناقب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۴۴، ج ۳، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

تائید

علمائے تاریخ و تراجم کی عبارات میں حضرت عمرو بن العاص کے مذکورہ بالا اعزاز کی تائید پائی جاتی ہے۔ چنانچہ مورخین اور اہلِ تراجم نے آنموصوف کی قابلیت اور صلاحیتوں کو مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے:

...وکان من رجال قریش رایا ودهاء وحزما وکفاءه وبصیرا بالحروب۔ ومن اشراف ملوک العرب۔ ومن اعیان المهاجرین۔ (۱) سیر اعلام النبلاء للذہبیؒ، ص ۴۰، ج ۳، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ (۲) تاریخِ اسلام للذہبیؒ، ص ۳۹، ج ۲، تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قریش کے صاحب الرائے، زیرک اور عقل مند افراد میں سے تھے اور حزم و احتیاط کے حامل تھے اور (اپنے ہم عصروں کے ساتھ) مساوات اور برابری قائم رکھنے والے تھے اور جنگی معاملات میں صاحب بصیرت بزرگ تھے۔ عرب کے اشراف میں شمار ہوتے تھے اور اکابر مہاجرین حضرات میں سے تھے۔

غزوۃ ذات السلاسل

اس سلسلہ میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ذات السلاسل نامی غزوہ کے لیے امیر جیش بنا کر بھیجا گیا۔ وہاں آپ کے والد عاص بن وائل کے ماموں کا خاندان آباد تھا۔ آپ وہاں دعوت اسلام کے لیے پہنچے اور اسلام کے بعد انہیں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلنے کی دعوت دی۔

علماء نے لکھا ہے کہ یہ اسلامی لشکر قریباً تین سو مجاہدین پر مشتمل تھا۔ جب یہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

مجاہدین ان کے علاقے میں داخل ہوئے تو انہیں مزید کمک کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس وقت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکابر مہاجرین کی ایک جماعت کو ان کی معاونت اور امداد کے لیے روانہ فرمایا۔ اس دستہ میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ کرام بھی شامل تھے اور اس دستہ کے امیر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر فرمایا گیا تھا۔

... ثم امره رسول الله صلى الله عليه وسلم فى غزوه ذات السلاسل على جيش هم ثلثمائه۔ فلما دخل بلادهم استمده بجيش من المهاجرين الاولين فيهم ابوبكر وعمر رضى الله عنه واميرهم ابوعبيده بن الجراح رضى الله عنهم۔

(۱) تہذیب الاسماء واللغات للنواوی، ص ۳۰، ج ۱ القسم اول تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۲) اسد الغابہ لابن اثیر الجزری ص ۱۱۶، ج ۴، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۳) سیرۃ النبویہ لابن ہشام ص ۶۲۳، ج ۲، تحت غزوہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، ذات السلاسل کے تحت بھی مضمون ہذا دستیاب ہے)

اخلاص فی الدین اور محبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک بار ایک جنگی مہم درپیش تھی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف فرمان دے کر قاصد بھیجا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ تیاری کے ساتھ اپنے ہتھیار اور جنگی لباس پہن کر ہمارے پاس پہنچے۔ ہم نے ان کو ایک مہم میں روانہ کرنا ہے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں حسب فرمان حاضر خدمت ہوا تو

[Website: DifaAhleSunnat.com]

آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت وضو فرما رہے تھے۔ میرے حاضر ہونے پر ارشاد فرمایا کہ ہم تجھے ایک خاص مہم پر بھیجنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس میں تجھے سلامت رکھے گا اور مال غنیمت بھی ملے گا۔ ہم اس مال سے تجھے عنایت کریں گے۔

تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا کہ یارسول اللہ! ﷺ میں نے مال کے لیے نہیں بلکہ جہاد کی رغبت اور آنجناب کی معیت حاصل کرنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پاک اور حلال مال نیک صالح شخص کے لیے عمدہ ہے۔

...وقال یاعمرو! انی اریدان ابعثک وجها فیسلمک الله ویغنمک ارغب لک من المال رغبه صالحه قال قلت یارسول الله! انی لم اسلم رغبه فی المال انما اسلمت رغبه فی الجهاد والکینونه معک۔ قال یاعمرو! نعما بالمال الصالح، للمرا الصالح۔

(۱) فضائل الصحابہ لامام احمدؒ ص ۹۱۲، ج ۲، روایت نمبر ۱۷۴۵، تحت فضائل عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، طبع مکہ مکرمہ۔

(۲) مسند لامام احمدؒ ص ۱۹۷، ج ۴، تحت بقیہ حدیث عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۳) مسند لامام احمد ص ۲۰۲، ج ۴، تحت بقیہ حدیث عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۴) سیرۃ المعاویہ از مولف کتاب ہذا ص ۲۳۹، جلد اوّل، طبع اوّل۔

بُت شکنی

۸ ہجری میں جب مکہ فتح ہوگیا تو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف علاقوں میں بُت شکنی کے لیے کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو روانہ فرمایا۔

چنانچہ قبیلہ ہذیل میں ایک سواع نامی بُت نصب شدہ تھا۔ اس کے گرانے کے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

لیے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھیوں سمیت جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ فرمایا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں وہاں پہنچا تو وہاں ایک سادن (مجاور) بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا تم کس ارادہ سے یہاں آئے ہو؟ تو جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بُت کے گرانے کا حکم فرمایا ہے۔ تو وہ کہنے لگا کہ تو اس چیز پر قادر نہیں ہو سکتا۔ میں نے پوچھا کیوں؟ تو اس نے کہا کہ یہ بُت خود مانع ہوگا۔ میں نے کہا کہ تو اب تک باطل گمان میں ہے اور کیا یہ بُت سنتا ہے یا کچھ دیکھ سکتا ہے؟؟

اس کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس بُت کے قریب گیا اور اسے پاش پاش کر دیا۔ اس کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس کے خزانہ کے کمرہ کو بھی گرا دو لیکن اس میں سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی۔ پھر میں نے اس سادن سے کہا کہ تو نے کیا دیکھا (بُت کی طاقت کے متعلق) تو اس نے کہا کہ اسلمت للہ اور وہ مسلمان ہوگیا۔

... قال فدنوت منه فكسرته وامرت اصحابی فهدموا بيت خزانته فلم يجدوا فيه شيا ثم قلت للسادن كيف رايت؟ قال اسلمت لله۔

(طبقات لابن سعد ص ۱۰۵، ۱۰۶، ج ۲، تحت سریہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ الی سواع، طبع لیدن)

طبعی صلاحیت اور دینی اعتماد

اس سلسلہ میں محدثین کرام نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو شخص اپنا ایک باہمی تنازع لے کر حاضر ہوئے۔ اتفاقاً حضرت عمرو

[Website: DifaAhleSunnat.com]

بن العاص رضی اللہ عنہ، وہاں موجود تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا کہ ان دو متنازعین کے درمیان تم فیصلہ کرو۔ تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ اس معاملہ میں مجھ سے زیادہ فائق اور حقدار ہیں تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ میں زیادہ اولیٰ ہوں (پھر بھی تم ہی فیصلہ کرو) اس کے بعد جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بطور استفادہ کے اور حصول وضاحت کے طور پر عرض کیا کہ اگر ان کے مابین متنازع کا میں فیصلہ کروں تو یہ میرے لیے کس طرح سودمند ہوگا تو ان کی اس گزارش پر بطور قاعدہ کے ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوا۔

... قال ان انت قضیت بینهما فاصبت القضاء فلك عشر حسنات وان انت اجتهدت فاخطات فلك حسنه۔

یعنی اگر تم نے ان کے مابین درست اور صحیح فیصلہ کیا تو تمہارے لیے دس نیکیاں ہوں گی اور اگر تم نے اپنے اجتہاد میں خطا کی تو پھر بھی تمہارے لیے ایک نیکی ہے۔

(مسند امام احمدؒ ص۲۰۵، ج۴، تحت بقیہ حدیث عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، طبع مصر)

اس سے واضح ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ نبوت میں عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک نہایت باصلاحیت، مخلص اور دیانت دار شخص تھے اور ان کی طبعی صلاحیت پر آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعتماد تھا، اسی بنا پر ان کو اس واقعہ میں فیصل قرار دیا۔

نوٹ: واقعہ ہذا قبل ازیں سیرت امیر معاویہ جلد اوّل، ص۲۴۰-۲۴۱ پر ہم ذکر کر چکے ہیں۔

مکتوب نبوی اور عمان کی امارت

اہلِ سیرت نے لکھا ہے کہ ذوالقعدہ ۸ ہجری میں سید الکونین صلی اللہ علیہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

وآلہ وسلم نے جناب عمرو بن العاص کو ایک دعوتی مکتوب دے کر عمان کے دو بادشاہوں (جیفر و عبد) کی طرف روانہ فرمایا۔

یہ دونوں الجلندی کے فرزند تھے اور قبیلہ "ازد" سے تھے اور عمان پر دونوں برادران میں سے جیفر بادشاہ حکمران تھا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، ان دونوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے روانہ کیے گئے۔ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں بھائیوں کی طرف ایک دعوتی مکتوب لکھوایا اور اس پر مہر نبوی تھی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، کہتے ہیں کہ میں عمان پہنچا۔ دونوں بھائیوں میں زیادہ حلیم اور نرم اخلاق عبد تھا۔ اس کی طرف قصد کیا اور میں نے کہا کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے تم دونوں کے پاس پیغام رساں بن کر آیا ہوں۔

تو اس نے کہا کہ میرا برادر بڑا ہے اور بادشاہ ہے۔ میں اس سے تیری ملاقات کراتا ہوں، وہ آپ کا مکتوب پڑھے گا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، کہتے ہیں کہ کئی ایام میں وہاں ان کے مقام پر ٹھہرا رہا، پھر انہوں نے مجھے دعوت دی، میں ان کے پاس داخل ہوا اور میں نے دعوتی مکتوب ان کے ہاں پیش کیا، مہر لگی ہوئی تھی اس نے اس کو کھولا اور خط پڑھا اور تمام پڑھا۔

پھر اس نے یہ خط اپنے بھائی کو دیا تو اس کے برادر نے بھی تمام خط پڑھا۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، کہتے ہیں کہ میں نے معلوم کیا کہ اس کا برادر زیادہ نرم طبع کا آدمی ہے۔ اس نے کہا کہ آپ ٹھہریئے، کل آجانا۔ پھر دوسرے روز میں ان کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ میں نے اس دعوت میں خوب غور و فکر کیا ہے اور میں عرب میں کمزور آدمی ہوں گا، اگر اپنے تمام ملک کو ایک شخص کی ملکیت میں دے دوں، پھر میں نے کہا کہ کل میں واپس ہو جاؤں گا۔ جب اس کو میری واپسی کا یقین ہو گیا تو اس پر دونوں بھائیوں نے اسلام قبول کر لیا اور پیغمبر اسلام کی تصدیق کی اور مجھے اس علاقہ سے صدقہ وصول کرنے کی رخصت دے دی اور مانع نہیں ہوئے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اور اگر کسی نے اس کام میں میری مخالفت کی تو وہ دونوں حضرات اس مسئلہ میں میرے معاون ہوئے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس علاقہ کے اغنیاء لوگوں سے صداقت وصول کیے اور وہاں کے فقراء اور حاجت مند لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔

اس سلسلہ میں وہاں مقیم رہا حتیٰ کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کی خبر موصول ہوئی۔

...فلما ایقن بمحزجی اصبح فارسل الی فدخلت علیه فاجاب الی الاسلام هو واخوه جمیعا وصدقا بالنبی صلی الله علیه وسلم وخلیا بینی وبین الصدقه وبین الحکم فیما بینهم وکانا لی عونا علی من خالفنی فاخذت الصدقه من اغنیاءهم فردوتها فی فقراءهم فلم ازل مقیما فیهم حتی بلغنا وفاه رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

(۱) الطبقات لابن سعد ص۹۸ جلد۹ ق ثانی تحت ذکر بعثت رسول اللہ الرسل بکتبہ، طبع قدیم، لیدن۔

(۲) سیرت ابن ہشام جلد۲ ثانی ۶۰۷ میں بھی واقعہ ہذا اپنی عبارت میں مذکور ہے۔

صدیقی اور فاروقی عہد میں فتوحات اور شام میں ملی خدمات

ماقبل میں جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملی خدمات جو عہد نبوت میں پیش آئیں، ان کا بالاختصار ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد صدیقی عہد خلافت میں بھی ان کے بہت وقیع کارنامے اسلامی خدمات کے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

مثلاً جس وقت جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۳ ہجری میں حج ادا کرنے کے بعد واپس تشریف لائے تو اس وقت علاقہ شام میں اسلامی افواج بھیجنے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام (فلسطین) کی طرف عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا۔ اس وقت متعدد حضرات یزید بن ابی سفیان، ابوعبیدہ بن الجراح اور شرجیل بن حسنہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اپنے اپنے دستہ فوج پر امیر بنا کر روانہ فرمایا اور ان تمام امراء کو بلقاء کے مقام کی طرف پہنچنے کی ہدایت فرمائی۔

... لما قفل ابوبكر (الصديق رضی اللہ عنہ) عن الحج (۱۳ هجری) بعث عمرو بن العاص قبل فلسطين ويزيد بن ابی سفيان وابا عبيده بن الجراح شرجيل بن حسنه۔ وامرهم ان يسلكوا على البلقاء۔

(تاریخ خلیفہ بن خیاط ص۸۶، ج۱، تحت سنہ ۱۳ ہجری)

اور خلیفہ بن خیاط نے ابن اسحاق کے حوالہ سے مزید اس مقام میں یہ وضاحت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کے مطابق یہ تمام حضرات فلسطین کی طرف روانہ ہوگئے اور اجنادین کے مقام پر جمع ہوئے اور ہر ایک امیر اپنے اپنے دستہ پر نگران تھا۔

اور بعض مورخین اس طرح بھی ذکر کرتے ہیں کہ ان تمام پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ امیر الامراء تھے۔ اس میں دیگر اقوال بھی پائے جاتے ہیں۔

ان کے مقابل رومیوں کے لشکر کا امیر قیقلاء تھا۔ وہ اس جنگ میں قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست دی (اور اہلِ اسلام کو فتح نصیب ہوئی) یہ جمادی الاولیٰ ۱۳ ہجری کا واقعہ ہے۔

خلیفہ ابنِ خیاط نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اجنادین کی اس جنگ میں حضرت عمرو

[Website: DifaAhleSunnat.com]

بن العاص رضی اللہ عنہ کے برادر ہشام بن العاص السہمی رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے تھے۔

... قال ابن اسحق ثم ساروا جميعا قبل فلسطين- فالتقوا باجنادين... والامراء كل على جنده يزعم بعض الناس ان عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ كان عليهم جميعا- وعلى الروم القيقلاء فقتل القيقلاء، وهزم الله المشركين وذالك يوم السبت الثلاث يقين من جمادى الاولى سنه ثلاث عشر-

(تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۸۷، ج ۱ تحت سنہ ثلاث عشر، طبع اوّل)

جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جنگ یرموک میں شریک و شامل ہوئے اور بڑی مشکلات اور آزمائشوں میں مبتلا رہے، مگر اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے مقابلہ میں مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔

...وشهد عمرو يوم اليرموك وابلى يومئذ بلاء حسنا-

(سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۴۶، ج ۳ تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ)

اور بعض مورخین نے اس طرح لکھا ہے کہ بعد میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے آپ رضی اللہ عنہ کو حلب رے انطاکیہ وغیرہ کی طرف بھیجا اور انہوں نے صلح کر لی۔

اس کے بعد جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر قنسرین کے علاقے کو فتح کیا۔

...وقيل: بعثه ابوعبيده (بن الجراح) فصالح اهل حلب وانطاكيه وافتتح سائر قنسرين عنوه-

(۱) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۴۶، ج ۳ تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۲) الاصابہ لابن حجر معہ الاستیعاب ص ۲، ج ۳ تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

خلیفہ ابن خیاط نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو

[Website: DifaAhleSunnat.com]

بن العاص رضی اللہ عنہ کو فلسطین اور اردن کے علاقہ جات کا والی بنایا۔

..... وولی عمر رضی اللہ عنہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فلسطین والاردن۔

(۱) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۲۹، ج ۱ تحت الشامات۔

(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۴۶، ج ۳ تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

علاقہ مصر میں ملی خدمات

پھر اس کے بعد اہلِ تاریخ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن العاص کی طرف مکتوب ارسال فرمایا کہ آپ رضی اللہ عنہ مصر کی طرف اقدام کریں، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کی امداد کے لیے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی مصر کی طرف روانہ کیا گیا اور ان حضرات کی مساعی سے مصر فتح ہوا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تک مصر کے والی اور حکمران رہے۔

... وکتب الی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فسارَ الی مصر فافتتحھا فلم یزل والیا حتی مات عمر۔

(۱) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۳۰، ج ۱ تحت الشامات (۲۳ ہجری) ص ۱۱۴، ج ۱ تحت ۲۰ ہجری فتح مصر۔

(۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۴۶، ج ۳ تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

مورخین کی تصریحات کے مطابق جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ۲۱ ہجری میں اسکندریہ فتح کیا اور اس سے قبل ۲۰ ہجری میں الیون نامی علاقہ کو فتح کیا۔

اس کے بعد آپ طرابلس کی طرف متوجہ ہوئے اور ۲۳، ۲۴ ہجری میں اسے فتح کر کے سلطنت اسلامی میں شامل کیا۔

... فتح عمرو بن العاص الا سکندریہ سنہ احدی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

وعشرین... وقال النسوی کان فتح لیون سنه عشرین وامیرها عمرو- وقال خلیفه افتتح عمرو طرابلس الغرب سنه اربع وعشرین وقیل سنه ثلاث-

(۱) سیر اعلام النبلاء للذہبی، ص ۴۶-۴۷، ج ۳، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۲) تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۲۵ ج ۱ تحت عنوان فتح طرابلس والاسکندریہ۔

امام النواوی نے اپنی تصنیف تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ فتح مصر کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، وہاں مصر کے والی اور حاکم رہے، حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے۔

بعدہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے چار سال تک والی مصر رہے۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے انہیں ولایت مصر سے معزول کر دیا تو آنموصوف فلسطین میں مقیم ہو گئے اور وقتاً فوقتاً مدینہ طیبہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔

... ثم ارسله عمر رضی اللہ عنہ، فی جیش الی مصر ففتحها ولم یزل والیا علیها حتی توفی عمر ثم اقره عثمان علیها اربع سنین ثم عزله- فاعتزل عمرو بفلسطین وکان یاتی المدینه احیانا-

(۱) تہذیب الاسماء واللغات للنواوی ص ۳۰، جلد اوّل، القسم الاول ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲) اسد الغابہ لابن اثیر الجزری ص ۱۱۷ ج ۴، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

الانتباہ

ماقبل کے صفحات میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، کے متعلق حربی امور کا ذکر اختصاراً پیش کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیلات مفصل تاریخوں میں دستیاب ہو سکتی

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ہیں، ان کے جنگی کارنامے اور متعدد علاقوں کی فتوحات میں ان کی مساعی بہتر طریقہ سے صفحات تاریخ پر پائی جاتی ہیں، اس سے اشاعت اسلام میں ان کا مقام واضح ہوتا ہے اور فروغ دین میں ان کا کردار آشکارا ہوتا ہے۔

واقعہ تحکیم

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ولایت مصر سے معزولی کے بعد جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عموماً فلسطین یا بعض دیگر مقامات میں مقیم رہے۔ جس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ صفین واقع ہوئی تو اس وقت دونوں فریقین نے اپنے اپنے حالات کے تقاضوں کے تحت مصالحت کے لیے حکمین تجویز کیے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ حکم منتخب ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حکم منتخب کیے گئے۔

صفر ۳۷ھ میں ملک شام کی سرحد پر دومتہ الجندل کے قریب اذرح کے مقام پر حکمین کا اجتماع ہوا۔ وہاں فریقین کے درمیان مصالحت کے موضوع پر باہم گفتگو ہوئی۔ (جس کی تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں اور ہم نے بھی سیرۃ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیرۃ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلد اوّل میں بحث ہذا کے تحت ذکر کی ہیں) اور دونوں حکمین حضرات کی رائے میں اختلاف واقع ہوا اور وہ کسی متفقہ فیصلہ پر مجتمع نہیں ہوسکے۔ اس وجہ سے تحکیم میں ناکامی ہوئی۔

خلیفہ بن الخیاط لکھتے ہیں کہ

... وفيها (صفر ۳۷ھ) اجتمع الحكمان ابوموسى الاشعرى رضی اللہ عنہ من قبل على رضی اللہ عنہ وعمرو بن العاص رضی اللہ عنہ من قبل معاويه رضی اللہ عنہ بدومة الجندل فى شهر رمضان ويقال

[Website: DifaAhleSunnat.com]

باذرح وهی من دومة الجندل قریب- فبعث علی ابن عباس ولم یحضر وحضر معاویه- فلم یتفق الحکمان علی شیئی...الخ-

(تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد اوّل، ص ۱۷۴ تحت سنہ سبع و ثلاثین)

مختصر یہ ہے کہ واقعہ تحکیم میں کسی مخادعت اور شاطرانہ طریقہ کو دخل نہیں تھا (جیسا کہ مؤرّخین مثلاً طبری متوفی ۳۱۰ھ نے واقعہ ہذا میں طول طوال چیزیں بڑھا چڑھا کر ذکر کی ہیں) بلکہ اس میں حکمین کے مابین اختلاف رائے ہوگیا تھا یعنی ایک صاحب کی رائے دوسری شخصیت کی رائے سے متعارض ہوئی، اس بنا پر مسئلہ کا کوئی متفقہ حل سامنے نہ آسکا اور جانبین کی مصالحانہ مساعی ناکام ہوگئیں۔

اس چیز پر ہم نے طبری سے قدیم تر مورخ خلیفہ ابن خیاط المتوفی ۲۴۰ھ کا مندرجہ بالا فیصلہ بلفظہ ذکر کر دیا ہے جو نہایت قابل توجہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شانِ دیانت اور شانِ عدالت کے پیشِ نظر یہی چیز درست اور صحیح ہے۔

قاتلانہ حملہ

واقعہ صفین کے بعد جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، کے دورِ خلافت میں مصر میں مقیم تھے اور وہاں کے والی اور حاکم بنائے گئے تھے۔

جنگ نہروان کے بعد رمضان المبارک ۴۰ھ میں بعض خارجی افراد (عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی، عمرو بن بکیر، برک بن عبداللہ) حرم کعبہ میں مجتمع ہوئے اور انہوں نے باہم فیصلہ کیا کہ--- ان تین اشخاص (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، اور جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دینا چاہیے تاکہ لوگوں کو ان کے مظالم سے نجات مل سکے اور یہ کام ایک ہی تاریخ میں پورا کیا جائے۔

عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی نے کہا کہ علی ابن طالب رضی اللہ عنہ، کے قتل کا میں ذمہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

لیتا ہوں اور برک بن عبداللہ نے کہا کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو میں قتل کروں گا اور عمرو بن بکیر نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قتل کا عہد کیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کے واقعات قبل ازیں ہم سیرۃ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلد اوّل میں بحث ہذا کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔

ابن ملجم المرادی کے حملہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے اور برک بن عبداللہ نے حملہ کیا مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔ اب اس مقام میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کا واقعہ بالاختصار ذکر کیا جاتا ہے۔

(عمرو بن بکر) یا عمرو بن بکیر اس مقصد کے لیے مصر پہنچا اور اس کا ارادہ تھا کہ صبح کی نماز کے موقعہ پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ اس روز حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنی پیٹ کے مرض کے باعث فجر کی نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں تشریف نہیں لا سکے اور اپنے قائم مقام کے طور پر اپنے پولیس افسر خارجہ بن ابی حبیبہ (یا خارجہ بن حذافہ) کو نماز پڑھانے کے لیے بھیجا۔

عمرو بن بکیر مسجد میں پوشیدہ ہو کر بیٹھا تھا تاکہ جب آنموصوف نماز کے لیے پہنچیں تو ان پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ جب خارجہ نماز کے لیے پہنچے تو اس نے ان پر حملہ کر کے قتل کر دیا اور اسے گمان تھا کہ یہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب یہ خارجی پکڑا گیا تو کہنے لگا کہ میں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ارادہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے خارجہ کی موت کا ارادہ کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قول حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر فرمایا تھا۔ اس کے بعد اس خارجی برک بن عبداللہ کی گردن اُڑا دی گئی۔

...فحمل علیہ الخارجی فقتلہ وھو یعتقد عمرو بن العاص فلما اخذ الخارجی قال اردت عمرواً واراد اللہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

خارجہ- فارسلها مثلا وقتل قبحه الله- وقد قيل ان الذى قالها عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ و ذالك حين جئى باالخارجى فقال ما هذا؟ قالوا قتل نائبك خارجه- ثم امر به فضربت عنقه-"

(۱) البدایہ لابن کثیرؒ ج۷، ص۳۲۹ تحت مقتل علی رضی اللہ عنہ۔

(۲) مجمع الزوائد للہیثمی ج۹، ص۱۴۲-۱۴۱ باب آخر احوال علی رضی اللہ عنہ۔

(۳) کتاب المحبر لابی جعفر بغدادی ص۴۹۳ طبع دکن۔

آخری احوال

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک مدت تک مصر کے والی رہے اور اس علاقہ میں عمدہ انتظام قائم رکھا اور اسلام کے فروغ اور بقا کے لیے مساعی جاری رکھیں۔ ان کی عمدہ صلاحیتوں کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کرنے یا انہیں تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور ان کی عمر کا بیشتر حصہ مصر میں ہی پورا ہوا۔

آخر میں عمر رسیدہ ہو کر طبعاً علیل ہوگئے۔ ان اوقات میں ایک صاحب ابن شماسۃ المہدی آنموصوف رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ شدت مرض کی وجہ سے پریشانی کی حالت میں تھے۔

○ ابن شماسہ کہتے ہیں کہ اس وقت آپ بہت روئے اور گریہ کی حالت میں دیوار کی طرف رُخ کر لیا۔

○ آپ رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہ بن عمرو اس وقت موجود تھے، وہ کہنے لگے: اے والد! آپ کو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں بشارت نہیں فرمائی؟؟ تو آنموصوف اپنے فرزند کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: سب سے بہتر چیز جو میں شمار کرتا ہوں وہ توحید و رسالت کی شہادت ہے۔ (جو مجھے حاصل ہے)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

میری عمر کے تین دور گزرے ہیں:

○ میری حالت قبول اسلام سے قبل یہ تھی کہ میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت رکھتا تھا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا متمنی تھا۔ اگر اس وقت مجھے موت آجاتی تو یقیناً اہلِ جہنم میں سے ہوتا۔

○ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی صداقت ڈال دی اور میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قبول اسلام کے لیے اپنے سابقہ معاصی کی مغفرت کی شرط پیش کی۔ (اس موقعہ کی باہمی گفتگو کی تفصیلات مسلم شریف وغیرہ میں مذکور ہیں اور ہم نے قبل ازیں "قبولِ اسلام" کے عنوان کے تحت اسے مختصراً ذکر کیا ہے)..... اس حالت میں اگر میری موت واقع ہو جاتی تو میں یقیناً اہلِ جنت میں شمار ہوتا۔

○ اس کے بعد کئی امور کا مجھے والی بنایا گیا۔ میں نہیں جانتا کہ ان امور کا انجام میرے حق میں کس طرح رہا؟؟... الخ۔

(۱) مسلم شریف ج۱ ص۷۶، تحت کتاب الایمان باب کون الاسلام یھدم... الخ۔

(۲) حاشیہ تہذیب الاسماء واللغات للنواوی ص۳۱، ج۱ ق۱، تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

روایت مندرجہ بالا کے علاوہ بھی علماء کرام نے بعض چیزیں ذکر کی ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو آنموصوف اپنی پریشانی کی حالت میں اپنے مالک حقیقی کی جناب میں عجز و انکسار کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ

اللھم امرت بامور ونھیت عن امور۔ ترکنا کثیرا مما امرت ورتعنا فی کثیر مما نھیت۔ اللھم لا الہ الا انت .....فلم یزل یھلل حتی فاض رضی اللہ عنہ۔

(۱) سیر اعلام النبلاء للذہبی ج۳، ص۵۱، تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(۲) تہذیب الاسماء واللغات للنواوی جلد اوّل، ص۳۰، القسم الاول تحت عمرو بن

[Website: DifaAhleSunnat.com]

العاص رضی اللہ عنہ میں اسی مفہوم کی روایت درج ہے۔

مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اے اللہ! تو نے ہمیں کئی امور کا حکم دیا اور کئی امور سے ہمیں منع فرمایا۔ ہم نے بہت سے احکام کو چھوڑ دیا اور بہت سے ممنوعات کے ہم مرتکب ہوئے۔ اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ آنموصوف لا الہ الا اللہ کا ذکر بار بار کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔

چنانچہ حدیث شریف میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا۔

..... عن معاذ رضی اللہ عنہ (بن جبل) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنہ۔ رواہ ابوداود والحاکم وقال صحیح الاسناد۔

(ریاض الصالحین ص ۳۷۶، تحت باب تلقین المحتضر لا الہ الا اللہ)

فلہذا جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا کلمہ توحید کا ورد کرتے ہوئے انتقال ہونا خاتمہ بالخیر کی واضح دلیل ہے اور اُخروی نجات اور دخول جنت کی علامت ہے۔

تاریخ وفات

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال قریباً ستر برس کی عمر میں ہوا اور آنموصوف عیدالفطر کی شب میں فوت ہوئے۔ آپ کی نمازِ جنازہ عیدالفطر ۴۳ھ کی نماز کے بعد آپ کے فرزند عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور مقطم میں سپردِ خاک کیے گئے۔

(۱) تہذیب الاسماء واللغات للنواوی جلد اوّل، ص ۳۰، القسم الاول تحت ترجمہ عمرو بن العاص

[Website: DifaAhleSunnat.com]

رضی اللہ عنہ۔

(۲) اسد الغابہ لابن اثیر الجزری ج ۴، ص ۹۱۷ تحت ترجمہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

ایک اشتباہ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے آخری اوقات میں پریشانی اور اضطراب کے بعض کلمات صادر ہوئے ہیں مثلاً بعض روایات کے اعتبار سے آنموصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(۱) ... اللھم امرت بامور ونھیت عن امور۔ ترکنا کثیرا مما امرت ورتعنا فی کثیر مما نھیت۔

(۲) ... ثم ولیت اشیاء ما ادری ما حالی فیھا۔

مذکور بالا کلمات کی بنا پر بعض لوگ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ یہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے آخری اوقات کے کلمات ہیں جن میں انہوں نے اپنی غلطیوں اور قصور کا اعتراف کیا ہے اور مغفرت سے مایوسی کا اظہار کیا ہے اور آنموصوف اپنی زندگی کے آخری اوقات میں اپنے افعال و اعمال پر ندامت اور پشیمانی کا اظہار کرتے تھے۔ یہ چیز سوء انجام کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔

رفع اشتباہ

اس سلسلے میں چند چیزیں درج ذیل ہیں، ان پر نظر انصاف کرنے سے مذکورہ بالا اعتراضات دُور ہو جائیں گے اور شبہات رفع ہو سکیں گے۔

قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر بعض اوقات فکر آخرت کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ اپنے مالک حقیقی کے سامنے عجز و انکسار کا اظہار کرتے ہوئے مغفرت کے طالب ہوتے ہیں۔ ایسی کیفیت میں ان حضرات سے جو کلام صادر ہوتا ہے اسے تواضع اور انکساری پر محمول کیا جاتا ہے اور یہ چیز خشیت الٰہی کے غلبہ کی وجہ سے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

پیش آتی ہے۔

اس مسئلہ پر چند نظائر قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں جن میں ہماری مندرجہ بالا گزارش کی تصدیق موجود ہے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کلام میں یہی مضمون بہ عبارات ذیل منقول ہے:

(۱) ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اس امت کے سب سے بہترین افراد ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، پھر فرمایا:

...انا قد احدثنا بعدهم احداثا يقضى الله تعالى فيها ماشاء۔

(مسند امام احمدؒ جلد اوّل، ص۱۱۵ تحت مسندات علی رضی اللہ عنہ)

یعنی ..... ان کے بعد ہم سے کئی جدید چیزیں صادر ہوئیں، اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔

(۲) ابو نعیم الاصفہانی اپنی سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار خطبہ دیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: اے لوگو! جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے سب سے خیر اور افضل تھے، پھر ان کے بعد امت کے بہترین شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہیں..... آگے فرمایا:

...ثم احدثنا امورا يقضى الله فيها ماشاء۔

(اخبار اصفہان لابی نعیم اصفہانی جلد اوّل، ص۳۳۵، طبع لیدن)

یعنی ..... پھر ہم نے کئی نئے امور سرانجام دیئے، اللہ تعالیٰ ان میں جو چاہیں گے فیصلہ فرمائیں گے۔

(۳) خطیب بغدادی نے اپنی تصنیف میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ

[Website: DifaAhleSunnat.com]

وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر رضی اللہ عنہ، و عمر رضی اللہ عنہ، ہیں۔ پھر فرمایا:

...واحدثنا احداثا بعدهم يفعل الله مايشاء۔

(موضح اوہام الجمع والتفریق للخطیب بغدادی ج۲، ص۹، تحت ذکر خالد بن علقمہ)

یعنی فرمایا..... پھر ان حضرات (شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے بعد ہم سے کئی چیزیں صادر ہوئیں، ان کے حق میں اللہ تعالیٰ جو چاہیں گے معاملہ فرمائیں گے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا تمام اقوال کا مفہوم یہی لیا جاتا ہے کہ انہوں نے خشیت الٰہی کے غلبہ کے تحت یہ کلمات ادا فرمائے اور خطایا اور کوتاہیوں کو ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا۔ لہٰذا ان کلمات کو جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے معاصی اور عیوب پر محمول کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔

اسی طرح ایک دیگر مشہور صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح کا کلام منقول ہے۔

چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ

... العلاء بن المسيب عن ابيه قال لقيت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ، فقلت طوبى لك۔ صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم وبايعته تحت الشجرة۔ فقال يا ابن اخي انك لا تدري ما احدثنا بعده (صلى الله عليه وسلم)

(بخاری شریف ج۲، ص۵۹۹، باب غزوۃ حدیبیہ، طبع دہلی، نور محمدی)

یعنی المسیب کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار براء بن عازب رضی اللہ عنہ، سے ملاقات کی اور میں نے عرض کیا کہ آپ کے لیے عمدہ خوشخبری حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ، جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے شجرہ کے نیچے بیعت کی۔ تو اس کے جواب میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ اے برادر زادے! تُو نہیں جانتا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم نے کیا کچھ نئے کام کر ڈالے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اس کلام میں بھی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اپنے عجز و انکسار کے پیشِ نظر یہ کلمات فرمائے اور اپنے اضطراب کا اظہار فرمایا۔ لیکن ان کلمات سے آنموصوف رضی اللہ عنہ کے خدا و رسولؐ کے نافرمان ہونے اور معاصی کے مرتکب ہونے کا مفہوم نہیں لیا جا سکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مندرجات بالا کے پیشِ نظر یہ چیز واضح ہوئی کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا آخری اوقات میں اس نوع کے کلمات ادا کرنا ان کے فکرِ آخرت اور خشیت الٰہی کے غلبہ کی وجہ سے تھا۔

فلہذا ان مضطربانہ کلمات کی بنا پر آنموصوف رضی اللہ عنہ پر نقد کرنا اور اعتراض قائم کرنا بے جا ہے اور ہرگز درست نہیں بلکہ یہ چیز تو ان کی شانِ اتقاء اور شانِ دیانت کی اعلیٰ صفت ہے جو ان سے صادر ہوئی۔ یہ چیز خاتمہ بالخیر اور حُسنِ انجام کی علامات میں سے ہے۔

اختتامی کلمات

ناظرین کرام کی توجہ اس چیز کی طرف دلائی جاتی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر نقد کرنے والے لوگوں نے جو اعتراضات آپ کی شخصیت پر وارد کیے ہیں (جیسا کہ ان کا اجمال اوّل بحث میں درج کیا گیا ہے) ان کو پیشِ نظر رکھئے اور پھر جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے احوالِ زندگی اور ان کی ملی خدمات کو ملحوظ رکھئے اور ان کی سرگزشت کے ایک ایک عنوان پر منصفانہ نظر کیجئے۔ (جو صفحات بالا میں بالاختصار پیش کیے گئے ہیں) بشرط انصاف اس طرح موازنہ کرنے سے اعتراضات کا جواب بہ اسانی حل ہو سکے گا اور مزید کوئی بحث ذکر کرنے کی حاجت نہ رہے گی۔

آنموصوفؓ کے اوّل دور کے حالات پھر اس کے بعد اسلامی دور کے واقعات پھر ان کے اختتامی ایام کے کوائف ان سب ادوار کے نشیب و فراز سامنے رکھنے کے بعد کسی دیگر صفائی پیش کرنے اور دفاع ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

بعد از اسلام ان کی پوری زندگی کا کردار تمام سوالوں کا جواب ہے اور اگر ان تمام چیزوں کو پسِ پشت ڈال کر اعتراض کرنا ہی مقصود ہے تو پھر یہ صرف کینہ و عناد کی وجہ سے ہوگا جس کا کوئی علاج نہیں۔ واللہ الھادی' اللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]